وادی سندھ کے رسم الخط کے مطالعہ کے ضمن میں تحقیقات و انکشافات

از

مولانا ابو جلال ندویؒ

تعارف وتمہید :ڈاکٹر محمد علی جنید   معروضات و تحقیقات:سید خالد جامعی

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

کرف:۲۰۱۹

kurf™:kurf©

عنوانِ کتاب: وادی سندھ کے رسم الخط کے مطالعہ کے ضمن میں تحقیقات و انکشافات۔

محقق:مولانا ابو جلال ندویؒ۔

معروضات و اضافات:سید خالد جامعی۔

تعارف و تمہید:ڈاکٹر محمد علی جنید۔

پیشکش،سرورق،تہذیب:ڈاکٹر محمد علی جنید۔

نوع:علم انکشاف:تحقیق السانِ قدیمہ۔

کلید:تاریخ،وادی سندھ،علم السان،نقوشِ وادی سندھ،آثارِ قدیمہ،مولانا ابو جلال ندویؒ۔سید سلیمان ندوی،ندوۃ العلما،دارالمصنفین،کراچی،سید خالد جامعی،ڈاکٹر محمد علی جنید،کرف،جامعہ کراچی،موہن جو داڑو،ہڑپہ،سندھ و ہند،وید،عبرانی،عربی،انگریزی،اوردو،علم انکشاف و اکتشاف۔

www.facebook.com/kurf.ku

www.facebook.com/groups/kurfku

جامعہ کراچی دارُالتحقیق برائے علم و دانش

مولانا ابو جلال ندویؒ:ایک مختصر تعارف

مولانا ابو جلال ندوی کی بابت خاکسار کچھ زیادہ کچھ کہنے،سُننے کی حالت میں نہیں ہے،کیونکہ انکی بابت میری معلومات نہایت قلیل ہے جبکہ انکے علمی کارناموں کی فہرست انکی حیاتِ جسدی سے زیادہ طویل ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ انکی پیدایش ۱۸۹۱ کے اریب قریب چڑیا کوٹ کے مقام پر مولوی الیاس صاحب کے گھر واقع ہوئی تھی اور وہی جلال ندویؒ کے اولین استاد بھی تھے۔جہاں سے شروع ہونے والا علمی مدرسی سفر بلآخر ندوۃ العلما تک جا کر اختتام پذیر ہوا۔

ہمیں معلوم پڑتا ہے کہ ندوہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا کی علمیت کے سبب مولانا کو شبلی نیشنل کالج میں استاد مقرر کیا گیا تھا،جہاں آپ تشنگانِ علم کی علمی پیاس بجھانے کا فریضہ سر انجام دینے لگے تھے اور ساتھ ساتھ آپکی تاریخی و انکشافاتی صلاحیتوں میں بھی جلا پیدا ہونے لگی تھی ۔

بعدِ ازاں اُنکی اور سید سلیمان ندویؒ کی باہمی نشستیں غالباً انھیں سید صاحب کی نگاہ میں ایک خاص مقام دلوا چکی تھیں جبھی انھونے ۱۹۲۳ میں مولانا جلال صاحب کو رفیق کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا ۔ اندازہ ہوتا ہے کہ آپکی خاص دلچسپی کا محور علمِ لسان اور قدیم متروک و معدوم زبانوں کے مخرجات و لسانی بنیادوں کی تحقیق تھی۔لہٰذا جیسے جیسے مجلہ:معارف اور دیگر مجلوں و رسالوں[1] میں انکی علمی و تحقیقی تحریریں طبع ہونی لگیں آپکی علمی شہرت و افادیت مسلم و معروف ہوتی گئی۔

ویسے بھی کتابوں پر جناب کے تبصروں اور ، علمی مخطوطات کی عرق ریزی نے آپکی علمیت میں مذید نکھار پیدا کردیا تھا،کچھ سال(۵ یا ۶؟) دارالمصنفین میں قیام کے بعد آپ مدرسہ جمالیہ:مدراس کے منتظم بن کر وہاں بھی قیام پذیر ہوگئے تھے ۔مگر ندوہ اور دارالمصنفین کی محبت اور اسکے ماحول سے عشق نے آپکو نچلا بیٹھنے نہیں دیا اور بلآخر ۱۹۴۶ میں دارالمصنفین میں واپس چلے آئے ۔

چونکہ سید سلیمان ندوی[2]ؒ کی مانند انھیں بھی قران حمید کے اعلام،اماکن،اور تاریخی اتکشافات سے خاص دلچسپی تھی جبھی،سید سلیمان ندویؒ جب نے انھیں ان امور پر تحقیقات کرنے کا مشورہ دیا،تو انھونے اس ضمن میں ایک کتاب کی تیاری کے لئے تحقیق کا آغاز کیا تھا جسکے کچھ رنگ ،ڈھنگ ہماری اس کتاب میں بھی ڈھونڈھے جاسکتے ہیں [3] ۔بتایا جاتا ہے کہ اس ضمن میں انکے کچھ مضامین رسالہ معارف:اعظم گڑھ میں بھی چھپ کر دادِ تحسین بٹور چکے تھے۔مولانا کی تحریروں اور گفتگو سے بخوبی اندازہ قایم کیا جاسکتا ہے کہ انھیں:عربی،فارسی،عبرانی،انگریزی اور

---

[1] اخبارِ علمیہ اور انتقاد وغیرہ

[2] سید سلیمان ندویؒ کی اس ضمن میں شہرہ آفاق کتاب :تاریخ ارض قران انکی علمیت اور عبرانی و عربی زبان پر انکے عبور کا ثبوت ہے۔

[3] کتاب کی تکمیل ہوئی کہ نہیں ؟ اور وہ طبع ہوئی کہ نہیں؟ خاکسار اس امر سے لا علم ہے۔معج

سنسکرت پر کافی عبور حاصل تھا.اور ہماری اس کتاب میں جا بجا عربی شاعروں،ویدوں،اپنیشدوں،پورانوں،اور عہد نامہ سے دلایل لاتے نظر آتے ہیں :انھیں غالباً باقاعدہ کتاب کے برخلاف علمی تحقیقاتی مضامین لکھنے میں زیادہ دلچسپی تھی:جو آجکی دنیا کے ریسرچ پیپر کے طریقہ کار و نقطہ نظر کی مناسبت سے زیادہ موافقت رکھتے ہیں.اور لازماً اس قابل ہیں کہ انکی تحقیقات کے انگریزی و یورپی زبانوں میں تراجم ہوں جو انھیں ایک بین الاقوامی معروف شخصیت کے طور پر متعارف کرواسکیں ، ہماری دعا ہے کہ خالق کائینات اسکی کسی مربی علم سرمایہ دار کو توفیق عطا کرے۔

معلوم پڑتا ہے کہ آخر عمر میں آپ پاکستان ہجرت کرگئے تھے اور ۶.اکتوبر ۱۹۸۴ کو کراچی میں خالقِ حقیقی سے جاملے تھے۔ مولانا کی تاریخی و اتکشافاتی تحقیقات کو متعارف کرونے میں مجلہ جریدہ:جامعہ کراچی اور سابق ناظم شعبہ تصنیف و تالیف سید خالد جامعی کا خاص کردار ہےاللہ انکو اس ضمن میں اجرِ عظیم عطا فرمائے اگر انکی عنایت شامل حال نا ہوتی تو ہم اس کتاب کو پیش کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر محمد علی جنید

تمہید

تاریخ اور علم اکتشاف درحقیقت علوم الانکشافات ہیں جو ماضی کی سیاست ،حالات و اعلام کا علم ہے جدید صدی انکشافات زیر الارض کا نام ہے جس میں قدیم تہذیبوں اور قدیم أثار القدیمہ کو ڈہونڈھ کر کھود کھود کر ،ٹٹول ٹٹول کر زمین کے نیچے سے دریافت کیا جارہا ہے ،تہ در تہ پرتیں جو اقوام کے ادوار و طبقات تاریخ کی علامت ہیں انکو بڑی احتیاط سے زمین کو جگا کر دریافت کی جارہا ہے۔

وادی سندھ کی تہذیب کی قدامت کا اندازہ ایک تخمینہ جاتی أرا کے مطابق ۱۷۰۰ تا ۲۳۰۰ قبل مسیح لگایا گیا ہے ،میرا **اندازہ** یہ ہےکہ اسکا أغاز ۲۵۰۰[1] قبل مسیح سے ہوا ہوگا اور ۱۵۰۰ عیسویں سے یہ تہذیب اپنا اصل رنگ کھو کر ،بیرونی،ماحولی تغیرات،أریاوں کے جنگجو قبائل کی مسلسل وسط ایشیا سے أمد اورا نکے حملوں کے سبب نیست و نابود ہوگئی ہوگی ،ویسے بھی تہذیبیں افراد سے تشکیل پاتی ہیں ۔

جب افراد کے اخلاق،نظام،علم و سیرت میں تغیر اَتا ہے تو تہذیب بھی انکی تبدیلیوں سے متاثر ہوتی ہیں اور انکی موت کا سفربھی جسد خاکی کی طرح شروع ہوجاتا ہے ،أریاوں کا جب ان سے سامنا ہوا انکی حالت ابتر ہونا شروع ہوچکی تھی ۔

انکی کچھ تعداد موجودہ ہندوستان میں راجپوتانہ سے لیکر ،تامل ناڈو وغیرہ تک خوراک ،روزگار،،حفاظت نفس کے سبب رخصت ہو چکی تھی جبھی أریاوں کا سامنا ایک کمزور تہذیب سے ہوا اور جنگجو ،طاقتور،جوشیلے اَریا انکو ،لوٹتے ، غلام بناتے،ھانکتے ،پیٹتے ہندوستان لے گئے ،منو[2] کے عہد تک انکو نچلی ذات میں مقید کرکے شاسترانہ طبقاتی مقام دے دیا گیا تھا اور اغلب

---

1 سر جان مارشل نے اپنی کتاب موہنجوداڑو اور سندھ کی تہذیب:جلد اول ، میں اسکا تخمینہ ۵۰۰۰ سال قدیم لگایا ہے

2 ایک تخمینہ سے یہ قیاس اخذ کیا جاتا ہے کہ منو جی کا دور ۱۰۰۰ سے ۸۰۰ قبل مسیح کے دوران گزرا ہے۔

کول،بھیل جیسی اقوام جو أج پاکستان میں ہندو اقلیت کے طور پر ملتی ہیں کو کافی حد تک انکی باقیات تصور کیا جاسکتا ہے ۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ

وادی سندھ کی تہذیب میں موہن جو داڑو اورہڑپہ دونوں کو مماثلث و روابط کے طور پر ایک تہذیب گردانا جارھا ہے۔ اور برطانیہ کے کچھ ماہرین أثار قدیمہ نے أسانی کے لئے ایسا کیا ہے مگر بہرحال قدیم سندھ کسی طور پر أج جیسا نا تھا اور اس کی سرحدات اور حکمرانی میں بھی مسلسل تغیر أتا رہا تھا ۔

اس میں کبھی حدود پھیلتی تھیں تو کبھی سمٹتی تھیں سندھ کو أج کا قوم پرست اگر ارضی بنیادوں پر دیکھتا ہے تو اس کا دعوئ کچھ قوت پا لیتا ہے ورنا سندھ کی اقوام کی بڑی تعداد کا وادی سندھ سے اس کے علاوہ کوئی تعلق نہیں کہ ان کی کچھ نسل پیچھے کے اجداد یا تو یہاں ہجرت کرکے أئے اور یا کچھ نے یہیں جنم لیا تھا ۔

ریاست سندھ،متحدہ سندھ ،عظیم سندھ جیسی کوئی ریاست تاریخ میں نہیں ملتی ہے قدیم سندھی پٹی میں ملتان تک علاقہ بھی اکثر متصل نظر أتا ہے لفظ ہند لفظ سندھ کی ایک متبدل شکل ہے اور اسکا رواج دریا سندھ کا یہاں تک بھہ کر أنے یا گررنے سے ہوتا ہے ۔

جبھی یہ قیاس أرائی بھی کی گئی ہے کہ اس تہذیب کے ارد گرد دریائے سندھ کی کوئی ذیلی نھر بھتی تھی جس کے سبب یہان ممکن ہے کہ زراعت کی مطلوبہ و متعینہ وزن و تعداد کے لحظ سے کھیتی باڑی کی جاتی رہی ہو جو مقامی ضروریات کے لئے عرصے تک کافی رہی ہو ،وقت کے ساتھ ساتھ ندی سوکھتی گئی ہو یا ندی و دریا نے راستہ بدل لیا ہو خیر قطعیت کے ساتھ کوئی دعوئ کرنا ممکن نہی ہے ۔

وادی سندھ کی تہذیب اور مصر ،بابل،سمیریا اور اشوریہ کا باہم ہم عصر ہونا کچھ مماثلثوں کے سبب معلوم پڑتا ہے اسکی تعمیر اور اینٹوں کا نیم پختہ مٹی سے پکا کر بنایا جا نا اسے دجلہ و فرات کی تہذیب سے ایک ربط قائم کرتا دکھاتا ہے ۔

اس تہذیب کی خاص بات ایک مدنی تناظر میں منظم شہری ریاست کا ثبوت فراہم کرنا ہے ،جس میں شہری منصوبہ بندی[3] کا نظم چھلکتا نکھرتا نظر أتا ہے۔

بت پرستی کےمقابل یہاں کسی وقت بدھ مذہب بھی شاید أپہنچا تھا ،کچھ کا کہنا ہے کہ اس دریافت شدہ اسٹوپہ کا تہذیب سے کوئی تعلق نہیں ہے جسکی بنیاد پر ایسا دعویٰ کیا گیا ہے بدھ مذہب یہاں کہ أپہنچا تھا -

غالباً اسی اسٹوپہ سے بدھوں نے متاثر ہوکر ٹکشیلا وغیرہ اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اسٹوپے تعمیر کئے تھے کیونکہ بدھ چھٹی صدی قبل مسیح میں اغلباً أریاوں کی أمد کے ہزار ،نو سو سال بعد کپل وستو میں پیدا ہوئے تھے ،خود ٹکشیلا کا تاریخ میں مقام چندر گپت موریا کے عہد میں چانکیہ کی وہاں موجودگی کی اطلاعات کے سبب اور اشوک کی نوجوانی میں وہاں أمد کے سبب نمایاں ہوتا نظر آتا ہے۔اور لازماً یہ تہذیب چھٹی قبل مسیح سے مقدم ہے۔

اصل لفظ جو اب متروک ہوچکا ہے موئن جو داڑو تھا مگر جسکے معنی مردوں کا ٹیلہ تھا مگر دریافتی کھدائی کرنے والوں کی زبان پرچڑھ کر یہ لفظ بعد ازاں موہن جو داڑو کہلایا جانا شروع ہوگیا۔

یہ علاقہ ضلع لاڑکانہ میں کراچی کوئٹہ ریلوے لاین پر ڈوکری اسٹیشن سے سات میل دور واقع ہے اور اندازاً یہاں سات أٹھ محلے أباد تھے ،یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ محلے ارتقائی طور پر تہ در تہ أباد ہوتے رہے ۔اور زیریں اور بالائی شہروں کی شکل اختیار کرگئے تھے۔

اس تہذیب کا دوسرا معروف حصہ ضلع ساہیوال سے پندرہ میل دور کراچی،لاہور ریلوے لائن کے اسٹیشن ہڑپہ روڈ سےچار میل کے فاصلے پر ہے اور یہ نام رگ وید میں موجود لفظ ہاری یوپیا سے اخذ شدہ یا اسکا مخفف گردانا جاتا ہے ۔ایک اندازہ ہے کہ اس کے درمیان تہذیب کے کئی علاقے تاحال دریافت نہی کئے گئے اور ہنوذ ذیل زمین دفن ہیں مطلب کم از کم موہن

---

[3] Urban Town Planning

جو داڑو و ہڑپہ کے درمیان کے علاقے ایک تہذیب کے علاقے گردانے جا سکتے ہیں -

چونکہ وادی سندھ کی زبان و رسم الخط[4] کو ہم انکے تصویری ہونے کے سبب پڑھنے کے قابل نہیں ہو سکے ہیں جبھی قطعیت و یقین کے ساتھ کچھ کہنا خارج از الامکان ہے- جب میں شعبہ تاریخ عمومی،جامعہ کراچی میں بطور انتخابی مضمون تاریخ عمومی پڑھا کرتا تھا تو وہاں موجود ایک تمثیلی عجائب گھر کو دکھاتے ہوئے ڈاکٹر سلمان صاحب اور ڈاکٹر جاوید جو ہمارے اساتذہ تھے ہمیں یہی بتایا کرتے تھے اور حوصلہ دلایا کرتے تھے کہ شاید أپ میں سے کوئی اس خط کو پڑھنے کے قابل ہوجائے، اور ہم اُس وقت ابو جلال ندوی سے غیر واقف تھے -

جنکی بابت اب معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک خاص اصول و بنیاد پر اس خط کو پڑھنے کے کچھ حد تک دعوے دار تھے-اسے ایک حد تک وادی نیل و سمیری تہذیب سے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے - بہرحال غور فکر سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ یہ رسم الخط دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا مگر اسکی تردید کے بھی أثار ملے ہیں لہٰذا موجودہ رسم الخط سے ۳۹۶ نشانا ت اخذ کئے گئے ہیں - مگر اکثر کسی مہر کو دیکھ کر انسان تردد کا شکار ہوجاتا ہے کہ دو سطری مہر میں اُوپر کی سطر دائیں سے بایئں اور نیچے والی بائیں سے دائیں کندہ کی گئ ہیں-

شاید ایسا کسی خاص لغوی و نحوی ترکیب کے سبب ممکن ہوا ہو ،ابو جلال ندوی اسکو ایک طرح سے عربی کی علامتی قدیم شکل گرادننے کہ قیاس کے موجد قرار پاتے ہیں انکے ہاں یہ ندرت بھی ملتی ہے کہ وادی سندھ سے لوگ عرب بھی منتقل ہوئے تھے -

ہم ابو جلال کی بابت کچھ خاص نہیں جانتے ہیں بس یہ معلوم ہوا ہے کہ ندوۃ العلماٗ کے قدیم لوگوں اور مربیوں میں سے ایک تھے تاریخ و اختصاص أثار قدیمہ

[4] Pictographic and symbolic system of text

سے اُنھے خاص اُنسیت تھی اس میں ساتھ ساتھ محقق دوراں جناب سید خالد جامعی کی تحقیقات بھی **شامل** ہیں یہ غیر طبع شدہ تحریریں چھاپنے کا کام شعبہ تصنیف و تالیف ،جامعہ کراچی کے علمی جریدہ کے ذریعہ ممکن ہوا جسکے لئے جناب خالد جامعی صاحب کے ہم شکر گزار ہیں کے انھونے جریدہ میں چھپنے والی تحقیقات کو آن لائن متشہر کرنے کی خدمات مجھے سونپی ہے ۔

معروضات

سید خالد جامعی

شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ میں اہم ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے راقم الحروف کو تین برس گزر چکے ہیں۔ ۲۵/جنوری ۲۰۰۱ء کو راقم نے اس شعبے کی نظامت سنبھالی، تب شعبے کے سالانہ اخراجات ۲۷ لاکھ روپے تھے، اب الحمدللہ شعبے کے اخراجات صرف ۲۲ لاکھ روپے سالانہ ہیں۔ میری نظامت سے قبل ۲۰۰۰ء میں شعبہ تین لاکھ روپے کے خسارے میں تھا، الحمدللہ اب اس کا خسارہ ختم ہوگیا ہے اور ۲۰۰۲ء میں ہمیں تیس لاکھ روپے کا خالص نفع حاصل ہوا ہے اور کارکردگی کا معیار پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ سالانہ اخراجات کی مد میں پچاس لاکھ روپے سالانہ بچت کسی تبصرے کی محتاج نہیں، اخراجات میں پچاس لاکھ روپے کی بچت شعبے کے رفقائے کار کے بے لوث تعاون، دیانتداری اور انتھک محنت کے بغیر ممکن نہ تھی۔

طویل عرصے کے بعد شعبے کے زیر اہتمام نئی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جناب ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کے عہد نظامت میں اس طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ عبدالمجید سالک کے کالموں کا انتخاب ''افکار وحوادث'' کے نام سے دو جلدوں میں، مہدی علی صدیقی کی خودنوشت سوانح ''بلاکم وکاست'' اور بروشسکی زبان کی قواعد

''شمول بوق'' اور ڈاکٹر عاقل برنی کی کتاب "Risk Theory and Insurance" شائع ہوئی۔

''جریدہ'' جو شعبے کا علمی وتحقیقی رسالہ ہے،اس کا آخری شمارہ نمبر سترہ،۱۹۸۵ء میں شائع ہوا تھا اس کے بعد جریدہ بند ہوگیا۔الحمدللہ سترہ سالہ تعطل کے بعد جریدہ باقاعدگی سے دوبارہ شائع ہونے لگا، شمارہ نمبر اٹھارہ اصطلاحات ابلاغیات، شمارہ نمبر انیس اصطلاحاتِ جمالیات، شمارہ نمبر بیس اصطلاحاتِ ماحولیات اور شمارہ نمبر اکیس لسانیات نمبر تھا۔شمارہ نمبر بائیس وادی سندھ کے رسم الخط پر دنیا بھر میں ہونے والے تحقیقی کام کا احاطہ کر رہا ہے۔اس شمارے میں موئن جودڑو کی دو ہزار مہریں پڑھنے والے پاکستانی محقق مولانا ابوالجلال ندویؒ کے تحقیقی مضامین شامل ہیں جو وادی سندھ کے رسم الخط کے بارے میں نئے انکشافات پر مشتمل ہیں۔

شعبے کے زیر اہتمام ماضی میں بے شمار علمی وتحقیقی کتابیں شائع ہوئیں۔یہ کتابیں اردو ٹائپ میں شائع کی گئی تھیں جس کے باعث قارئین کو مطالعے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ شعبے کے زیر اہتمام ان تمام کتابوں کو نوری نستعلیق پر منتقل کیا جارہا ہے اور اس سال کے اختتام تک تمام کتابیں،ٹائپ کے بجائے خط نستعلیق میں دستیاب ہوں گی۔

شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ کو مرکز علم وتحقیق بنانے کے لیے شعبے کے رفقائے کار انتھک محنت کر رہے ہیں۔ شعبے کے نائب ناظم عمر حمید ہاشمی ہسپانوی، ہندی،فرانسیسی اور انگریزی زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا کی ۲۷ زبانوں کے رسم الخط کی قرأت بھی کر سکتے ہیں۔آج کل وہ عبرانی، سنسکرت،عربی اور فارسی زبانیں بھی سیکھ رہے ہیں۔مجھے یقین ہے کہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے شعبے کے لسانی تحقیقاتی منصوبوں میں بہت پیش رفت ہوگی اور ہم مختلف تہذیبوں کے لسانی ثقافتی اور تمدنی تعلقات کا نئے انداز سے تقابلی جائزہ پیش کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ شعبے کی رفیقہ کار محترمہ سمیہ ایوبی عربی،

انگریزی زبان سے بخوبی واقف ہیں اور آج کل فارسی زبان سیکھ رہی ہیں۔

شعبے نے نصابی کتب کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ نصابی کتب کی اشاعت کے پہلے مرحلے میں شعبے کے زیرِ اہتمام اشاعت شدہ اردو لازمی کا جدید نصاب **''مخزنِ ادب''** کے نام سے تمام کالجوں میں رائج ہو چکا ہے۔ دوسرے مرحلے میں انگریزی اور مطالعہ پاکستان کی نصابی کتابیں مرتب کرنے کا کام باقی ہے۔ اس ضمن میں شیخ الجامعہ نے ایک مجلس تشکیل دی ہے جو انشاء اللہ ایک سال کی مدت میں انگریزی اور مطالعہَ پاکستان کے نصابات بھی تیار کرے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کتابوں کا ملک بھر کی جامعات میں خیر مقدم کیا جائے گا۔

شعبے کی علمی کاوشوں کے سلسلے میں اہم امور کا اندراج بھی ضروری ہے۔

☆ شعبے کے زیرِ اہتمام انگریزی زبان میں محمود اشرف صاحب کا آسان ترین ترجمہَ قرآن شائع کیا جا رہا ہے، جس کی زبان نہایت سادہ ہے اور ہر شخص اس سے بآسانی استفادہ کر سکتا ہے۔ ترجمہَ قرآن کی اشاعت سے انگریزی زبان کے عام قارئین، قرآن کے مطالب بآسانی سمجھ سکیں گے۔ یہ ترجمہ، اسکولوں، کالجوں اور جامعات کے طلباء و طالبات کے لیے بھی بہت فائدہ مند ہے۔

☆ شعبے کے زیرِ اہتمام ہندی، ہسپانوی اور فرانسیسی زبانوں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے گفتگو اور بول چال کی تین مجالس قائم کی گئی ہیں۔ یہ مجالس شعبے کے نائب ناظم عمر حمید ہاشمی کی زیرِ نگرانی کام کریں گی۔ ان مجالس کے اراکین کو بلا معاوضہ ان زبانوں کی تدریس کی سہولت حاصل ہوگی۔

☆ شیخ الجامعہ کراچی نے ملک بھر کے مصنفین کے لیے اعلان کیا ہے کہ ان کے معیاری مسودات کی طباعت (Printing) کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ اگر یہ

مسودات انتہائی اعلیٰ ترین معیار کے حامل ہوئے تو کتاب کی اشاعت کے تمام اخراجات شعبۂ تصنیف و تالیف برداشت کرے گا۔ یہ کتابیں متعلقہ مضمون کے ماہرین کی مجلس سے آراء لینے کے بعد شائع کی جائیں گی۔

☆ کراچی کے اہل ذوق اور جامعہ کراچی اور اس سے ملحقہ کالجوں کے اساتذہ اور طلباء و طالبات میں علمی و تحقیقی ذوق کی آبیاری کے لیے شعبہ کے زیر اہتمام ہر ہفتے کتابوں پر تنقیدی تبصرے کی نشست باقاعدگی سے ہر ہفتے کے دن دوپہر ڈیڑھ بجے، شعبے کے کتب خانے میں منعقد ہوتی ہے جس میں نہ صرف اہم کتابوں پر تبصرہ کیا جاتا ہے بلکہ موضوع سے متعلق سوالات و جوابات کا سلسلہ بھی ہوتا ہے۔

☆ دنیا بھر سے، شعبے کے کتب خانے کے لیے ہر ہفتے نادر کتاب، رسالہ، جریدہ یا نوشتہ حاصل کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور یہ نایاب کتابیں عام مطالعے کے لیے دستیاب ہیں۔ شعبے کا کتب خانہ صبح ساڑھے آٹھ سے رات ساڑھے نو بجے تک کھلا رہتا ہے۔ اساتذہ، اہل علم، محققین اور طلباء و طالبات کتب خانے سے بہ آسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

☆ شعبے کے زیر اہتمام عنقریب اردو اور انگریزی میں نئی کتابوں کی فہرست کا اجراء کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد فارسی، عربی، ہسپانوی، فرانسیسی اور ہندی کتابوں کی فہرست کا بھی اجراء کیا جائے گا۔

☆ شعبے کے کتب خانے میں اہم قومی اخبارات و جرائد میں کتابوں پر شائع ہونے والے تبصروں کے تراشے بھی جمع کیے جا رہے ہیں جو مطالعے کے لیے حاضر ہیں۔

☆ اساتذہ اور طلباء و طالبات کے لیے آٹھ زبانوں پر مشتمل لغت تیار کی جا رہی ہے۔ یہ لغت انگریزی، المانوی (جرمن)، فرانسیسی، عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کا احاطہ کرے گی۔ لغت میں ۱۶۵۰۰ الفاظ شامل ہوں گے جو عام بول چال میں

مستعمل ہیں۔اس لغت کی اشاعت سے غیر ملکی زبانوں کے مطالعے کا شوق ایک تحریک کی شکل اختیار کرے گا۔

☆ علاقائی زبانوں پر تحقیق، شعبے کی ترجیحات میں شامل ہے۔شعبے کے زیر اہتمام ''بروشسکی زبان کی قواعد مرتبہ علامہ نصیر الدین ہنزائی ''شمول بوق'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔اس ضمن میں بروشسکی، اردو لغت کی ادارت، اشاعت و طباعت کے منصوبے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے۔یہ لغت چار جلدوں میں شعبے کے زیر اہتمام شائع ہو گی۔

☆ اردو کے متروک الفاظ کی لغت مرتبہ خالد حسن قادری بھی اشاعت کے مرحلے میں ہے۔اس لغت کے ذریعے ہم گزشتہ ایک سو برس کے سیاسی، سماجی، معاشرتی تغیرات کا جائزہ لے سکیں گے جو برعظیم کے معاشروں میں برپا ہوئے اور جس کے نتیجے میں بہت سے لفظ فراموش کر دیے گئے۔ہر لفظ کا ایک تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی پس منظر ہوتا ہے جب ایک لفظ ہمارے حافظے سے محو ہو جائے یا ہم اسے بھول جائیں یا بھلا دیں تو اس لفظ کے ساتھ وابستہ تاریخ اور ثقافت بھی طاق نسیاں کی زینت بن جاتی ہے۔یہ لغت ہمیں بتائے گی کہ ہم نے کن تاریخی و ثقافتی اقدار کو بھلا دیا ہے۔

☆ اردو اخبارات و جرائد میں انگریزی الفاظ کے بے تحاشا استعمال کے پیش نظر ان الفاظ کی ایک فرہنگ مرتب کی جا رہی ہے جو ذرائع ابلاغ سے وابستہ صحافیوں اور اہل کاروں کے لیے رہنمائی کا فریضہ انجام دے گی۔اس سلسلے میں شعبے کی رفیقہ کار سمیہ ایوبی صاحبہ نے ابتدائی کام مکمل کر لیا ہے جسے پروفیسر سرور نسیم صاحب، شعبۂ ابلاغ عامہ کی رہنمائی میں تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔سرور نسیم صاحب نے شعبۂ ابلاغیات کے طلباء و طالبات سے اردو اخبارات میں کثرت سے استعمال ہونے

والے انگریزی الفاظ کی فہرستیں مرتب کرائی ہیں ۔اس فرہنگ کی اشاعت سے امید ہے کہ انگریزی الفاظ کے سیلاب پر بند باندھا جا سکے گا اور اردو اخبارات کے صحافی انگریزی الفاظ کے خوبصورت، رواں دواں، متبادل اردو الفاظ با آسانی استعمال کر سکیں گے۔

☆ اردو زبان میں مغربی فلسفے اور سیاسیات کی بہت سی اصطلاحیں کثرت سے استعمال ہو رہی ہیں ۔ان اصطلاحات کے ناقص بلکہ تحریف شدہ اردو تراجم کے باعث برعظیم پاک وہند اور پورے عالم اسلام میں ان مغربی اصطلاحات کا اصل مفہوم اوجھل ہو گیا ہے جس کے باعث مغرب ومشرق کے مابین بہت سے تنازعات کا اصل پس منظر سمجھنے میں شدید دشواریاں پیش آرہی ہیں ۔اس ضمن میں شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ کے زیر اہتمام سیاست وفلسفے کی تین سو سے زیادہ اہم اصطلاحات کی تشریحی لغت تیار کی جا رہی ہے۔ یہ لغت پہلے اردو میں شائع ہوگی، اس کے بعد اسے عربی، فارسی، انگریزی میں شائع کیا جائے گا۔مغربی اصطلاحات کا مفہوم مغربی مفکرین اور فلاسفہ کی تحریروں کے اقتباسات سے واضح کیا جائے گا اور ان اصطلاحات کے نئے اردو تراجم پیش کیے جائیں گے ۔پہلے مرحلے میں پچاس اصطلاحات کی مختصر لغت شائع ہوگی ۔یہ لغت تاریخ، سیاست اور فلسفے کے طلبا اور محققین کے لیے حوالے کی ایک معتبر کتاب بن جائے گی اور مغرب ومشرق کے درمیان بہت سے تنازعات اس لغت کی روشنی میں با آسانی حل کیے جا سکیں گے۔

☆ رسالہ ''مہر نیمروز'' (کراچی) میں مولانا حسن مثنیٰ ندویؒ اور ان کے رفقاء کے قلم سے ادبی سرقوں کے بارے میں لکھے گئے معرکہ آراء مضامین ''چہ دلاور است'' کتابی صورت میں شائع کیے جارہے ہیں۔

☆ موہن جو وڑو کے کھنڈرات سے برآمد ہونے والی مہروں کے بارے میں مولانا ابوالجلال ندویؒ کے نادر مضامین جریدہ کی زیر نظر اشاعت میں شائع کیے جارہے ہیں۔ان مضامین سے سندھ کی قدیم ترین زبان اور اس عالمی ورثے کی مہروں کے بارے میں بعض نئی اور اہم معلومات منظر عام پر آئیں گی۔

☆ دنیا بھر میں لسانیات اور زبانوں کے باہمی تعلقات کے حوالے سے نہایت اہم تحقیقی کام ہو رہا ہے۔اس کا خلاصہ بھی عنقریب شعبے کے ترجمان ''جریدہ'' میں شائع کیا جا رہا ہے،تاکہ اردو زبان کے محققین جدید لسانی تحقیقات سے استفادہ کر سکیں۔

☆ میجر آفتاب حسن مرحوم کی علمی و تحقیقی خدمات کے اعتراف میں شعبے کی جانب سے ایک کتاب مرتب کرنے کا منصوبہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔

☆ شعبے کے زیر اہتمام اہم ترین موضوعات پر انٹرنیٹ پر دستیاب معلومات، مضامین، مقالات اور حوالوں کی تلخیص وقتاً فوقتاً اردو میں ترجمہ کر کے پیش کی جائیں گی۔محققین،طلباء و طالبات اور اساتذۂ کرام اگر ان موضوعات میں دلچسپی رکھتے ہوں تو انھیں اپنی دلچسپی کے موضوع سے متعلق تمام معلومات، کتابیات اور مصادر تک رسائی میں ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

☆ شعبے کے زیر اہتمام طلباء و طالبات اور اساتذہ کے لیے بزم کتاب (ریڈرز کلب) کا قیام آخری مرحلے میں ہے۔اس بزم کتاب کی رکنیت حاصل کرنے والے،شہر کے اہم ناشرین کتب سے خصوصی رعایت پر کتابیں خرید سکیں گے۔اگر یہ منصوبہ کامیاب رہا تو اس کا دائرہ شہر کے تمام کالجوں تک وسیع کیا جا سکتا ہے۔

☆ اردو زبان کی اہم کتابوں، کہانیوں اور شاعری کا انتخاب سی ڈیز پر فراہم کیا جائے گا۔

☆ کلام حافظ سعدی، اقبال،کلیلہ و دمنہ،الف لیلہ اور طلسم ہوش رُبا کو تصاویر و آواز کے

ساتھ ویڈیو پر منتقل کرنے کا منصوبہ زیر غور ہے۔

☆ شعبے کے زیر اہتمام جامعہ کراچی کے اساتذہ کی تحقیقی و تصنیفی خدمات اور مطبوعات پر مشتمل ایک مبسوط ''کتابیات'' بھی زیر ترتیب و تکمیل ہے۔

☆ اس کے علاوہ سال رواں میں درج ذیل کتابیں شائع کی جائیں گی:

ترجمہ گلشن راز جدید، پروفیسر آربری مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر سید اختر درانی۔

☆ اصطلاحات نفسیات کا اردو ترجمہ مرتبہ ڈاکٹر صابر حسین۔

☆ ڈاکٹر سید اسلم نے امراض قلب اور دیگر بیماریوں سے متعلق طبی اصطلاحات کا ترجمہ کیا ہے، ان کی اشاعت کے سلسلے میں گفت و شنید جاری ہے۔

☆ بہمنی عہد کا فارسی ادب و تمدن پر اثر، ڈاکٹر عبدالمنان۔

☆ بابائے صحافت ضمیر نیازی کی کتابوں ''صحافت پابہ زنجیر'' Web of Censorship اور دیگر کتابوں کی اشاعت

☆ نوادرات پر مشتمل اہم گل دستہ (البم) کی اشاعت بھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔

☆ دنیا بھر میں قرآن کریم پر ہونے والے علمی و تحقیقی کام کی تلخیص اردو زبان میں شائع کی جارہی ہے۔

☆ ''کشکول برکاتی'' مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی

☆ "Biomass of Littoral Rocky Shore of Karachi" مشترکہ تالیف ڈاکٹر سہیل برکاتی اور ڈاکٹر عاقل برنی۔

☆ دائرۃ المعارف حیوانات مرتبہ پروفیسر احمد الدین مارہروی کتابت کے مرحلے میں ہے اس دائرۃ المعارف میں جانوروں کے بارے میں نادر اور اہم معلومات مہیا کی گئی ہیں۔

☆ بنیادی کتابیات اصطلاحات بینکاری مرتبہ سعادت جلیلی۔

☆ اعلیٰ صلاحیت کے حامل طلباء و طالبات جو کتابوں کی ادارت، تزئین و آرائش،

اشاعت اور طباعت کے کاموں سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہوں ان کے لیے شعبے کے زیراہتمام خصوصی نصاب تیار کر کے ان کی تعلیم وتدریس وتربیت کا انتظام کیا جارہا ہے تاکہ یہ طلباء طالبات ''صنعت کتاب'' (Book Industry) کے لیے سرمایہ ثابت ہوں انھیں مطبع میں عملی تربیت بھی دی جائے گی۔ نصاب کی تکمیل کے بعد منتخب طلباء کوشعبے میں عملی کام سیکھنے کا موقع دیا جائے گا۔

☆ شعبہ بیرون ملک کے بعض اہم طباعتی واشاعتی اداروں سے رابطہ کر کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کے قیام کے لیے ایک خاکہ تیار کر رہا ہے جو تکمیل پذیر ہونے پر جامعہ کراچی کی مقتدرہ کو منظوری کے لیے پیش کیا جائے گا۔ یہ ادارہ پاکستان میں اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہوگا جہاں صنعت وطباعت کے لیے اعلیٰ صلاحیت کی حامل افرادی قوت تیار کی جاسکے گی۔

☆ ۱۹۶۰ میں جامعہ کراچی کے شعبۂ اردو کی تحریک پر ''کراچی یونیورسٹی اسٹیڈیز'' کے نام سے ایک وقیع علمی رسالہ شائع ہوتا تھا جو بند ہوگیا تھا۔ محترم شیخ الجامعہ نے اس رسالے کے دوبارہ اجراء کی منظوری عطا کر دی ہے۔ یہ رسالہ بہت جلد شعبۂ تصنیف و تالیف وترجمہ کے تعاون سے ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کی زیرنگرانی شائع ہوگا۔ اس کی مجلس ادارت پاکستان کے صف اول کے مصنفین ومحققین پر مشتمل ہوگی۔ یہ رسالہ جامعہ کراچی کے علمی وتحقیقی کاموں کو عالمی سطح پر متعارف کرانے کا ذریعہ بنے گا۔

اس کے علاوہ مستقبل کے منصوبوں میں:

☆ دائرۃ المعارف بینکاری و مالیات، دائرۃ المعارف معاشی ترقیات، لغت محصولات، لغت اطلاعاتی ٹیکنالوجی، لغت فنون لطیفہ، لغت تجارت واصطلاحات تجارت، لغت بینکاری، لغت صنعتی مصنوعات، تشریحی فرہنگ مذاہب، فرہنگ اصطلاحات تصوف، فرہنگ علم بشریات، فرہنگ علم فلکیات، فرہنگ علم حاضرات، فرہنگ اصطلاحات

مذاہب، فرہنگ کان کنی، فرہنگ علم مناظرہ، فرہنگ اصطلاحات تاریخ، فرہنگ اصطلاحات جدیدیت و مابعد جدیدیت، فرہنگ علم مناجات، فرہنگ فقہ اسلامی، فرہنگ لسانیات و علم لسان، فرہنگ علم عبادات، فرہنگ علم عجائب خانہ کی تدوین و ترتیب کے منصوبے زیرِ غور رہیں۔

شعبے کے زیرِ اہتمام مندرجہ ذیل موضوعات پر تحقیقی کام جاری ہے:

☆ دنیا کی اہم ترین زبانوں کی اصنافِ سخن اور اردو کی اصنافِ سخن کا تقابلی جائزہ۔ اس جائزے سے ہمیں اردو زبان کی وسعت، گہرائی اور رسوخ کا اندازہ ہوگا۔

☆ دنیا بھر کی اہم ترین زبانوں کے حروفِ تہجی کے تقابلی جائزے کے بعد ان حروف کی فہرست مرتب کرنے کا کام جو تمام زبانوں میں مشترکہ ہیں یا ملتے جلتے ہیں۔

☆ جاپانی ادب اور معاشرے میں لطیفے کا تصور نہیں پایا جاتا اور لطیفے کی جو روایت برعظیم پاک و ہند، فارس اور عرب میں ہے، اہلِ جاپان اس سے ناواقف ہیں۔ یہ صورت حال دنیا کی کن کن زبانوں کو درپیش ہے اس سلسلے میں ایک تحقیقی جائزہ مرتب کر کے اس مسئلے کی تاریخی اور نفسیاتی وجوہات کا تعین کیا جائے گا۔

جریدہ کا زیرِ نظر شمارہ ۲۲ برعظیم پاک و ہند کے عظیم ماہر لسانیات و تاریخ جناب ابوالجلال ندویؒ کی نادر و نایاب تحقیقات پر مشتمل ہے۔ سندھی رسم الخط موضوع پر ان کی تحقیقات انکشافات کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ شمارہ جناب یحییٰ بن زکریا صدیقی صاحب کے تعاون کے بغیر شائع نہ ہوسکتا، انھوں نے مولانا کے مطبوعہ، غیر مطبوعہ مضامین بڑی محنت سے تلاش کیے اور ہمارے حوالے کیے، ان کا خصوصی شکریہ ہم پر واجب ہے، ان تحقیقات کا خلاصہ انگریزی میں بھی پیش کیا جائے گا۔

وادیٔ سندھ کے رسم الخط پر تحقیقات کا جائزہ

سید خالد جامعی

آثارِ قدیمہ کے محقق کینویر (Kenoyer) کے مطابق قدیم سندھی تہذیب کی اصطلاح ایک ایسے طویل ثقافتی دور کا احاطہ کرتی ہے جس میں ایک وسیع جغرافیائی علاقہ شامل تھا جو سندھ، گھگھر ہاکڑا اور پاؤں کے میدانوں پر محیط تھا جس کی وسعتیں بلوچستان، چولستان، تھر، ساحل مکران، گجرات اور اس سے ملحقہ جزائر تک پھیلی ہوئی تھیں، دوسرے ماہرین کے مطابق اس تہذیب کے اثرات فارس سے عراق تک اور ترکیہ کے آخری حصے تک پہنچ گئے تھے بلکہ جارجیا اور آرمینیا میں ملنے والے کھنڈرات میں بھی اس کے آثار نظر آتے ہیں۔ کینویر کے ساتھ شیفر (Shaffer) نے قدیم سندھی تہذیب کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور جو حجری دور یا (Neolithic) کہلاتا ہے، ساڑھے پانچ ہزار سال قبل مسیح کا عہد ہے۔ اس اعتبار سے وادی سندھ کی تہذیب اس کا تمدن اب تک معلومہ تاریخ کے مطابق دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے، اس پر تمام تاریخ دانوں اور آثارِ قدیمہ کے ماہرین کا عمومی اتفاق ہے۔ مصر کی تہذیب فراعنہ محض تین چار ہزار سال قبل مسیح کی تہذیب ہے۔ یونان، ایتھنز اور اسپارٹا کی تہذیبیں، جنوبی امریکا کی (Inca)، مایا (Maya)، ازتیکا (Aztec) تہذیبیں سمیریا یا بابل (Mesopotamia) اور عیلامی تہذیب شاندار ہونے کے باوجود قدامت

میں وادیٔ سندھ کی تہذیب کا مقابلہ نہیں کرتیں۔

وادیٔ سندھ کی عظیم الشان تہذیب میں واقع سات شہری ریاستوں (City State) کے لیے تاریخ داں "باد۔ اِی من" (Bad-Imin) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ان ریاستوں کے نام موئن جودڑو، چانہوں جودڑو، نال، آمری ہڑپا، نصیر آباد اور مہر گڑھ ہیں۔بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ان شہری ریاستوں میں زراعت وتجارت کے باعث رزق کی فراوانی تھی اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی تمام آبادی خوشحال تھی اور غربت کے جزیرے اور غریبوں کے علاقے یہاں موجود نہ تھے۔غالبًا اسی مادی خوشحالی اور فارغ البالی کے باعث ان سات ریاستوں نے مشترکہ طور پر اس خطے کے لیے "باد۔اِی" من کا نام پسند کیا۔

سندھی تمدن کو ویدک رشیوں کی ساخت پرداخت تسلیم کیا گیا کیوں کہ سندھی تہذیب ویدی تہذیب اور غیر ویدی تہذیب کا آمیزہ ہے۔سندھی تہذیب میں ویدی تہذیب کا ثبوت وید میں شیوا کا ذکر ہے اور سندھ والے شیوا کے پرستار بھی تھے۔[1] مہابھارت میں کوروں کی حمایت میں پانڈووں سے جو لوگ لڑے تھے ان کے نام جمع کیے جائیں اور ان ناموں کو تاریخ وزبان عرب میں تلاش کیا جائے تو تاریخ قدیم کے ایسے راز پر روشنی پڑے گی جس کو معلوم کر کے لوگ متحیر ہو جائیں گے۔ایک قوم جس نے کوروں کا ساتھ دیا، "شیبی" تھی۔پنجاب کے ضلع جھنگ کے قریب شورکوٹ میں ایک قدیم تحریر ملی ہے جس میں "شیبی پورہ" کا ذکر ہے۔شیبی کی بابت بتایا گیا ہے کہ وہ "اوسی نارا" کا فرزند تھا۔عربی اوس فرزندان سبا میں تھا، ہندی اوس کو شیبی کا بیٹا بتایا گیا ہے۔عربوں میں عام دستور تھا کہ دادا کا نام پوتے کو دے دیتے تھے۔مہابھارت میں شکست یافتہ فریق کا مقتدائے اعظم راجا کرن تھا، اس کا عربی ترجمہ "ملک قرن" بن جاتا ہے۔عربوں کی کہانی "تبع اقرن" کو بھی ہندوستان میں فاتحانہ داخلہ ملا۔[2] اسی لیے سید سلیمان ندوی نے[3] ستیارتھ پرکاش کی ایک قدیم

اشاعت کے حوالے سے آریہ سماج فرقے کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کوروؤں نے جب لاکھ کا ایک گھر بنا کر اس کے اندر پانڈوؤں کو پھونک دینے کا عزم کیا تو ودرجی مہاراج نے عربی زبان میں اس کی خبر پانڈوؤں کے رئیس کو دی تھی۔ ''مہابھارت'' کے زمانے تک ہندوستان میں عربی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔

ہند و سند جغرافی اسماء ہیں۔جغرافی اسماء کے مصداق تاریخی انقلابات کے تحت ہمیشہ بدلتے رہے ہیں۔چوتھی صدی مسیحی تک جنوبی عرب کے ایک حصہ کا نام ارضِ ہند تھا۔ ۱۶ھ تک اُبلہ اور بصرہ کے مقامِ وقوع کا نام ارض ہند تھا۔اوستائی زمانہ میں موجودہ ایران کا جنوبی حصہ بوم ہندواں'' تھا۔''بلمش'' آریا زمانے میں پورا ایران، ''ارض ہند'' تھا۔عیلام (عراق) کے بادشاہ، ''کدرا دا کورما کو'' (جو کہ بائیسویں، اکیسویں صدی قبل مسیح میں گزرا) کو'' کدرمانِ ہندی'' کہا جاتا تھا۔

حیرہ اور اُبلہ کے درمیان ایک نہر تھی جس کے ساحل پر ایک قصر تھا جسے ''قصر ذو شرفات'' کہا جاتا تھا۔اس قصر کا بانی ایک شخص سنداد تھا، اس لیے اس قصر کو قصرِ سنداد بھی کہا جاتا تھا اور اس نہر کو بھی سنداد کہتے تھے۔یاقوت نے حمزہ اصفہانی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ ایک فارسی مرزبان (عالم) تھا۔مگر اس کا زمانہ نہیں معلوم۔لیکن سند آد کا نام'' آذ'' (طاقت ور، توانا) اور ''سند'' کا مجموعہ ہے۔سنداد کے معنی ہیں ''سند کی توانائی''۔اس کے پاس ہی ایک قدیم، مگر اب نابود بستی تھی۔''سندان''، جس کے معنی ہیں ''سندھیوں کی بستی'' کسی زمانہ میں سندھیوں کی ایک جماعت اس دیار میں جا بسی تھی۔یہ سندھی اگر سوویرا کی نسل سے ہوں تو عجب نہیں۔

ہند اور سند کے متعلق عربوں کی روایتیں تھیں۔ وہب بن منبہ نے ہند و سند کو'' کوش بن حام'' کے بیٹے بتایا ہے، لیکن ابن جریر نے پوری سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ''عرب اور فارس اور نبط اور ہند اور سند بیٹے تھے سام بن نوح کے''۔ اس قول کے راوی محمد بن السائب الکلبی کا اپنا قول ہے کہ ''ہند و سند'' بیٹے تھے بوقین بن یقطن بن عابر بن شالح بن

ارفخشد بن سام بن نوح کے۔ابنِ اثیر کی "تاریخ الکامل" میں نوقین کی بجائے توقیر چھپا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ "ہند وسند دو بھائی تھے۔بوقیر بن یقطن بن حام بن نوح کے"۔اس میں حام کا نام غلط ہے۔طباعت کی غلطی نے سام کو حام بنا دیا۔نوقین،توقیر،بوقیر اور بعض دیگر کتابوں میں نوفیر اور نفیر۔یہ سب دراصل یوفیر کی تصحیفیں ہیں اور یوفیر توراتی سبا بن یقطن کے بھائی اوفیر بن یقطن کے نام کی عربی صورت ہے۔عربوں کی ایک جماعت قدمائے ہند وسند کو جنوبی عرب کے ہم جنس اور ہم نسب خیال کرتی تھی۔

ایک شاعر تبع کی زبان سے کہتا ہے!

لنا الهند والسند والا ريسون　　　واهل الشروق واهل الغرب

ہند بھی ہمارا تھا سند بھی ہمارا تھا،اریسون بھی ہمارے تھے،مشرق والے بھی ہمارے تھے،مغرب والے بھی ہمارے تھے

عربوں کا دعویٰ ہے کہ ہند اور سند عربوں کے ہم نسب تھے۔عربوں کے خیال میں سبا نے ہند کو فتح کیا۔بلوچستان میں سبائی تعمیرات موجود ہیں۔یونانی شہادت کے مطابق اس علاقے میں ایشیائی،اتھوپیائی،عربی طائی اور رحمانائی لوگ بستے تھے۔موئن جو دڑو کی غالب آبادی کی قدیم کھوپڑیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وادی نطوف اور تل العبید کے مردوں اور عرب کے زندوں کی جنس ایک تھی۔اس لیے سندھی رسم الخط نے دریار عرب میں سفر کیا۔ایک عربی رسم الخط کا نام "مسند" ہے اس کا ترجمہ سندھی ہوسکتا ہے۔[4]

مارشل نے ۱۹۲۵ء میں سندھی مہروں کا معائنہ کر کے ثابت کیا کہ یہ مہریں جس تمدن کا نشان ہیں اس کی قدامت عراق کے "اکادی دور" تک پہنچتی ہے۔عرب سندھ اور ہند کے روابط کے اس تفصیلی ذکر کے بغیر وادیٔ سندھ کی تہذیب کے سات خطوں سے برآمد ہونے والی سندھی مہروں کو پڑھا نہیں جا سکتا۔المیہ یہ ہے کہ ان مہروں کو ابھی تک اسی لیے نہیں پڑھا جا سکا کہ پڑھنے والوں نے جان بوجھ کر عربی،عبرانی اور سامی زبانوں سے اس

کے تعلق کو جوڑنے کی دانستہ کوشش نہیں کی، تا کہ اس تہذیب کا رشتہ الہامی مذہب پر یقین رکھنے والی تہذیب سے جڑ نہ جائے۔

سندھی مہروں کو پڑھنے کا دعویٰ کرنے والوں میں مارشل (Marshall)، میکے (Mackay)، مادھوسروپ وتس (Vats)، مجومدار (Majumdar)، رسن مین (Rissman)، میڈو (Meadow)، ایل اے وڈل (L.A Waddal)، ہنٹر (Hunter)، ریورینڈ ایچ ہیراس (Heras)، کینویر (Kenoyer) گڈ (Gadd) اور اسٹوراٹ پگاٹ (Stewart) بہت اہم نام ہیں۔ مارشل نے یہ تسلیم کیا ہے کہ سندھی مہروں کو دائیں طرف سے پڑھا جاتا ہے۔ مارشل نے سندھی مہروں کی قرأت اپنی کتاب موئن جو دڑو اور سندھی کلچر کی تیسری جلد میں پیش کی۔[۵] فاکنسٹائن (Falkenstein) اور گیڈ (C.J.Gadd) مارشل کے مؤقف کی توثیق کرتے ہیں۔ سندھی رسم الخط پر تحقیق کرنے والے محققین وتس (Vats)، روس (Ross) پرپولا (Parpola)، جی وی الیکسیو (G.V. Alekseeve) اس طرز تحریر کو بہت پیچیدہ بتاتے ہیں۔لیکن بیشتر محققین آثار قدیمہ ان تحریروں کو بائیں طرف سے پڑھتے ہیں تا کہ عرب وسندھ کے مابین کوئی رشتہ قائم نہ کیا جاسکے اور تحقیق کے دوران سندھی نوشتوں کی تحریروں کی قرأت عربی وعبرانی زبانوں میں نہ کی جائے۔ یہ رویہ محض تعصب، بغض اور عداوت کا شاخسانہ ہے۔

برعظیم پاک وہند کے ممتاز محقق اور آثار قدیمہ وتاریخ کے عالم مولانا ابوالجلال ندوی[۶] اور ڈاکٹر خالد حسن قادری[۷،۸] کا مؤقف ہے کہ قدیم سندھی نوشتوں کی تحریریں عربی کی ابتدائی شکل ہیں۔

اس دعوے کی دلیل میں ایک موقف یہ ہے کہ ہندوستان کی کسی قوم کو بیرونی کہنا محض خیالی بات ہے۔ایک زمانے میں آریا لوگ بھی بدیشی تھے ان سے پہلے دراوڑ لوگ

تھے ۔ وہ بھی بدیشی تھے ۔ ہندوستان کی ہر قوم کبھی نہ کبھی باہر سے آئی ۔ جب تک فن زراعت ایجاد نہ ہوا تھا ، دنیا کی ہر قوم جہاں گشت تھی ۔ فن زراعت کے رائج ہونے کے بعد مستقل آبادیاں قائم ہوئیں ۔ زراعت ایک زمانہ میں دریاؤں کے کنارے یا قدرتی تالابوں کے پاس ہی ممکن تھی ۔ چاہ کنی کا فن وجود میں آنے تک قومیں اس دیس سے اس دیس کا سفر کرتی رہتی تھیں ۔ ان سفروں نے بعض کا پیشہ ہی تجارت بنا دیا ۔ یونؔ اور معینؔ تجارت پیشہ لوگ تھے ۔ ہندوستان کے یون یہاں سے یہاں کی چیزیں مثلاً فولاد ، تج ، تیج پات اور مسالے لے کر براہِ سمندر یا براہ بلوچستانؔ ، بحرینؔ ، عمانؔ ، حضرموتؔ ، اوزالؔ ، تبالہ ، ودانؔ ، معانؔ ہوتے ہوئے فلسطین ، پھر صور ، پھر یونان تک جایا کرتے تھے ۔ اس قوم کا زیادہ سابقہ عربی کی ہم نسل زبانیں بولنے والوں سے تھا ، اس لیے اس کی زبان عربی رہی تو کچھ عجب نہیں ہے ۔

۲۱ ـ۱۹۲۰ء میں سرجان مارشل کی زیر ہدایت دیا رام ساہنی نے ہڑپا اور ۲۲ ـ ۱۹۲۲ء میں موئن جوداڑو میں نبرجی نے آثار قدیمہ کی کھدائی شروع کی اور مہریں بر آمد کیں ۔ ان کی تفصیلات شائع ہوئیں تو عراق اور عیلام کے ماہرین آثار قدیمہ نے ایسی کئی مہروں کی نشاندہی کی جو سندھی تھیں اور عیلام اور عراق کے قدیم متروکات سے بر آمد ہوئیں ۔ سرجان مارشل نے ثابت کیا کہ نوشتے عام طور پر دائیں جانب سے شروع ہوتے ہیں اور دوسری سطر کبھی دائیں اور کبھی بائیں سے شروع ہوتی ہے ۔ اس بات کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ بے تصویر مہروں پر نوشتہ دائیں سے شروع ہوتا ہے اور با تصویر مہروں پر جانور کے سر کی طرف سے ، بائیں جانب جانور کا رخ بہت کم ملتا ہے ۔9 مارشل نے یہ ثابت کیا کہ سندھی نوشتوں اور مہروں کی زبان تحریر جو کچھ بھی ہو ، سنسکرت یا کوئی آریائی زبان نہیں ہوسکتی کیوں کہ یہ تمدن ہندوستان میں آریوں کی آمد سے مدتوں پہلے کی چیز ہے ۔ انھوں نے گمان غالب یہ ظاہر کیا کہ ''یہ زبان '' دراوڑی '' زبانوں میں سے کوئی ایک ہو تو باعث تعجب نہیں ۔

سندھی مہروں کے نقوش کی قرأت کرتے ہوئے مارشل نے بعض نقوش کو سبائی رسم

الخط کے حروف ف، ت، ح، س، رقرار دیا جب کہ وہ سبائی رسم الخط سے واقف نہ تھے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ہندوستانی تاریخ دانوں اور آثار قدیمہ کے ماہرین نے سندھی رسم الخط کے اشباہ و نظائر پر بحث کرتے ہوئے ایشیائے کوچک کے ''متانی'' رسم الخط، مصر کے ''ہیروغلافی'' رسم الخط، برا ہمی نقوش اور سندھی رسم الخط کا تقابل کیا چین سے نقوش حاصل کیے۔ پیسفک کے جزائر ایسٹر کے نقوش سے اس کا موازنہ کیا مگر دریائے سندھ جس سمندر میں گرتا ہے اس کے دوسرے ساحل پر موجود رسم الخط جو اس زمانہ سے جسے سندھی ثقافت کا آخری زمانہ کہا جا سکتا ہے جو ظہور اسلام کے زمانے تک رائج تھا اس کا نام تک لینا گوارا نہ کیا۔ حالاں کہ اس رسم الخط کا نام ''مسند'' ہے۔ ''سند'' ''اسناد'' اور ''مسند'' میں وہی رابطہ ہے جو عرب، اعراب اور معرب میں ہے۔ [۱۰]

سندھی مہروں اور دوسری سندھی چیزوں کا عراق و عیلام میں پایا جانا سندھ اور عراق کے مابین گہرے رابطے کا پتہ دیتا ہے۔ اس رابطے کو محض تجارتی رابطہ تسلیم کیا گیا ہے لیکن کیا حقیقتاً یہ رابطہ ایسا ہی تھا؟ کیا رابطے کی دوسری شکلیں ممکن نہ تھیں۔ سوسا میں جو مہر پائی گئی ہے سر جان مارشل نے اس کا زمانہ اٹھائیسویں صدی قبل مسیح قرار دیا ہے۔ ''کش'' میں جو مہر پائی گئی ہے وہ ایک مندر کے کمرے کی بنیاد سے ملی۔ اس بنیاد کا نام شمسوا ایلونا ہے۔ شمسو ایلونا نے ۲۰۸۰ سے ۲۰۴۲ ق م میں حکومت کی تھی۔ یہ مہریں بتاتی ہیں کہ ۲۷۵۰ ق م سے ۲۰۵۰ ق م تک سندھ اور عراق کے درمیان آمد و رفت رہی ہے۔ یہ زمانہ عراق کے اندر سومیریوں کے زوال اور سامیوں کے عروج کا زمانہ ہے۔ ان دنوں عراق میں دو زبانیں بولی جاتی تھیں (۱) ایمے لغا (مردانہ زبان) تورانی زبان جسے سومیری مرد بولتے تھے۔ (۲) ایمے سل (زنانہ زبان) سومیریوں کی عورتوں کی زبان سامی لوگ یہ زبان بولتے تھے۔ یہ زبان عربی، عبرانی اور حبشی کی ہم نسل مگر تورانی آمیز تھی۔ اہل سندھ کا ان دونوں زبانوں سے واسطہ تھا۔ ان میں سے ایک زبان وہ لازماً جانتے تھے اور اپنے وطن سندھ میں ان میں سے

ایک زبان لازماً بولتے اور لکھتے تھے۔

مغرب اور مشرق کے تمام محققین اور ماہرین آثار قدیمہ نے سندھی تہذیب کے نقوش کریدنے، اس کے رسم الخط کی تاریخیت تلاش کرنے کے لیے ویدوں، آریاؤں، دراوڑیوں عراق کے سومیریوں کا بار بار ذکر کیا اور ان سے وادیٔ سندھی کے رسم الخط و دیگر امور کا تقابلی مطالعہ بھی کیا۔ لیکن شمسو ایلوہا کی قوم اور اس کی زبان یعنی کلدانی عربوں کی موجودگی کے تصور تک سے اپنا اپنا دامن فکر بچایا ہے حالاں کہ سندھی مہریں "ایے سل" بولنے والوں ہی کی یادگاروں میں پائی گئی ہیں۔ عراق میں جس کثرت سے سندھی نوادرات ملے ہیں اس کے مقابلے میں سندھ میں عراقی نوادرات برائے نام ہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل سندھ کثرت سے عراق گئے ہیں، اہل عراق سندھ میں کم کم آئے ہیں، سندھ میں سومیری رسم الخط کی ایک بھی تحریر نہیں ملی لیکن سندھی رسم الخط کی تحریریں عراق میں کافی تعداد میں ملی ہیں۔[11]

یہ تمام بحث اس یقین کے لیے کافی ہے کہ سندھی رسم الخط نے عرب تک سفر کیا اور عرب کے رسم خط قبل قرآن کا نام "مسند" تھا۔ اس نام کے نقوش اور خود یہ نام سند سے اپنا رابطہ ظاہر کرتے ہیں۔

مادھوسروپ وتس[12] اور میکے[13] نے اپنی تحقیقات میں سندھی مہروں کو پڑھتے ہوئے اپنے تختہ نقوش بھی دیئے ہیں۔ مسٹر جان مارشل نے اپنے تختہ نقوش کے ساتھ گڈ (Gadd) کا تختہ نقوش بھی دیا ہے۔[14] انہوں نے تین مختلف قسم کی مہروں کی ساخت کی قرأت تشکیلی، سماتی اور ابجدی طریقے پر کی ہے، رسم الخط کی پہلی قسم کو سمجھنے کے لیے زبان کا علم ضروری نہیں ہے۔ رسم الخط کے دوسرے طریقے "سماتی" کے مطابق نقوش کا مطلب معلوم کرنا ضروری ہے۔ رسم الخط کے تیسرے نمونے ابجدی طریقے کے طرز تحریر کو قرأت کے بغیر سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

سندھی رسم الخط کو سمجھنے والوں نے دانستہ عرب، عربی زبان، اور اس کی ہم نسل

زبانوں کی روشنی میں سندھی مہروں کے تقابلی مطالعے کو نظرانداز کیا ہے تاکہ سندھ وعرب کے تعلقات کی بابت کوئی انکشاف نہ ہوسکے اور تاریخ کے اس منظر کو تحقیق کی روشنی نصیب نہ ہوسکے۔ جہاں عرب وسندھ کے مابین عجیب وغریب تعلقات تھے موئن جوڈرو کے مدفنوں، مصر قدیم، فلسطین کی وادیٔ نطوف عراق کے تل العبید سے جو کھوپڑیاں برآمد ہوئی ہیں وہ وادیٔ سندھ سے ملنے والی کھوپڑیوں سے ملتی جلتی ہیں، لہٰذا عرب وسندھ کے روابط پر اور طرز تحریر پر عربی تناظر میں غور کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی دوملکوں کے باشندوں کا ہم نسل ہونا ان کے ہم زبان وہم لغت ہونے کا یقینی ثبوت نہیں ہے لیکن یہ بات تو ماننا پڑے گی کہ عرب وسندھ کے تعلقات باہمی دائرۂ شکوک وشبہاب کی گرد سے صاف ہے۔ اس کے باوجود ابھی تک سندھی رسم الخط کو اس پہلو سے کیوں نہیں پرکھا گیا۔

ڈاکٹر الکن (Allchin) نے جن سات مہروں پر تحقیق کی ہے اس کے مطابق ہڑپا اور موئن جوڈرو میں جو اشارے تجارتی اغراض کے لیے استعمال کیے جاتے تھے وہی بہت معمولی فرق کے ساتھ سمیریا میں بھی استعمال ہوتے تھے۔ عیلامی (Elamite) اور سندھی طرز تحریر کے تقابلی جائزے کے بعد فاکنشائن (Fankishitne)، میرگی (Meriggi) نے بتایا کہ کئی عیلامی کتبے اعداد اور میزانی اکائیوں سے متعلق ہیں۔ ماہرین کے مطابق سندھ میں مروج طرز تحریر حسابی تھا جو عیلامی طرز تحریر کا اختصاص ہے۔ یہ طرز تحریر عیلامیوں کے زیر اثر سندھ نے اختیار کیا یا سندھ کے بھرپور اثرات کے باعث عیلامیوں نے اس طرز تحریر کو اختیار کیا۔ اس موضوع پر مزید کام کی ضرورت ہے۔

محقق کینویر (Kenoyer) نے قدیم سندھی تہذیب کی اصطلاح کو ایک ایسے طویل ثقافتی عہد کے احاطے سے ملا دیا ہے جس کے اثرات مغرب میں بلوچستان، ایران اور عراق سے ہوتے ہوئے ترکیہ کے اختتام تک چلے جاتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ سندھی تہذیب، تمدن، رسم الخط اور نقوش پر تحقیق کرتے ہوئے الہامی مذاہب، عرب اور سندھ کے

تعلقات کو قصداً فراموش کر دیا جاتا ہے تاکہ سندھی تہذیب وتمدن کا مطالعہ محض مادی مطالعے تک محدود رہے۔ اس تہذیب کی روحانیت اس کی مابعد الطبیعیات اور اس کے مذہب والہام سے متعلق کوئی گفتگو نہ کی جاسکے۔ یہ رویہ اہل مغرب کی وسیع الخیالی اور خردافروزی کے دعویٰ کے منافی ہے اور تاریخ یہی بتاتی ہے کہ مغرب کے وسیع المشربی کے دعوے محض دعوے ہیں۔ حقائق اس سے بالکل مختلف ہیں اور حالیہ واقعات، حادثات، سانحات اور تصادمات نے مغرب کی وسیع الخیالی کے خیالی پیکر کے اصل چہرے سے دنیا کو بخوبی روشناس کرا دیا ہے۔

مولانا ابوالجلال ندویؒ نے سب سے پہلے سندھی تہذیب وتمدن، معاشرت وتاریخ اور رسم الخط کو عربی تناظر میں پڑھنے، پرکھنے، سمجھنے اور جانچنے کی کوشش کی، جس کا ذکر تفصیل سے آچکا ہے۔ اس اہم ترین موضوع پر ان کے مضامین افسوس یہ ہے کہ اردو میں شائع ہوئے اور دنیا اس سے بے خبر رہی حالاں کہ مولانا ابوالجلال ندوی عربی، عبرانی، فارسی، سندھی، انگریزی و دیگر مقامی زبانوں پر عبور رکھتے تھے[۱۵،۱۶،۱۷،۱۸] اگر وہ اردو کے بجائے کسی اور زبان کو ذریعہ اظہار بناتے تو ان کے مضامین کی گونج مغرب ومشرق کے ماہرین آثار قدیمہ کو ششدر کر دیتی۔

مولانا ابوالجلال ندوی کی تحقیقات کا ماحصل ان کے اپنے الفاظ میں یہ تھا کہ ''موئن جو دڑو کے رسم الخط کا رشتہ قدیم عبرانی اور عربی زبانوں سے ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وادیٔ سندھ کی اس تہذیب کا دوسرے انبیاء کی امتوں اور مسلم تہذیب سے گہرا تعلق ہے۔[۱۹] اس موقف کی مزید وضاحت مولانا ابوالجلال ندوی کی ایک غیر مطبوعہ تحریر میں ملتی ہے جو درج ذیل ہے:

''۱۹۵۰ء اور اس سے دو ایک سال پہلے میں دوبار دہلی گیا۔ ایک بار چند روز اپنے مرحوم دوست مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے پاس مقیم رہا۔ ان کے پاس مولانا ابوالکلام آزاد کے معتمد خاص جناب اجمل خان سے ملاقات ہوئی۔ ان دنوں میرا مضمون

''سندھ کی قدیم مہریں'' ماہ نو میں چھپ چکا تھا۔اس کا ذکر آیا تو اجمل صاحب نے پوچھا اب تک آپ نے کیا ثابت کیا ہے؟ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا جو ثابت کرنا چاہتا ہوں وہ کچھ اور ہے لیکن جو ثابت کر چکا ہوں وہ صرف تین باتیں ہیں (۱) وادیٔ سندھ کی زبان تحریر نہ ہی سنسکرت ہے نہ دروا ڑی ہے بلکہ ثمسوا ایلونا اور سدوم کی زبان ہے یعنی چار پانچ ہزار برس پہلے کی عربی زبان۔ (۲) چین کو چھوڑ کر براہمی، سبائی، حجازی، ثمودی، سینائی، مصری، فونیقی، یونانی، لاتینی، رومن اور حد تو یہ ہے ہماری اردو اور دیوناگری تک کی ابجدوں کا سلسلہ نسب ہڑپا کے نوشتوں سے جاملتا ہے۔ (۳) سندھی نقوش تین طرح کے ہیں (الف) تصاویر اشیاء (ب) تصاویر اشیاء کی بدلی صورتیں جو رموز افکار یعنی آئیڈیا گراف بن گئیں۔ (ج) چین کے سوا جو میرے لیے نامعلوم ہے تمام ابجدوں جیسے نقوش۔ جو ثابت کرنا چاہتا ہوں ممکن ہے ثابت کرسکوں، ممکن ہے ثابت نہ کرسکوں۔اجمل صاحب نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ وادیٔ سندھ میں پہلے عرب بستے تھے پھر یہاں سے وہ عرب میں جا بسے۔عراق کے وہ باشندے جو عربی فونیقی زبان بولتے تھے جس کا قرآنی نام قوم ابراہیم ہے، تمام بنوسام کے اسلاف کا ابتدائی وطن وادیٔ سندھ میں تھا۔ بنوقحطان، بنواسمٰعیل، بنواسرائیل سب کے مشترک مورثوں کا وطن ہڑپا اور موئن جودڑو اور آس پاس تھا۔مرحوم بھائی عبدالرزاق ملیح آبادی نے کہا اس باؤلے پن کا جواب نہیں، عربوں اور عبرانیوں کے مشرک مورث اور سندھ میں آباد۔اجمل خان نے کہا ''نامعلوم کو ہمیشہ باؤلوں ہی نے معلوم کیا ہے۔اگر اتنا ہی ثابت ہوجائے کہ تمام قوموں کو لکھنا پڑھنا سندھ والوں نے سمجھایا تو یہی کافی ہے''۔اجمل صاحب کے ان الفاظ نے میری ہمت بلند کردی، میں نے کہا قصہ زمین برسر زمین اس مقصد سے کراچی میں قیام کا ارادہ ہے۔اجمل خان یا مرحوم بھائی عبدالرزاق نے کہا بہتر ہے کہ یہ کام دہلی میں رہ کر انجام دو۔ یہاں تم کو ہر طرح کی مدد یہاں کے اہل علم دیں گے۔حکومت دے گی۔ضروری مواد مہیا کیا جائے گا لیکن کراچی میں کوئی تم کو قابل خطاب تک نہ سمجھے گا،

وہاں مشاہیر کی اور اپنی ستائش آپ کرنے والوں کی قدر کی جاتی ہے۔تم کو کراچی جا کر پچھتانا پڑے گا۔افسوس میں نے ان دوستوں کی بات نہیں مانی اور یہاں آہی گیا اور واقعی مجھے پچھتانا پڑا کہ ناقدروں کے دیس میں کیوں آیا۔ یہاں کسی قسم کا تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اخبارات اور رسائل کی بابت اور جن اہل علم سے تعاون کی امید تھی، ان کی بابت اپنی زبان کو صامت رکھنا بہتر ہے۔یہ مضمون بھی صرف اس لیے قلم بند کرتا ہوں اب نہیں تو آئندہ میرے مرنے کے بعد کوئی اسے پڑھے گا اور میرے طریق کے مطابق میرے ادھورے کام کو مکمل کرے گا''۔ان الفاظ میں مولانا ابوالجلال ندویؒ کے علم وفضل کی دردبھری داستان پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔اپنی زندگی میں انھیں ماہِ نو کے سوا کوئی رسالہ نہ ملا جوان کے نہایت عالمانہ مضامین شائع کرتا۔

مولانا ابوالجلال ندویؒ نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں بے شمار مضامین لکھے ہزاروں صفحات ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں اور اب ان کی تحریریں سمجھنا تو درکنار درست طریقے سے پڑھنے والے بھی بہت کم رہ گئے ہیں۔مولانا نے عرب سندھ وہند کے روابط پر داد تحقیق دینے کے ساتھ ساتھ وادیٔ سندھ سے ملنے والی دو ہزار مہروں کی قرأت کی اور عبرانی وعربی کے ذریعے اس تحریر کو پڑھ لیا۔ان کا موقف تھا کہ وادیٔ سندھ میں جو زبان اور رسم الخط رائج تھا وہ عربی کی انتہائی ابتدائی شکل ہے اور عرب سندھ سے عرب گئے تھے۔ان کا یہ دعویٰ اگر مزید براہین وآثار سے موکد ہو جائے تو زبانوں کی تاریخ پر اب تک ہونے والا تمام تحقیقی کام ازسر نو نظر ثانی کا محتاج ہوگا اور مغربی ماہرین کی بہت سی تحقیقات معرض خطر میں پڑ جائیں گی۔ بالفاظ دیگر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سندھ کی تہذیب رسم الخط اور زبان دنیا بھر کی تہذیبوں، زبانوں اور رسم الخط کا اصل ماخذ معدن مخزن اور سرچشمہ ہے کیوں کہ ابھی تک وادیٔ سندھ سے قدیم کسی تہذیب کے آثار قدیمہ دریافت نہیں ہو سکے۔

یہ دعویٰ کہ چین کو چھوڑ کر براہمی، سبائی حجازی، ثمودی، سینائی، مصری، فنیقی،

یونانی، لاطینی، رومن، اردو، اور دیوناگری تک کی ابجدوں کا سلسلہ نسب ہڑپا کے نوشتوں سے جا ملتا ہے بہت بڑا دعویٰ ہے اور اس کے لیے مزید تحقیقات ضروری ہیں۔ اس دعویٰ کو اگر تفصیل سے واضح کر دیا جائے تو لامحالہ یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب و تمدن کا دوسرے انبیاء کی امتوں اور مسلم تہذیب سے گہرا تعلق تھا۔ مسلم تہذیب کی اصطلاح سے ہم لوگ عموماً خاتم المعصومینؐ کے دور کا تصور کرتے ہیں جب کہ اس کائنات کے پہلے انسان ابوالبشر حضرت آدمؑ تھے جو اللہ کے پیغمبر تھے۔ پیغمبروں کا یہ سلسلہ دنیا کے تمام خطوں میں صدیوں تک جاری وساری رہا اور خاتم النبیینؐ کے وصال کے ساتھ ہی یہ سلسلہ منقطع ہو گیا لہٰذا اسلام کائنات کے آغاز کے ساتھ ہی روئے زمین کا مذہب تھا اس کی دلیل قرآن کریم کی آیات ہیں جو کسی تاریخی حوالے کی محتاج نہیں۔

مولانا ابوالجلال ندوی کی تحقیق کے مطابق چوں کہ تمام تہذیبوں اور رسم الخط کا اصل مرکز سندھ ہے۔ اس نتیجے کو اگر مغرب تسلیم کرے تو اسے اپنے اس نظریے سے دستبردار ہونا پڑے گا کہ انسان نے دورِ ظلمات میں آنکھیں کھولیں اور جہالت سے آغاز کیا اور رفتہ رفتہ ترقی کی منازل طے کیں۔

کائنات و انسان کے آغاز و ارتقاء سے متعلق مشرقی مغربی مفکرین کے یہ فلسفے قرآن کی روشنی میں ناقابل قبول ہیں کہ کائنات کا آغاز اندھیرے، لاعلمی، جہالت وحشیانہ طرز زندگی اور جاہلیت کے گہوارے میں ہوا، لیکن رفتہ رفتہ انسان نے تجربات، مشاہدات، حادثات اور واقعات سے سبق سیکھتے سیکھتے عہد بہ عہد ارتقاء کی منزلیں طے کیں جس کے نتیجے میں زبانیں، تہذیبیں، تمدن اور مذاہب وجود میں آئے۔ اس تحقیق کا دوسرا مطلب قرآن کریم کی بے شمار آیات کا انکار ہے جس میں خالق کائنات نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو روشنی اور صراطِ مستقیم اور احسن تقویم کے ساتھ زمین پر بھیجا۔ یہ بات رفتہ رفتہ ثابت ہو رہی ہے کہ تمام زبانیں ایک ہی آب و گل سے ڈھل کر نکلی ہیں کیوں کہ کائنات کے پہلے انسان ایک پیغمبر

تھے اور پیغمبر زبان اور کتاب کے بغیر ظہور نہیں فرماتے ۔ جب کائنات کا آغاز روشنی، کتاب، رسالت کے ساتھ ہوا تو تہذیب وتمدن کے ارتقاء پذیر ہونے کے لیے صدیوں منتظر رہنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ وادیٔ سندھ کے ہڑپا اور موئن جو دڑو میں کئی ہزار سال قبل مسیح میں کشادہ سڑکیں، ہوادار گھر، فراہمی آب ونکاسی آب کا بہترین نظام موجود تھا جو آج بھی سندھ کے دیہی علاقوں، بلوچستان، سرحد، پنجاب، افریقہ، عرب، لاطینی امریکا، ہندوستان، چین اور دنیا کے بہت سے علاقوں میں آج بھی میسر نہیں ہے ۔

سوال یہ ہے کہ مغربی تہذیب جس کی تاریخ چند سو سال سے زیادہ قدیم نہیں ہے اس کی آمد سے ہزاروں سال قبل یہ تمام سہولتیں اور آسائشیں وادی سندھ کے لوگوں کو کیسے میسر تھیں ۔آکسفورڈ کیمبرج سوربون اور بون یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کیے بغیر اس عہد کے انسانوں نے محیرالعقول تہذیب وتمدن اور عمارات کیسے تیار کیں؟

مغرب جس کا دعویٰ ہے کہ سائنس نے پوری کائنات کو تسخیر کر لیا ہے ابھی تک اہرام مصر میں مدفون رازوں سے پردہ اٹھانے میں ناکام رہا ہے ۔اہرام مصر میں جو پتھر استعمال کیا گیا ہے اس کے ذریعے دنیا کے گرد تین مرتبہ دیوار چین بنائی جا سکتی ہے، اتنا پتھر کیسے آیا کیسے لایا گیا؟ کاری گر کون تھے؟ اہرام مصر کی صناعی میں حساب، الجبرا اور جومیٹری اور ٹرگنومیٹری کے جو شاہکار ہیں ابھی تک سائنس ان کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہے کہ چار ہزار سال پہلے کی تہذیب اتنی ترقی یافتہ کیسے تھی؟ یہ محض اتفاق اور حسن اتفاق نہیں ۔ اتفاق اور حسن اتفاق کی اس بحث کو عقل سلیم اور قلب منیب کے ساتھ مکمل کیا جائے تو مغربی تہذیب خالق کائنات اور اس کے رسولوں پر بے ساختہ ایمان لائے گی ۔

References حوالہ جات

۱۔ ابوالجلال ندوی،قدیم مہریں،''ماہ نو'' کراچی،دسمبر ۱۹۵۶ء،ص ۵۱

۲۔ ابوالجلال ندوی،قدیم مہریں''ماہ نو'' کراچی،نومبر ۱۹۵۶،ص ۴۸۔۴۹

۳۔ سید سلیمان ندوی،''عرب وہند کے تعلقات'' اردو اکیڈمی،سندھ کراچی

۴۔ ابوالجلال ندوی،قدیم مہریں''ماہ نو'' کراچی،نومبر ۱۹۵۶ء،ص ۵۱

۵۔ مارشل *Mohenjo Daro and Sindh Culture*، Volum III، ۱۹۳۴ء

۶۔ ابوالجلال ندوی،قدیم مہریں،''ماہ نو'' کراچی،ستمبر ۱۹۵۶ء،ص ۴۷۔۴۸

۷۔ خالد حسن قادری،''اردو کا آغاز اور مولد'' جریدہ شمارہ اکیس،جامعہ کراچی،ص ۸۔۲۱

۸۔ سید خالد جامعی/عمر حمید ہاشمی،''بروشسکی،تاریخ وتحقیق کی میزان میں'' جریدہ شمارہ اکیس،جامعہ کراچی،ص ۲۸۔۴۶

۹۔ ابوالجلال ندوی،قدیم مہریں،''ماہ نو'' کراچی اگست،۱۹۵۶ء

۱۰۔ ابوالجلال ندوی،قدیم مہریں،''ماہ نو'' کراچی،صفحہ ۲۳

۱۱۔ ابوالجلال ندوی،قدیم مہریں،''ماہ نو'' کراچی،صفحہ ۲۳۔۲۴

۱۲۔ مادھوسروپ وتس Excavation at Harappa،

۱۳۔ میکے Further Excavation at Harappa

۱۴۔ سرجان مارشل Mohejo Daro and Sindh Culture، Volume III، ۱۹۳۴ء

۱۵۔ شاہ محی الحق فاروقی،بیدار دل لوگ،۲۰۰۲ء کراچی اکادمی بازیافت۔ص ۱۴۷ تا ۱۸۰

۱۶۔ رضی الدین،انٹرویو ابوالجلال ندوی ہفت روزہ اخبار جہاں،۲۸/مئی تا ۳/جون،۷۱

۱۷۔ صباح الدین عبید الرحمٰن، آہ ابوالجلال ندوی مرحوم (وفیات)، معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۸۴ء

۱۸۔ ضیاء الدین اصلاحی، ابوالجلال ندویؒ کی یاد میں، معارف اعظم گڑھ، اگست ۱۹۹۴ء، ۱۰۹ تا ۱۳۷

۱۹۔ شاہ محی الحق فاروقی، بیدار دل لوگ، صفحہ ۱۷۰

20 David Crystal, *An Encyclopedic Dictionary of Language and Languges.*

21 Prof. E. Tiffon, *Hunza Proverb,* University of Calgary Press.

22. Anatoine V. Lyovin, *An Introduction to the Languges of the World.* Oxford University Press, 1997.

23. Colin P. Masica, *The New Linguistic Environment* 1996.

24. George Morgenstierne, *Report on a Liguistic Mission of north west India. Oslo,* 1932.

25. Kenneth Katzner, *The Languages of the World,* New Edition, 1995.

26. Ross, Alan S.C., *The Direction of the Mohenjo-daro Script,* 1939.

27. Wheeler, Sir Mortimer, *The Indus Civilization,* Volume 3rd, 1968.

29. Chadwick, John, *The Indus Script Deciphered,* 1996.

بادامن کی تہذیب اور رسم الخط کا جائزہ

سید خالد جامعی

علم بشریات اور آثار قدیمہ کے ماہرین اس بات کی تحقیق میں شروع سے سرگرداں رہے ہیں کہ دنیا میں پہلا انسان کہاں وارد ہوا تھا، اس کی زبان کون سی تھی، اس زبان کا رسم الخط کیسا تھا، مگر تمام کوششوں کے باوجود نتائج اتنے مختلف ہیں کہ کوئی رائے قائم کرنا محال ہے۔

جب بھی ماہرین آثار قدیمہ پرانی تہذیبوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ان تہذیبوں کے ملبے سے ملنے والی ان اشیاء پر اپنی توجہ مرکوز کر لیتے ہیں جو نہایت نفاست اور خوبصورتی سے تراشی گئی ہیں۔ یہ مطالعہ انھیں اس خاص علاقے کے معاشی، سیاسی و سماجی اور مذہبی اداروں کی تفہیم میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

بہت سے محققین کا کہنا ہے کہ دنیا کا سب سے قدیم ترین ڈھانچہ چوں کہ ایتھوپیا (حبشہ) سے برآمد ہوا ہے اور وہ کسی عورت کا ہے، لہٰذا یہ عورت تمام نسلوں کی ماں ہے اس عورت کے ڈھانچے کو ریڈیو کاربن ڈیٹنگ کے ذریعے سے قدیم ترین مانا گیا ہے۔ جب بھی کسی مقام یا علاقوں سے حاصل قدیم باقیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو کافی دقت کا سامنا ہوتا باقیات کو انتہائی نگہداشت اور تحمل سے یکجا کرنا پھر اس کی کاربن ڈیٹنگ سے صحیح عمر معلوم کرنا وغیرہ۔ یہ قدیم اشیاء اپنے اندر ایک عظیم الشان تاریخ سموئے ہوئے ہیں۔ ان اشیاء کی اہمیت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب ان قدیم معاشروں کے بارے میں ہمیں کوئی تحریری مواد نہیں ملتا، جیسا کہ وادئ سندھ کی تہذیب، جو اب تک کی تحقیقات کے مطابق پانچ ہزار سال قبل مسیح کی تہذیب ہے اور دنیا میں اس سے قدیم ترین تہذیب کے آثار ابھی تک تلاش نہیں کیے جا سکے۔ یقیناً وادئ سندھ کے کچھ قدیم شہروں میں بسنے والے لوگ تحریر کے عمومی فن سے واقف تھے مگر یہ تحریر تا حال پڑھی یا جانچی نہیں جا سکی مگر مادی ثقافت کا مفصل مطالعہ اس جانب معلومات کے کچھ ذرائع ضرور فراہم کرتا ہے جس سے اس معاشرے کے خدوخال کا اندازہ لگایا جا سکے نیز اس سے دیگر قدیم ثقافتوں کا تقابل بھی کیا جا سکتا ہے۔

محققین نے یہ بات ثابت کی ہے ہمارا ملک پاکستان دنیا کی قدیم ترین تہذیب کا گہوارہ رہا ہے جس کی تاریخ کا رشتہ ۵ ہزار سال قبل مسیح سے پیوستہ ہے۔ یقیناً اس دور میں دنیا کے کئی خطوں اور علاقوں میں

بھی انسانی بستیاں آباد ہوں گی لیکن دریائے سندھ کے اطراف جو بستیاں بسائی گئی تھیں ان کی تعمیر اور توسیع منظم طریقے پر کی گئی تھی۔ جہاں کشادہ اور پکی اینٹوں سے بنی گلیاں، گھروں کا انداز، انتظامی عمارات کا ایک خوبصورت ایوان اور اجتماع کے لیے خاص مقامات کی تعمیر، یہ سب کچھ اس عہد کی ہم عصر بستیوں میں دستیاب نہ تھا، اس اعتبار سے وادیٔ سندھ کی تہذیب ایک منفرد اسلوب اور جداگانہ طرز حیات طرز تعمیر اور طرز تمدن کی حامل تھی، یہ سبھی کچھ دوسری ہم عصر بستیوں میں یقیناً نہیں تھا۔قدیم سندھ کی تاریخ ،فراعنہ مصر کے ہم عصر بھی کہی جا سکتی ہے۔گوکہ مصری تہذیب ۷۵۰۰ ہزار سال قبل مسیح قدیم ہے،لیکن جس صدی میں سندھ کی تہذیب کو فروغ ہوا اس وقت مصر میں فراعنہ تہذیب بھی عروج پر تھی۔لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ مصری تہذیب میں ہم دیکھتے ہیں کہ فراعنہ کے اونچے اونچے مزارات، محلات اور معبد خانوں کی عظیم الجثہ عمارات تو ہیں لیکن وہاں پکی سڑکیں، بہترین گھر، یا عام استعمال کے غسل خانوں کا سلسلہ نظر نہیں آتا۔ دنیا کے دیگر کئی مقامات پر ہمیں الگ الگ وقتوں میں قدیم تہذیبوں کے آثار ملتے ہیں۔ یہ تمام آثار اتنے قدیم نہیں ہیں جتنے کہ قدیم سندھی تہذیب جس کا اثر یا رابطہ محققین نے عراق (سمیریا)، ترکمانستان اور ترکیہ تک جوڑ دیا ہے۔

یونان کی ایتھنز اور اسپارٹا کی تہذیبیں، جنوبی امریکا کی انکا (Inca)، مایا (Maya) اور ایسٹیکا (Aztec) تہذیبیں، یہ تمام تہذیبیں ہیں تو بہت شاندار لیکن یہ اتنی قدیم نہیں ہیں جتنی "بادامن" کے شہروں اور سمیریا کی تہذیب۔

محقق کینوئر (Kenoyer) نے ۱۹۹۸ میں یہ بتایا کہ قدیم سندھی تہذیب کی اصطلاح ایک ایسے طویل ثقافتی دور کا احاطہ کرتی ہے جس میں ایک وسیع جغرافیائی علاقہ آتا تھا جو سندھ اور گھگھر۔ہاکڑا دریاؤں کے میدانوں پر محیط تھا۔

یہ علاقہ مغرب میں بلوچستان کے کوہستانی علاقوں سے شروع ہو کر سندھ کے زرخیز میدانوں سے ہوتا ہوا چولستان اور تھر کے ریگستان تک چلا جاتا ہے۔ یہ علاقہ شمال میں کوہِ ہمالیہ کے زیریں حصے سے شروع ہو کر جنوب میں بلوچستان کے ساحل مکران اور گجرات کے صوبے اور اس سے ملحقہ جزائر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ وسیع جغرافیائی علاقہ یہاں پر بسنے والے لوگوں کی روزمرہ سرگرمیوں سے متعلق جاننے، اور خام اشیاء کے حصول کا ایک متنوع ذریعہ ہے۔ ان ذرائع کا ساتھ ساتھ ہونا ان قدیم لوگوں کے روابط کو ایک منظم جال کی صورت میں مربوط کرتا ہے۔ ان کوہستانی علاقوں اور زرخیز میدانوں کے درمیان کئی درے، اور پھر دریاؤں کی موجودگی اور ساحل تک ان کی رسائی ان راستوں کے باعث اور مزید آسان ہو جاتی ہے۔

''یہ انتہائی مناسب رہے گا اگر اس کا موضوع کا اختتام ایک مختصر بیان کے ساتھ کیا جائے، جس میں متعلقہ دیگر موضوعات کا جائزہ بھی شامل ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہر طرح سے، اور ایک عام اور مستقر رائے کو دیکھتے ہوئے۔

غالباً مغربی ہند کے اس جغرافیائی علاقے کے لیے جو قدیم اصطلاح استعمال کی جاتی تھی وہ ''ملوہا'' تھی۔ اس علاقے کے اندر کبھی شہری ریاستوں کا وجود ہوگا، جنھیں قدیم دور میں ''باد۔ امن'' یا'' سات شہر'' کے طور پر جانا جاتا تھا۔

یہ اصطلاح سمیری ہے، اور ایک قاری یہ جان سکتا ہے کہ سمیری (زبان) کو سمجھتے ہوئے وادئ سندھ کی تحریروں کے مزید راز منکشف کیے جاسکتے ہیں۔

لمبرگ اور کارلووسکی (Lamberg-Karlovsky) کے مطابق ابرقی مہروں کے استعمال کے لیے تپ یحییٰ ایک اہمیت کا حامل بین الاقوامی تجارتی مرکز ہونا بھی ایک نیا اور پرحیران کن احساس پیدا کرنے والا امر واقعہ ہے جو عنقریب ہمارے قدیم معاشی منظرنامے پر غالب آجائے گا۔

آثار قدیمہ کے ماہرین کینویر (Kenoyer) اور شیفر (Shaffer) نے قدیم سندھی تہذیب کی تاریخ کو چار ادوار میں منقسم کیا ہے۔ ابتدائی غذائی پیداوار والا دور (تقریباً ساڑھے پانچ ہزار سال سے سات ہزار سال قبل مسیح) جسے عام طور پر نیولیتھک دور (Early Food Producing Era) (عہد حجری) کہا جاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب وادئ سندھ میں گھریلو پیداوار اور مویشیوں سے پہلی پہلی بار فائدے حاصل کیے گئے تھے۔ علاقہ بندی والا دور (Regionalization Era) (دو ہزار چھ سو سال سے ساڑھے پانچ ہزار سال ق م)۔ یہ دور مقامی ثقافتی ترقی کا دور تھا جسے کئی ذیلی ادوار میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے جس کا ہر دور اپنے خاص فن پاروں کے انداز اور مقامی ثقافتی روابط کا غماز ہے۔ ہڑپا کے مقامات کی حالیہ کھدائی قدیم سندھ کی ایک ابتدائی ریاست (تقریباً ۲ ہزار سو سال ق م) کے قیام کے ثبوت پیش کرتی ہے جو کہ علاقہ بندی دور (Regionalization Era) کا آخری وقت تھا۔ لیکن ریاست کی سرپرستی میں دیہی اور شہری زندگی تقریباً ۲۶۰۰ ق م تک شروع نہیں ہوئی تھی۔

قدیم سندھی شہروں سے حاصل شدہ کئی اقسام کی اشیاء میں مہریں انتہائی قابل دید ہیں۔ اسی طرح قدیم سندھی تہذیب کے دیگر پہلوؤں کو جاننے کے عمل کے ساتھ ساتھ مطالعات اور مشاہدات کرنے کے انداز میں بھی مسلسل تغیر وتبدل رونما ہو رہا ہے۔

رس مین (Rissman) کے مطابق جیسے جیسے قدیم سندھی شہروں کا مطالعہ معاشرتی، معاشی اور

سیاسی اداروں کے زیادہ نظریاتی موضوع کی طرف بڑھا۔مصورانہ اشیاء یعنی مہروں کے استعمال اور ان کے حصول نے ایک مختلف زاویہ پیش کیا۔ان مہروں سے متعلق اشاراتی یا سماجی و سیاسی معانی اور سوالات، ان قدیم چیزوں کے بنانے، استعمال کرنے اور ترک کردینے سے متعلق مزید گہرے مطالعے اور مشاہدے کے متقاضی ہوئے نیز اس موضوع پر کنویز نے اہم نوعیت کا کام کیا ہے۔اس بات نے نئے مطالعات اور نظریاتی نمونوں کو مزید وسعت اور تیزی دی، جن میں اعداد و شمار کو جمع کرنے اور تجزیہ کرنے کے نئے طریقے استعمال کیے جاتے تھے۔دوسری تہذیبوں میں پائی جانے والی مہروں کی بانسبت قدیم سندھی شہروں کی مہروں کو بہت ہی سادہ فنکارانہ نمونوں کے طور پر پیش کیا گیا۔کینویر اور میڈو (Meadow) کی تحقیقات کے مطابق یہ مہریں طاقت اور اختیار کا نمونہ تھیں جنھیں ایک پیچیدہ تکنیک سے بنایا گیا تھا۔

۱۸۷۳ میں جب پہلی مرتبہ ہڑپا سے ان مہروں اور اشیاء کو دریافت کیا گیا تو ان غیر صاف شدہ ابرق پر کندہ خوبصورت مہروں نے اپنی بے مثل طرز اور پہیلی جیسی تحریر کی وجہ سے تمام عالم کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

ان مہروں کو ان کے طرز اور لسانیات کی بنیاد پر مارشل نے ان کا موازنہ میزوپوٹامیہ (عراق) کی بیلن نما مہروں سے کیا (مارشل ۱۹۲۳)۔کئی سالوں کی کھدائی اور مطالعے کے بعد کئی محققین، جیسے ارنسٹ ماک کے، (Ernest Mackay) جسے اس بات کا مشاہدے سے علم ہو گیا کہ ان مہروں کی ساخت میں، کندہ کرنے اور تیار کرنے کی عمومی تکنیک استعمال کی گئی۔ان کے مشاہدات نے اس بات کو منکشف کیا کہ حقیقت میں یہ مہریں اور کندہ اشیاء کئی طرح کی ہیں جن میں سے کئی کو تو بطور مہریں استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔شروع کے مطالعوں کے ضمنی مفہوم میں یہ فرق محسوس نہیں کیا گیا تھا لیکن یہ واضح تھا کہ ان مہروں اور دیگر کندہ اشیاء کو بنانے میں جو طریقے استعمال کیے جاتے تھے وہ مقامی ثقافتی ترقی کا شاخسانہ تھے، دیگر قدیم تہذیبوں کے خیالات کو اپنے اندر سمونا اس کی وجہ نہیں تھا۔

ماہرین نے کھدائی سے ان حاصل شدہ فن پاروں کا دوبارہ مشاہدہ شروع کر دیا ہے اور پاکستان اور بھارت میں کھدائی سے نئی نئی اشیاء دریافت کی جارہی ہیں۔فن پاروں کے اشاراتی عناصر اور ان اشیاء کے بنانے کے لیے تکنیکی عمل کے مطالعے کے لیے ماہرین نے، قدیم سندھی تہذیب کی ترقی کے اساس، معاشرتی و معاشی نظریاتی اور سیاسی ترقی کے عناصر پر نئی روشنی ڈالنی شروع کی ہے۔ویدال (Vidale) اور ملر (Miller) کی تحقیقات کے مطابق ابرق سے بنائی گئی گولیوں (گول دانے) پر حالیہ مطالعہ قدیم سندھ کی کامل فنی مہارت اور معاشرتی ڈھانچے میں تبدیلیوں کے بارے میں اشارہ دیتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماضی سے متعلق سوالات میں بھی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور

خوبصورتی سے تراشیدہ قدیم اشیاء کے مطالعے کے طریقوں میں بھی ماہرین آثار قدیمہ ڈرامائی تبدیلیوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ماقبل آثار کے نمونوں کی ایک نوع قدیم سندھی شہروں میں پائی گئی۔ یہ کسی سخت دھات میں کندہ (انتاگلیو) مہریں ہیں جو ہمیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ کس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ (ماہرین) اور محققین اپنے نظریات اور بیانات میں تغیرات لانے پر مجبور ہوئے۔

وادیٔ سندھ کے رسم الخط کو پڑھنے کی بے شمار کوششیں کی گئیں ان میں ایک اہم اور منفرد کوشش مولانا ابوالجلال ندوی کی تھی جو عربی، عبرانی، فارسی، انگریزی اور دیگر مقامی زبانوں پر عبور رکھتے تھے انھوں نے مارشل کی اُس تحقیق کو سامنے رکھ کر کہ وادیٔ سندھ کا رسم الخط دائیں سے بائیں ہے، یہ ثابت کیا ہے کہ یہ رسم الخط عربی کی ابتدائی شکل ہے۔ انھوں نے اپنے تختۂ نقوش کی روشنی میں دو ہزار مہروں کی قرأت کی ہے، یہ کام انتہائی اہم نوعیت کا ہے لیکن اردو میں ہونے کے باعث مغربی مفکرین اور محققین اس سے لاعلم رہے۔ سندھی ثقافت جسے ہم قدیم ترین عرب ثقافت بھی کہہ سکتے ہیں، انتہائی وسعت کی حامل رہی ہوگی۔ سمیریا (عراق)، سوسا (ایران) میں اس تہذیب سے ملتے جلتے مہروں کا پایا جانا کیا ثابت کرتا ہے۔ نیز موجودہ ہندو مؤرخین اور محققین یہاں تک تسلیم کرتے ہیں کہ وادیٔ سندھ کا شہر موئن جودڑو صرف ایک شہر نہیں بلکہ ایک ریاست تھی جس کی سرحدیں موجودہ پنجاب کے اطراف کے علاقوں یعنی راجستھان اور گجرات تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن ان مؤرخین نے ایسے کسی کھنڈر کی طرف اشارہ نہیں کیا جو ہڑپا یا موئن جودڑو سے مماثلت رکھتا ہو اور انھیں موجودہ بھارت کی ان دو ریاستوں میں دریافت کیا گیا ہو۔

بھارت میں روپڑ کے مقام پر اور دہلی کے قرب (اندرپرستھ) میں ضرور آثار ملے ہیں، لیکن یہ آثار محققین ماقبل تاریخ کو اپنی جانب اس طرح متوجہ نہ کر سکے کہ جس طرح ہڑپا، موئن جودڑو، نال، آمری اور مہر گڑھ کے کھنڈرات نے پوری دنیا کے محققین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اور یہ تہذیب آج بھی اپنے اندر کئی رازوں کو سنبھالے اہلِ علم کو تحقیق کی دعوت دے رہی ہے۔

حوالہ جات (References)

اس موضوع پر مزید مطالعے کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے:

Maulana Abul Jalal Nadvi, *Qadeem Sindhi Muhrein, Mah-e-Nou* ,Dec. 1956.

Jareeda No. 21. Lisaniyaat, Bureau of Composition, Compilation and Translation, University of Karachi 2003

Maulana Abul Jalal Nadvi. *Harappa Script; Parhee Jaye to Kaisey. Sweda* Sept. 2000.

Syed Khalid, Umar Hameed Hashmi, *Burushaski: Tareekh-o-Tehqueeq Ki Meezan Mein.* Jareeda 21. **Bureau of Composition, Compilation and Translation,** University of Karachi 2003.
Nasir Uddin Nasir, *Shimol Boq*, **Bureau of Composition, Compilation and Translation,** University of Karachi 2003.
Maulana Abul Jalal Nadvi, *Diyar-e-Hind-o-Sind* (unpublished).
Alekseev, G.V., *Soviet Studies on the Harappan Script*,1965
A llchin, -*The Birth of Indian Civilization* ,1968
B osen.K., *Human Skeletal remains from Harappa*,1965
Brice, William C, -*The Writing System of the Proto-Elamite Account Table of Susa*, 1962.
Burrow, T., *Dravidian and the Decipherment of the Indus Script*, 1969
Burrows, T., *Ur Excavations, Text,* II.,1935
Falkenstein, *Archaische Text aus Uruk*,1936
Goetze, A., *Early King of Kish*,1961
Jacobsen, Th., *The Sumerian King List, 1939*
Jestin, R.R. *Tablettes Sumeriennes de Suruppak Conservees au musee de Stamboul* , 1937
Kramer, S.N., *Enmerker and the Lord of Aratta*,1952
Mackay, E.J.H., *Further Excavations at Mohen-jo-Daro*,1938
Kramer, S.N., *Enmerker and the Lord of Aratta*,1952
Marshall, Sir John., *Mohen-jo-Daro and the Indus Civilization* ,1931.
Ross, Alan.C. *The 'Numeral -Sings' of the Mohen-jo-daro Script*,1938
Vats, M.S., *Excavations at Harppa*,1940
Wilson, J.V.K, *Indo Sumerian*,1973.
Knorozov, Y. V., *Characteristics of the language of the Proto-Indian*, 1956
Lal, B.B., *The Direction of writing in the Harappan script*,1966.

فہرست مندرجات

فہرست مضامین ومقالات

مولانا ابوالجلال ندویؒ

(۱۳۱۱ھ.............۱۴۰۵ء)

(۱۸۹۴ء.............۱۹۸۴ء)

''معارف'' اعظم گڑھ (مقالات)

۱۔عربی زبان کا فلسفۂ لغت	ستمبر ۱۹۲۳ء
۲۔سرا کبریا اپنشد	دسمبر ۱۹۲۴ ؛جنوری ۱۹۲۵ء
۳۔دروزیوں کا مذہب	اپریل ۱۹۲۶ء
۴۔مستدرک حاکم کا مطبوعہ نسخہ	جولائی ،اگست ۱۹۲۶ء
۵۔اسلامی شمسی قمری سال	نومبر ۱۹۲۷ء
۶۔ذوالکفل	جولائی ۱۹۳۸ء
۷۔بکہ مبارکہ	اگست ۱۹۳۸ء
۸۔الروم	جنوری ۱۹۳۹ء
۹۔السامری	جولائی ۱۹۳۹ء
۱۰۔ایوب علیہ السلام	اگست، ستمبر ۱۹۳۹ء
۱۱۔شنک شبام، یہود وحمیر کی تاریخ کا ایک مشترکہ ورق	اکتوبر، نومبر ۱۹۳۹ء
۱۲۔تاریخ یمن کی ایک سطر	دسمبر ۱۹۳۹ء

۱۳۔کتبات حبش غراب	مئی ۱۹۵۰ء
۱۴۔ہاروت و ماروت	اگست ۱۹۵۰ء
۱۵۔تاریخ یمن کا ایک ورق	اکتوبر، نومبر ۱۹۵۰ء
۱۶۔داستانِ خلیل، بائبل سے قدیم ایک صحیفے کی روایت	مارچ ۱۹۵۱ء
۱۷۔اصحاب الاخدود	جولائی ۱۹۵۱ء
۱۸۔اصحاب الفیل کا واقعہ اور اس کی تاریخ	

تقریظ و انتقاد (تبصرۂ کتب) معارف اعظم گڑھ

۱۔سرگزشتِ الفاظ از احمد دین	اپریل ۱۹۲۳ء
۲۔الوراثت فی الاسلام از مولانا حافظ اسلم جیراجپوری	جولائی ۱۹۲۳ء
۳۔ینابیع المسیحیۃ از خواجہ کمال الدین	مئی ۱۹۲۴ء
۴۔جدید دنیا میں اسلام از ڈاکٹر لوتھراپ اسٹارڈ رڈ، ترجمہ محمد جمیل بدایونی	جون ۱۹۲۴ء
۵۔اخبار الاندلس از مسٹر ایس پی اسکاٹ، ترجمہ منشی خلیل الرحمٰن	جولائی/اگست ۱۹۲۴ء
۶۔تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی	جنوری ۱۹۲۶ء
۷۔نظریہ اضافیت از منہاج الدین	جنوری ۱۹۲۶ء
۸۔دین کامل از مفتی سید عبد القیوم وکیل	جولائی ۱۹۲۶ء
۹۔نبراس الساری فی اطراف البخاری از مولانا ابو سعید محمد عبد العزیز خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ	مارچ ۱۹۲۷ء
۱۰۔مراۃ الشعر مولوی عبد الرحمٰن صاحب افسر	مارچ ۱۹۲۶ء
۱۱۔ادب العرب ڈاکٹر زبید احمد	جون ۱۹۲۷ء
۱۲۔مشرقی کتب خانہ پٹنہ کی فارسی کتابوں کی آٹھویں فہرست	نومبر ۱۹۲۷ء
۱۳۔مخمس اللغات از گیا پرشاد	جنوری ۱۹۲۸ء
۱۴۔مشرقی کتب خانہ بانکی پور کی بارہویں جلد	فروری ۱۹۲۸ء
۱۵۔بیداریٔ ہند از مہاتما گاندھی ترجمہ حصدی لال	مارچ ۱۹۲۸ء
۱۶۔ترجمان السنہ مولانا بدر عالم میرٹھی	اکتوبر ۱۹۴۹ء
۱۷۔مشکلات القرآن از مولانا داؤد اکبر اصلاحی	نومبر ۱۹۴۹ء

استفسارات کے جوابات

ا۔شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں	نومبر ۱۹۴۶ء
۲۔احادیث عاشورا	اگست ۱۹۴۸ء

ہڑپا اور موہن جو دڑو کی تحریریں

ا۔موہن جو دڑو کی مہریں	نومبر ۱۹۵۳ء

(یہ مضمون مدیر ماہنامہ ''ماہ نو'' کو بھیجا گیا تھا جو انھوں نے سہ ماہی ''تاریخ و سیاست'' میں شائع کرایا تھا۔ یہ رسالہ انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ہے۔)

ماہنامہ ''ماہ نو'' کراچی

ا۔سندھی مہریں (پانچ اقساط)	اگست تا دسمبر ۱۹۵۶ء
۲۔پیکران بے سخن (سماتِ اہل)	مارچ ۱۹۵۸ء
۳۔نقوش صحرا	اکتوبر ۱۹۵۸ء
۴۔سندھ کی بستیاں	مارچ ۱۹۵۹ء
۵۔بلوچی ظروف پر نقوش	جون ۱۹۶۰ء
۶۔سندھی ظروف پر نقوش	مارچ ۱۹۶۱ء
۷۔نقش سلیمانی (سندھی رسم الخط کی روشنی میں)	دسمبر ۱۹۶۱ء

روزنامہ ''حریت'' کراچی

ا۔ناگا لوگ موہن جو دڑو کی ایک قوم	۲۴/جون ۱۹۶۶ء

ماہنامہ ''سائنس ڈائجسٹ'' کراچی

ا۔انسان نے لکھنا کیسے سیکھا؟

۲۔ہڑپا اسکرپٹ پڑھی جائے تو کیسے؟

مقالات علوم القرآن ولغات القرآن

۱۔نمل ونملة، ماہنامہ ''طلوع اسلام'' لاہور — دسمبر۱۹۵۹ء

۲۔سورۂ نمل تفسیر وتشریح (پانچ اقساط)، ماہنامہ ''فاران'' کراچی — اپریل تا اگست۱۹۶۱ء

۳۔فخر موجودات (مکی زندگی)، ''ماہ نو'' (سیرت رسول ﷺ نمبر) — جولائی/اگست۱۹۶۳ء

(یہ مضمون ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی کے تحت شائع کردہ ''ماہ نو'' کے انتخاب ''سیرت پاک'' میں بھی شامل ہے۔اس کے علاوہ اسے ''نقوش رسول نمبر'' جلد میں بھی شامل کیا گیا ہے۔)

۴۔دلائل نبوت،

ماہنامہ خاتون پاکستان، کراچی (رسول ﷺ نمبر) — جولائی/اگست۱۹۶۳ء

۵۔۲۹سورتوں کا آغاز (حروف مقطعات کی تشریح)، ماہنامہ ''خاتون پاکستان''

۶۔سیدنا خاتم المرسلینؐ اور کتب سابقہ،ماہنامہ ''پیشوا'' دہلی، مدیر عزیز حسن بقائی

(تذکرۂ جمیل سیرت نمبر) — جولائی۱۹۳۴ء

۷۔شہادتِ حسینؓ، ماہنامہ ''خاتون پاکستان''

۸۔تزکیۂ نفس، ماہنامہ ''الوارث'' کراچی مدیر میاں ارشاد وارثی — جون/جولائی۱۹۶۸ء

۹۔قانون وراثت ماہنامہ ''نیا راہی'' مدیر، ع۔س۔مسلم — اگست۱۹۶۱ء

۱۰۔عورت کی قیادت کا مسئلہ، ماہنامہ ''آئین''، لاہور، مدیر مظفر بیگ

۱۱۔قرآن مجید کے سائنسی رموز (تخلیق آدم سورۂ علق کی روشنی میں) ماہنامہ ''سائنس ڈائجسٹ'' کراچی

۱۲۔زکوٰۃ کیا ہے، ٹیکس کیا ہے؟ ماہنامہ ''آئین'' لاہور (انفاق وزکوٰۃ نمبر)

۱۳۔حقیقی جمہوریت،ایک نعمتِ عظمیٰ، ماہ نو — دسمبر۱۹۵۶ء

۱۴۔سورہ مومنون کی تفسیر کے کچھ حصے ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل میں شائع ہوئے ہیں۔

ث

شائع شدہ کتابچے

۱۔عورت کی قیادت کا مسئلہ، ناشر محمد زکریا صدیقی

۲۔انسان نے لکھنا کیسے سیکھا؟ ناشر یحییٰ بن زکریا صدیقی، معتمد ابوالجلال ندوی اکیڈمی، کراچی۔ ۱۹۹۰ء

۳۔سویدا مجلے پر مشتمل مقالات ابوالجلال ندوی، ناشر یحییٰ بن زکریا صدیقی، مدیر اعلیٰ سویدا

۴۔قتل مرتد ۲۴ صفحات، مطبع حکیم برہم گورکھپور ۱۹۲۶ء

اس رسالے پر "سچ" لکھنو میں ماجدؒ نے ۳/اپریل ۱۹۲۶ء کو عمدہ تبصرہ کیا۔

۵۔بشریٰ رسالہ ۴۸ صفحات، مدیر ابوالجلال ندوی، قیمت سالانہ تین روپیہ،

۲۱۔ کتابت خان اسٹریٹ، موئٹ روڈ، مدراس۔ ماجد صاحبؒ نے "سچ" لکھنو اشاعت ۳۱/مارچ ۱۹۳۳ء میں شمارہ اول اور ۱۲/مئی ۱۹۳۳ء میں شمارہ دوم پر عمدہ تبصرہ کیا، "سچ" لکھنو سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۳ء تک اس کے دو شمارے شائع ہو چکے تھے۔

سندھی ظروف پر نقوش

مولانا ابوالجلال ندوی

اس زبان بے زبان کو سمجھنے کی کوشش کر چکے ہیں جو بلوچی ظروف پر نقوش کی شکل میں ثبت ہے۔ ایسے ہی نقوش یا تحریریں ان قدیم سندھی ظروف پر بھی پائی جاتی ہیں جو ہڑپا موئن جو دڑو اور چانھوں جو دڑو میں دستیاب ہوئے ہیں۔ چوں کہ سندھی ظرف اور ظرف پارے ہوں یا سندھی مہریں ان سب پر کچھ نقوش یا تحریریں پائی جاتی ہیں، اس لیے ہم زبان تحریر سے واقف ہوں یا ناواقف بعض الفاظ کے مطالب یا ان مطالب کی نوعیت سے ہم ان ظروف اور مہروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اس طرح زبان تحریر کے تعین میں جو دشواریاں حائل ہیں وہ کچھ کم ہو سکتی ہیں۔

موئن جو دڑو میں کچھ ایسے ظروف اور ظرف پارے بھی ملے ہیں جن پر براہمی (Brahami) رسم الخط کی تحریریں ہیں۔ ان سے فی الحال ہمارا سروکار نہیں۔ میکے نے اپنی تصنیف Further Excavations At Mohenjdaro کی پلیٹ نمبر Lxx11 پر اس عہد کے سات ظروف کی تحریریں نقل کی ہیں جن میں سے چھ کو آنجہانی این جی مجومدار پڑھ چکے ہیں اور انھوں نے ان کی قرائتیں اور ترجمے بھی درج کیے ہیں۔ ظروف کو تختۂ تحریر کے طور پر استعمال کرنے کا رواج عہد قدیم سے بودھی زمانہ تک پایا جاتا ہے۔ ان بودھی ظروف کی قرائتوں پر بھی ایک نظر ڈال لینا مناسب ہے کیوں کہ اس سے ان الفاظ کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے گا جو قدیم سندھی ظروف پر تحریر ہیں۔ مثلاً

۱۔ ایس ڈی (سندھ)	۲۷۴۰	[illegible]
۲۔ ایس ڈی	۲۷۹۱	[illegible]
۳۔ ایس ڈی	۲۸۵۶	[illegible]

پہلے ظرف پر ایک، دوسرے پر دو اور تیسرے پر تین الفاظ تحریر ہیں۔ پہلے نوشتے کو مجومدار نے یوں پڑھا ہے:

Prawjitasa = ... of the Ascetic

پہلے ظرف کا آخری نقش [illegible] تیسری تحریر کے پانچویں نقش کی بدلی ہوئی صورت ہی ہے [illegible] کو رومن S سے مشابہت ہے۔ "پری ہسٹارک انڈیا" (Pre-Historic India) صفحہ ۱۰۳ پر "کلی" کے ایک ظرف کے

نقوش دیکھیے ۔اور پھر بلوچی ظروف کے نقوش ملاحظہ فرمایے۔ s قدیم سندھی رسم الخط کا ایک نقش ہے۔ ہنری فیلڈ کی کتاب An Anthropological Reconnaissance in West اور Pakistan 1955 کے صفحہ ۲۷۵ پر بہاولپور کے سمات اہل یعنی اونٹوں پر داغے ہوئے نقوش میں سے نقش ۳۸ کو دیکھیے، یہ نقش وادیٔ سندھ کی وہ میراث ہے جو آج تک مستعمل ہے، اگر چہ اس کے استعمال کرنے والے نہیں جانتے کہ یہ کس مطلب یا آواز کی علامت ہے۔ چوں کہ [illegible] کو بعض سکوں پر انگریزی لفظ of کا مترادف پایا گیا اور سنسکرت میں sya پالی میں sa حرف اضافت ہے، اس لیے اس کو s کی آواز دی گئی۔ ظروف نمبر ۱، ۲ اور ۳ کے پہلے چار نقوش کو پروجیتا پڑھ کر اس کا ترجمہ The Ascetic یعنی سنیاسی، تیاگی یا جوگی کیا گیا ہے۔ ان ظروف کی بناء پر ہم قیاس کرسکتے ہیں کہ عہد قدیم کے ظروف پر ان کے مالکوں کے القاب، خطابات یا پدویاں (پدھتیاں) مکتوب ہوسکتی ہیں۔

ظرف نمبر ۲ کا آخری لفظ [illegible] ہے جس کا حرف اول (پہلے لفظ کے آخری حرف [illegible] سے ملحق ہوگیا ہے۔ براہمی نقوش کو حل کرنے والوں نے ان کی جو آوازیں تحریر کی ہیں ان کے مطابق [illegible] کا رومن حرف بدل TTP ہے چوں کہ یہ رسم الخط جس زبان کو قلم بند کرتا ہے اس کے مطابق [illegible] ایک بے معنی لفظ ہے، اس لیے فاضل قاری نے اس لفظ کی قرأت چھوڑ دی ہے۔ اس کا تلفظ جو بھی ہو بہر حال ''.....سنیاسی کا [illegible] ایک ظرف پر مکتوب ہے اس لیے صریحاً یہ لفظ اس ظرف کا نام ہے جس پر یہ تحریر منقوش ہے۔ [illegible] کے دونوں نقوش قدیم سندھی کے نقوش ہیں۔ [illegible] کے لیے دیکھیے مادھوسروت وتس کی شائع کردہ ہڑپا کی مہر نمبر ۱۷ اور [illegible] کے لیے مہر نمبر ۶۹ اور مہر نمبر ۶۲۹ کا پہلا نقش۔

تیسرے ظرف کی تحریر کو ''پروجیتا سامکا سا اما'' پڑھ کر یوں ترجمہ کیا گیا ''سنیاسی ملکا کا کے پینے کا برتن'' [illegible] اور [illegible] کی بدلی ہوئی صورت خیال کرکے [illegible] کو IMA پڑھا گیا [illegible] اور [illegible] قدیم سندھی رسم خط کے نقوش ہیں ممکن ہے [illegible] اور [illegible] قدیم سندھی الفاظ ہوں جو کوشانی دور تک کی سندھی تحریروں میں مستعمل رہے ہوں۔

اب ان سات ظروف میں سے تین اور کو لیجیے:

۴۔ ایس ڈی	۲۷۳۷	[illegible]
۵۔ ایس ڈی	۲۹۵۱	[illegible]
۶۔ ایس ڈی	۲۷۳۸	[illegible]

نمبر ۴ اور ۵ کے پہلے تین حرفوں کو بھداتا پڑھ کر ترجمہ Bhadata یعنی تقدس مآب کیا گیا

ہے۔نمبر۴ کے چوتھے اور پانچویں نقوش کوملا کر بدھا پڑھا گیا ہے۔نمبر۵ کے چوتھے، پانچویں اور چھٹے نقوش کے رومن حروف بدل SH.R.K ہیں لیکن انھیں نہ معلوم کیوں (SGHA) RAKSHA پڑھا گیا ہے۔اسی طرح خبر نہیں کس وجہ سے نمبر۴ کے آخری لفظ کو Raakshitasa پڑھا گیا ہے۔ نمبر۵ کے تیسرے چوتھے اور پانچویں نقش کو ''رکشا'' پڑھا گیا ہے غالباً ع (ش) ہی کو (کش) خیال کیا گیا ہے۔بہر حال منقول قرأت اور ترجمہ حسب ذیل ہیں:

نمبر۴۔بھداتا بدھار کشتاسا= تقدس مآب بدھار کشتا کا۔

نمبر۵۔بھداتا (ساگھا) رکشا سا ایا کار (کی)= تقدس مآب سنگھار کشتا کے پینے کا برتن۔

نمبر۔تا سا۲ (ساگھا) رکشتا سا دکا را کی — یہ ہے سنگھار کشتا کے پینے کا پیالہ

ان تحریروں سے معلوم ہوا کہ ظروف پر حسب ذیل نوعیت کے الفاظ ملیں گے:

۱) مالک یا صانع کا نام یا ظرف

۲) ظرف کا نام

۳) ظرف کا مصرف

۴) اس چیز کا نام جس کے لیے ظرف مخصوص تھا۔

قدیم تر عہد کے ظروف پر بھی اسی نوعیت کے الفاظ ہو سکتے ہیں۔اگر قدیم ظروف پر لکھے ہوئے الفاظ ہم کو ان تحریروں میں ملیں جن کے نیچے کسی جانور کو مع ظرف پیش کیا گیا ہے تو ہم وثوق سے یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ وہ تحریریں یقیناً اس ظرف سے تعلق رکھتی ہیں۔

ساتو اں ظرف نمبر ایس ڈی ۳۰۸۸ ہے جس پر تین نقوش ہیں ان میں سے ایک تو براہمی خط میں ملتا ہے اور باقی دو نہیں ملتے۔اس لیے مجو مدار اس کی تحریر کو نہ سمجھ سکے اور کہہ دیا کہ غالباً یہ بے معنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریر کے تینوں نقوش قدیم تر سندھی مہروں کے نقوش ہیں اگر یہ ظرف قدیم نہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سندھ کے کمہار، بودھی زمانے تک قدیم سندھی رسم الخط کے چند نقوش کو استعمال کرتے تھے۔ چناں چہ ان تینوں نقوش کی نظیریں سندھی مہروں پر دیکھیے:

۱)	دیکھیے میکے کی شائع کردہ موئن جو دڑو کی مہر نمبر ۳۵۲ کی دوسری سطر کا تیسرا نقش
۲)	دیکھیے میکے نمبر ۲۴۹
۳)	دیکھیے میکے نمبر ۱۳۸

نقش اول صوتی رمز نہیں بلکہ معنوی رمز یعنی ایڈیوگراف ہے۔ پیالہ یا جام کی شکل ہے، مراد

پیالہ یا پینے کا برتن، اس کے لیے جو سندھی لفظ بودھی زمانہ میں مستعمل تھا وہ نمبر ۲ کے ذریعہ ہم کو معلوم ہو چکا ہے۔ (—=—) یعنی اِد جس دور کی چیزوں کے ساتھ یہ تحریر ملی ہے، اس کے لوگ اس معنوی رمز کو جن الفاظ کی صورت میں پڑھتے ہوں گے ان میں سے ایک اِد ہے۔ اس سے ملتا جلتا ایک عربی لفظ اداوۃ ہے جس کا مطلب بتایا گیا ہے اناء صغیر من جلد یعنی ایک چھوٹا برتن چمڑے کا (منجد) یعنی ننھی چھاگل۔ صاحب صراح نے اس کا مطلب مطہرہ (وضو کا برتن) اور آبدستان (ہاتھ دھونے کا برتن) بتایا ہے۔ کو ہم اِد یا اداوۃ پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ یہ ایک معنوی رمز ہے اسے کسی ایسے لفظ کی شکل میں بھی پڑھا یا جا سکتا ہے جو اداوۃ (ظرف آب) کا مطلب ادا کرے۔

دوسرا نقش بعد میں متغیر ہو کر ہو گیا۔ پہلا اور آخری نقش سندھی مہروں پر بھی پایا جاتا ہے۔ یہ تینوں نقوش مسند کے رسم خط میں ''سعفص'' کا حرف اول ہیں جس کا نام سن یا سین ہے، چوں کہ جو سطا اسنا د کے سند سے مشتق ہے اس لیے بدلیل کے ہم کو س یا سن پڑھ سکتے ہیں۔

تیسرا نقش رومن میں ابجد کا چوتھا حرف اور براہمی رسم الخط کا دھ ہے۔ اس لیے ہم کو سد، سدھ یا سندھ پڑھ سکتے ہیں۔ عربی کا نون ساکن جب د سے پہلے ہو تو عبرانی اور سماتی عربی میں نون ساقط ہو کر دال کو مشدد کر دیتا ہے۔ ہند کا ذکر سفر استر (انجیل) میں ھدو کے نام سے آیا ہے اسی سندھ کا نام عبرانی اور سماتی میں سدو ہونا چاہیے۔ ہیراس نے کو سد پڑھ کر سندھ کا مترادف قرار دیا ہے۔ اس کی اس قرأت کی صحت مشکوک ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ سندھ کا دراوڑی تلفظ سد ہے اس لیے ہم ایس ڈی ۳۰۸۸ کو یوں پڑھ سکتے ہیں۔

اگر یہ قرأت صحیح ہے (اور مجھے اس کی صحت میں شبہ نہیں) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قدمائے سندھ اپنی مصنوعات پر مقام صنعت کے نام بھی لکھا کرتے تھے۔ ان نقوش کو بے معنی قرار دینے سے کوئی نہ کوئی توجیہ بہر حال بہتر ہے۔ اور پھر نقوش اور سندھی مہروں کے مقابلے سے تو قطعاً ثابت ہو گیا ہے کہ ایس ڈی ۳۰۸۸ اگر چہ بعد کے دور کا ظرف ہے لیکن اس کا نوشتہ زمانہ ماقبل تاریخ کے سندھی رسم الخط کا نوشتہ ہے۔ سندھ کا کمہار سمجھ بوجھ کر یا نقوش کے معنی کو سمجھے بغیر اپنی مصنوعات پر قدیم موروثی تحریریں اسی طرح لکھا کرتے تھے جس طرح عرب اور بہاولپور کے شتربان نقوش کے رموز کو جانے بغیر اپنے اونٹوں پر قدیم سمات

وغیرہ داشتے رہتے ہیں۔

عربی اونٹوں کے سمات ہو بہو یا معمولی فرق کے ساتھ سندھی مہروں پر بکھرے ہوئے ملیں گے۔ یہ نقوش مختلف ابجدوں کے حروف بھی ہیں لیکن ان کا انٹوں پر مکتوب ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہ کبھی معانی و مطالب کے رموز بھی تھے۔ ان نقوش کا سندھی مہروں اور بہاولپور کے اونٹوں پر پایا جانا ظاہر کرتا ہے کہ قدیم رسم الخط اس دیار میں مدتوں رائج رہا۔ ان نقوش کے معانی اور تلفظ تو دماغوں سے محو ہو گئے لیکن ان کی ظاہری صورتیں لوگوں نے قدیم تبرک کے طور پر محفوظ رکھی ہیں۔ لہٰذا کو جو بودھی عہد کے ظروف پر مکتوب ہیں، عہد ماقبل تاریخ کے خط کی تحریر باور کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بہر حال ایسا خیال کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں۔

بعض سندھی ظروف پر بظاہر تحریریں نہیں بلکہ اشیاء کی شکلیں ہیں جو ممکن ہے آرائشی بھی ہوں۔ ایسے ظروف کو ہم مصور ظروف کہیں گے۔ بعض ظروف کی تصویروں سے ہمیں سندھی مہروں کے الفاظ کے معانی سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

ظرف پارہ نمبر ۱ اور ہم پر پتے کی صورت ہے۔ اس کو محض آرائشی خیال کرنا درست نہ ہوگا۔ کیوں کہ مہروں کے نوشتوں میں بھی اسی شکل سے کام لیا گیا ہے۔ ایسے نوشتوں کے نیچے چوپایہ کی صورت بھی ہے۔ لہٰذا ہم ان نوشتوں کو جانور کی خورش سے متعلق تحریریں خیال کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ ممکن ہے ظرف پارہ ۱، ۴ ایسے ظرف کا ٹکڑا ہو جو ساگ پات کے استعمال کے لیے مخصوص ہو ہیراس، جس کا گمان یہ ہے کہ مہروں پر ڈراوڑی الفاظ مکتوب ہیں، نے اسے پیپل کا پتا خیال کیا ہے اور اس کو آرامرم پڑھا ہے۔ اس نقش کو پان بھی خیال کیا جا سکتا ہے ممکن ہے اس سے کسی خاص درخت کا پتا نہیں بلکہ پتا اور ساگ مراد ہو۔ پیپل کا پتا انسانی

خورش میں داخل نہیں چوں کہ یہ نقش انسانی خورش کے لیے مخصوص برتن کے ٹکڑے پر ملا ہے اس لیے اسے آرام پڑھنا غلط ہے۔ جس ظرف پر یہ مکتوب تھا اغلباً ساگ پات اور ترکاری کا برتن ہوگا۔

ظرف ۲ کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیالی ہے۔ نمبر ۳ بھی پیالی ہے۔ ان دونوں میں کوئی چیز پی جاتی تھی پہلے پر مکتوب ہے۔ مصری ہیروغلافی میں یہ پانی کی صورت ہے اور مصری پڑھنے والوں نے اسے کبھی نونو پڑھا ہے اور کبھی مو۔ اس رمز کو جنوبی عرب کی سبائی زبان میں مو اور رشتہ اول عربی میں ماء پڑھا جا سکتا ہے یہ پانی پینے کا برتن ہے۔ اس نقش کو سندھ کے قدیم باشندے جس لفظ کی صورت میں بھی پڑھتے ہوں اس کا ایک تلفظ خود اس ظرف کا نام بھی ہوگا۔ بودھی یا کوشانی عہد کی تحریر نمبر ۳ سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس زمانے کے سندھی پانی پینے کے اس برتن کو جسے ہم آبخورہ کہتے ہیں اِما کہتے تھے۔ یہ نام عربی ماء سے ملتا جلتا ہے۔ سے ملتے جلتے نقش سے سندھی مہروں میں بھی کام لیا گیا ہے۔ ظرف ۲ اگر واقعی اِما کہلاتا تھا تو اور جیسے نقوش کو ہم کلمن کے حرف سوم کی صورت میں پڑھ سکتے ہیں بشرطیہ کہ یہ قرأت نوشتوں کو بامعنی قرار دے سکے۔

ظرف نمبر ۳ کے اوپری دوہرے خط پر چوپایوں کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ اس کے نیچے اس شکل کی تکرار ہے۔ میکے نے چانھوں جودڑو کی مہروں کے نقوش کو اپنی چانھوں جودوڑ سے متعلق کتاب کی پلیٹ اے نمبر ۲۱ پر مکتوب دکھایا ہے۔ اس تحریر کے نیچے یک سنگھے بیل کی تصویر ہے جس کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ ان میں سے اوپر کا نقش آپ کو مارشل VIII X)۱۴ اور نیچے کا ہنٹر M۲۰ میں جانور کے سامنے ملے گا۔ یہ نقش درحقیقت دو نقشوں کا مجموعہ ہے: (۱) یعنی چارہ کی ٹوکری اور (۲) یعنی پانی کی ناند۔ چن (چانھو جودڑو) نمبر ۲۱۲۱ میں کی حقیقت بتائی گئی ہے کہ یہ چارہ کی ٹوکری ہے جس کا مفہوم ادا کرنے والا نقش اور بنا۔ ظرف ۳ چوپایہ کا پینے کا برتن ہے۔ یہ نقش (ما) کا عکس اور سبائی رسم خط میں شرب (پیا) شُربہ (پینے کی) چیز کا حرف اول ہے۔ ظرف ۲ محض پینے اور ظرف ۳ دودھ پینے کا برتن ہے۔

ظرف ۵ پر چوپایہ کی تصویر ہے اور ظرف کی صورت اسے تہری (دودھ دوہنے کا برتن) ظاہر کرتی ہے۔ ممکن ہے یہ حیوانات سے حاصل کی جانے والی دوسری خورش یعنی گوشت پکانے کا برتن بھی ہو۔

ظرف ۶ کا نقش دراصل کی بدلی ہوئی صورت ہے ہمارا تختۂ نقوش اس حقیقت کو ظاہر کردے گا۔ یہ ایک شخص کی تصویر ہے جو اپنے کندھے پر ایک لٹھ رکھے ہوئے ہے جس کے دونوں سروں پر رسیاں بندھی ہوئی ہیں اور ان رسیوں سے دو گھڑے بندھے ہیں ان گھڑوں میں کیا ہے دانہ یا پانی؟ اس کا

جواب میکے ۳۷۵ کا مہر نویس یوں دیتا ہے: اس کی تشریح کے لیے میکے II) ۱۲X دیکھیے جس کے بائیں جانب لکھا ہے۔ والی چیز ہے۔ جب لاحقہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے: ''والی چیز''۔ چناں چہ کے معنی ہیں ''مچھلی والی چیز'' اس طرح کے معنی ہیں پانی لانے والا۔ یہ بیل کی تصویر پر مکتوب ہے، بیل پر پانی مشکیں لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جاتا تھا۔ الفاظ و اصوات کا رمز نہیں بلکہ مطلب و مراد رمز ہے۔ پانی اور پانی والے کا رمز ہے۔ ظرف ۲ پانی رکھنے کا ظرف ہوگا۔

ظرف ۲ پر مکتوب ہے: مارشل ۹۳ پر چوپایہ کے سامنے کے بجائے اس نقش کو اور اس کے نیچے ایک اور رمز مراد رکھا گیا ہے۔ سندھی مہروں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اسم ظرف ہے۔ غالباً یہ نقش W اور کا مجموعہ ہے۔ مچھلی کی شکل سے مہروں میں اس کثرت سے اور اس طرح کام لیا گیا ہے کہ اس کو رمز معنی ہی نہیں بلکہ رمز صوت بھی خیال کرنا ضروری ہے۔ W سبائی مسند کی ش ہے اور عربی نام ن کا کا نصف ہونے کی وجہ بنون (مچھلی) ہے۔ کو ہم شن پڑھ سکتے ہیں۔ عرب پانی کی چھاگل کو جو پرانی ہوگئی ہو، شن کہتے تھے۔ سندھی ہر ظرف کو کہتے تھے۔ میکے LVII ۳۵ پر مکتوب ہے یہ نقش دو مہروں پر بھی ہے مگر میں اس نقش کی حقیقت ابھی تک متعین نہیں کر سکا ہوں۔

وتس II) ۱۶: یہ نقش اس ظرف پارہ کے علاوہ کسی اور جگہ نظر سے نہیں گزرا لیکن اور جدا جدا ملتے ہیں۔ اگر یہ نقش ان دونوں کا مرکب ہے تو ان نقوش کی حقیقتیں معلوم کرنے کے بعد اس کا مطلب سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر یہ ایک شخص ہے جو کا پھل لیے ہوئے ہے تو یہ ظرف پھل پھلاری اور میوہ کے استعمال کے لیے تھا۔

۸۔ وتس II) نمبر ۳۹
۹۔ میکے LXIII نمبر ۸۳ دیکھیے
۱۰۔ میکے LVII نمبر ۲۴ دوسرے لفظ کے لیے دیکھیے میکے ۱۵۲ نقوش

ظرف ۸ کی تحریر ۱۰ کے نقش ۱۰ کے نقش اول اور U کا مجموعہ ہے جو نقش کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اور کے معنی ہیں والی چیز کا مطلب سمجھنے کے لیے مہریں دیکھیے۔

میکے ۱)
میکے ۱۰۸
میکے ۳۴۲

ان تینوں مہروں کا نقش مشترک دراصل ایک میوہ دار درخت ہے۔ میکے ۱۰۸، ۳۴۲ پر درخت باردار کے پاس ہاتھ میں عصا لیے ہوئے جو آدمی کھڑا ہے اس سے پوچھیے "اے موسیٰ! یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔

جواب ملے گا یہ ہے میرا عصا اس پر میں ٹیک لیتا ہوں، اپنی بکری کے لیے پتیاں توڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور بھی فائدے ہیں۔" میکے کا آدمی ہاتھوں سے چارہ توڑ کر اپنے چوپایہ کے سامنے کی ٹوکری میں ڈال رہا ہے۔ میکے ۱۰۸، ۳۴۲ کا صاحب عصا پتے یا پھل توڑے گا۔

کا مطلب چرواہا ہے، چارہ توڑنے والا، پھل توڑنے وہ چیز ہے جسے درختوں سے توڑا گیا ہے۔ ظرف پارہ ۹ کے کاتب نے ۸ کو بتایا ہے۔ جب ہم اپنا تختۂ نقوش پیش کریں گے تو ۸ کے معنی معلوم ہو جائیں گے۔

چوں کہ کی صورت بدلتے بدلتے نا قابل فہم ہو گئی تھی اس لیے ۸ کے رمز کے بول کی توضیح ظرف نویس نے رمز مراد کے ذریعہ کی ہے۔ اس ظرف کا مصرف تھا وہی جو نمبر ایک کا تھا۔

ظرف ۱۰ کا تیسرا نقش سبائی سند کے حرف دال سے ملتا ہے اس لیے یہ تحریر رمز معنی اور رمز لفظ دونوں کا مجموعہ ہے کا مطلب ابھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ مالک یا صانع کا نام اور لقب ہو۔

کئی ظروف بے تصویر ہیں۔ میرے خیال میں سندھی مہروں پر تین طرح کی تحریریں اور نقوش ہیں:

۱۔ وہ تحریریں جن کے مطالب مختلف طریقوں سے خود مہر نویسوں نے سمجھا دیے ہیں۔

۲۔ وہ جن کے مطالب صرف نقوش کی صورتوں پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

۳۔ وہ تحریریں جن کو تمام نقوش کی تقویم کے بغیر اور زبان تحریر معلوم کرنے سے پہلے قطعاً نہ پڑھا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔

ظروف کی تحریریں بھی ان ہی تین اقسام کی ہیں۔ سب سے پہلے آخری قسم کے نقوش کو لیجیے جن میں سے بعض مہروں میں بھی تکرار آتے ہیں۔

۱۔ میکے LXII ۱		یہ نقش صرف اسی ظرف پر ہے اور غالباً کی بدلی ہوئی صورت ہے۔
۲۔ ووتس II) ۱۴		دیکھیے مارشل، جانور کی تصویر جانور کے منہ کے نیچے
۳۔ جن XXVIII		دیکھیے میکے ۲۶۸ جانور مع ظرف۔
۴۔ ووتس III ۸		میکے ۱۴ ایک سنگھے بیل مع کی تصویر کے اوپر

۲۵۔ چن XXXVIII		
۲۶۔ چن LXIX ۵		
۲۷۔ وتس III)		
۲۸۔ میکے XIII)۵		
۲۹۔ چن XXXIX, XXXIV ۲۴	بکثرت	عام مہروں پر
۳۰۔ میکے LVII ۴۳		
۳۱۔ میکے LII۴۸		

پہلی قسم کے نوشتوں کے لیے زبان تحریر کا جاننا ضروری نہیں ۔ خود نقوش کی صورتوں اور مہروں کے مقابلہ سے ان کا مطلب ظاہر ہو جاتا ہے ۔ مثلاً

۳۲۔ وتس II		مہروں پر دیگر نقوش کے ساتھ
۳۳۔ چن XXXIII		
۳۴۔ مارشل II)۵۸ ۵		کئی مہروں پر اور بھی
۳۵۔ وتس II) ۴		صرف اسی ظرف پر
۳۶۔ مارشل X		مارشل نے یوں فرض کیا ہے

یہاں نقطے دراصل چارہ کے ریزوں، غلہ کے دانوں یا پانی کے قطروں کے رموز ہیں وتس II) غلہ رکھنے کا ظرف ہیں ۔

دراصل صورت کے ظرف ہے ۔ وتس کی ایک بے منظر مہر ہے اس پر مکتوب ہے اس کے مہر نویس نے کو آبخورے کی شکل پر لکھ کر اس کے مطلب کی طرف اشارہ کر دیا ہے بھرے ظرف کی صورت ہے اور یہی مطلب دیتا ہے ۔

کے معنی ہیں چارہ، غلہ یا پانی جو ظرف کے اندر ہو جب سابقہ ہوتا ہے تو لفظ کو اسم ظرف بنا دیتا ہے لاحقہ ہونے کی صورت میں لفظ کو کبھی اسم مظروف بنا دیتا ہے اور کبھی "ذوالی شے" کا مطلب دیتا ہے ۔ بھی بھرا ہوا ظرف ہے ۔

پہلے نقش کو ہم جان چکے ہیں ۔ دوسرا نقش جام کی بدلی ہوئی صورت بھی ہو سکتا ہے اور یعنی پودے کی بدلی ہوئی صورت بھی ٹھیک مطلب سمجھنے کے لیے ذیل کے منظر کر دیکھیے :

۱۔ میکے (III) نمبر۱ — ۲۔ مارشل (XVIII) نمبر۱۳ — ۳۔ مارشل (XVIII) نمبر۱

۴۔ مارشل (XVII) نمبر۱ — ۵۔ مارشل (XVII) نمبر۱۳ — ۶۔ مارشل (XVII) نمبر۱۲

۷۔ مارشل (XVII) نمبر — ۸۔ مارشل (XVII) نمبر۲

ان مہروں کی دوسری جانب جو تحریریں ہیں ان کو یہاں نقل نہیں کیا گیا۔ [illegible] گھڑے کے ٹکڑے پر مکتوب ہے اور جانور کے پیٹ پر بھی۔ اس لیے یہ اس چیز کا نام ہے جو کہ جانور کے پیٹ میں بھی ہو سکتی ہے اور گھڑے کے اندر بھی [illegible] کی بدلی ہوئی صورت ہے اس لیے اس سے اناج مراد ہے۔ یہ رمز معنی ہے۔ اس کو یہ مطلب دینے والے کسی لفظ کی صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ اس رمز معنی کے ساتھ ان تصویروں پر حسب ذیل الفاظ بھی ملے ہیں:

(ا) ۲پر	[illegible]
(ب) پر	[illegible]
(ج) پر	[illegible]
(د) پر	[illegible]

ان الفاظ کے تمام نقوش مغربی ایشیا کے ابجدی حروف میں ملتے ہیں، ۱۱مصری ہیروغلافی میں کسرہ معروف طویلہ کے بجائے ملے گا۔ [illegible] بکثرت ایک ہی نقش کے سے پہلے ملیں گے۔ [illegible] کا لفظ آٹھ لفظوں سے شروع ہوا اور بتدریج ایک ایک نقطہ گھٹتا گیا اور آخر میں [illegible] ہو کے رہ گیا۔ چوں کہ مصری میں ۱۱ براہمی میں [illegible] اور۔ = رومن حرف نے کے ہم صوت ہیں اس لیے [illegible] کے پہلے نقش کو ہم پڑھ سکتے ہیں ان چار لفظوں کو مغربی ایشیا کے حروف کی مدد سے "یم" "زر" "خصن" اور "طو" پڑھا جا سکتا ہے۔ ان لفظوں کو عربی زبان ہی با معنی بتا سکتی ہے۔ [illegible] اس نے قصد کیا [illegible] خورش کا خواہشمند زر عربی بذر (دانہ پاشی کی) عربی

"رکھون" کے بجائے عبرانی میں یکوعو ملے گا۔ خود عربی میں بھی اس قسم کے قلب وعکس کی نظیریں ملتی ہیں مثلاً جذب اورجبذ (زیر ۲۱۱۱) کے معنی ہیں دانہ پاشی ۔ دوسری طرف کی تحریر کو اس موقع پر سمجھنا مشکل ہے لیکن اس کا مطلب ہے "بیل کھیت کو سینچنے والا"۔

فصن کا لفظ عربی میں موجود نہیں لیکن عربی میں عموماً لفظ آخر میں آن پڑھلیا جاتا ہے جیسے عمراں، عثماں، قحطاں، کیساں وغیرہ، جنوبی عربی کی سبائی تحریروں میں عمران ،ثوبان اور رحمان جیسے لفظ عمرن، ثوبن رحمن کی طرح لکھے ہوئے ملتے ہیں ۔اس کو ہم فاصان پڑھ سکتے ہیں ۔ (ص) اور (س) متبادل حروف ہیں ۔اس لیے فاصان کو ہم فاسان بھی پڑھ سکتے ہیں ۔حرف زائد کو حذف کر کے پڑھیئے فاس ۔عربی میں گردن کی اٹھی ہوئی ہڈی کو جذی کہتے ہیں ۔صاحب صراح نے فاس کا ایک مطلب تندی فقا لکھا ہے ۔ کو دیکھیے جانور کی گردن پر مکتوب ہے اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ سندھی مہریں زیادہ تر تعلیمی تختیوں کی نوعیت رکھتی ہیں ۔

طوکو عربی طاو سے مماثلت ہے، طوی کے معنی ہیں بھوک ۔طوی وہ بھوکا ہے ۔ کے معنی ہیں خورش کا بھوکا ۔اب تک جن لوگوں نے سندھی مہروں کو پڑھا ہے ان میں سے ڈولی نے جانور اور سامنے والی طرف کو اور اور کی آوازیں دے کر الفاظ تعبیر کیے ہیں ۔بعض نے جانور کو دیوتا قرار دے کر قرائتیں تصنیف کی ہیں ۔بعض کے نزدیک تحریر کو اپنے ساتھ کی تصویر سے کوئی علاقہ نہیں ۔اس طرح انھوں نے اپنی مرضی اور پسند کے مطابق تحریروں کی قرائتیں تصنیف کی ہیں لیکن سندھی مہروں کو غور سے دیکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ ۔

تفہمید ند حرفے را کہ گفتی ولے تفسیر ھائے آفریدند

اور جیسے الفاظ کبھی تنہا اور کبھی دوسرے الفاظ کے ساتھ ایسی متعدد مہروں پر مکتوب ہیں جن پر تحریر کے نیچے اک سنگھے بیل کی تصویر ہے اور اس کے سامنے کا نقش ہے جو کہ نا ند پر دھری ہوئی ٹوکری کی صورت ہے یہ تمام نوشتے جانور کی خورش سے تعلق رکھتے ہیں ۔

۳۷۔ وتس III) نمبر ۴ وتس ۳۲ دیکھیے ،اک سنگھے بیل کا سر اور ظرف باقی رہ گئی ہے، باقی دھڑ غائب ہے اس لیے تحریر بھی ناقص ہے ۔اس پر مکتوب ہے ۔ ریورنڈ ہیراس نے اس کو چینی لفظ کا ہم صورت خیال کیا ہے اور اس کا تلفظ یا بتلیا ہے ۔اس کا فارسی ترجمہ ہے بارش، عربی ترجمہ مطر، ہندی، اردو، برشا اور دراوڑی مال، موصوف نے زبردستی چینی یا کے دراوڑی ترجمہ کو سندھی لفظ فرض کر لیا ہے حالانکہ یہ رمز صوت نہیں بلکہ رمز معنی ہے ایسے نقوش کا دراوڑی میں ترجمہ کر کے زبان تحریر کو چین ٹمو بتانا زبردستی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اور آسمان سے برستے پانی کا نقشہ پیش کرتے ہیں ۔ کی بالائی قوس آسمان، زیریں قوس بادل اور نقطے پانی کے قطروں کا رمز ہیں ۔بارش کے مفہوم کو ادا کرنے والے کسی لفظ کی صورت میں اس کو پڑھا جاسکتا ہے نمبر ۳۷

پر اس نقش کا ہونا ظاہر ہے کہ سندھی کمہار اس نقش کو بارش کے بجائے پانی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ابجدی نوشتوں کے ذریعے جب مہروں پر پانی کے لیے کوئی لفظ مل جائے تو ہم اس کو اسی لفظ کی صورت میں پڑھیں گے۔

وتس ۳۲ کے نقش دوم کی حقیقت سمجھنے کے لیے میکے XL) ۵۹ دیکھیے یہ صریحاً ایک تعلیمی مہر ہے۔ مہر نویس نے جانور کے پیٹ پر تین نقوش دکھائے ہیں۔ دو تو صریحاً پتے ہیں جن کو جانور کے پیٹ میں ہونا چاہیے۔ نقش سوم کے لیے میکے ۵ دیکھیے اس کے درخت کے پتے نقش سوم جیسے ہیں۔ جانور کے سامنے جو چیز ہے اسے مہر نویس نے [symbol] بتایا ہے۔ [symbol] جو ہماری ی کی اصل ہے ایک ہانڈی کی شکل ہے۔ اس کے اندر دو چیزیں ہیں۔ ایک جس کی صورت ہی سے ظاہر ہے کہ یہ نقش بہتے پانی کا رمز ہے دوسری چیز [symbol] ہے میرگی نے اسے [symbol] اور چکی کا رمز معنی قرار دیا ہے۔ ہانڈی کے اندر چکی یا موسل نہیں ہو سکتا [symbol] سے مراد خورش ہے۔ مہر نویس نے اس مہر کے ذریعے یہی بتایا ہے۔

(= سے مراد ہے پانی
[symbol] = سے مراد ہے خورش

(اور [symbol] سبائی مسند میں قرشت کے حرف دوم کی صورت ہے جسے ہم عربی لفظ رواء (آب شیریں) کا حرف اول بھی کہہ سکتے ہیں جس سے راوی (سیراب کرنے والا) مشتق ہوا۔ پنجاب کا ایک دریا جو پہلے سندرود کہلاتا تھا بعد میں راوی پھر راوی رہ گیا۔ اس کا نام اس لحاظ سے قابل غور ہے۔ [symbol] عربی ابجد کے حرف [symbol] سے مشابہت ہے جو کہ طعام (خورش) کا حرف اول ہے۔ آئندہ چل کر یہ رموز معانی رموز اصوات بن گئے چونکہ ایسے شخص کے لیے جس کے سامنے میکے XL) ۵۹ نہ ہو، (کا مطلب اس کی صورت سے ظاہر نہ تھا، اس لیے وتس نمبر ۳۲ کے مہر نویس نے اس سے پہلے قابل فہم رمز معنی رکھ کر اس نقش کا مطلب سمجھایا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مہر نویس کا مقصد [symbol] مطلب سمجھانے کے بجائے [symbol] کا تلفظ بتانا ہو۔ بہر حال [symbol]، [symbol] (تینوں کے معنی ایک ہیں یعنی پانی) ممکن ہے تینوں کے تلفظ مختلف ہوں۔ مگر مطلب میں کوئی فرق نہ تھا سوائے اس کے کہ آئندہ چل کر حرف ہجا R بن گیا۔ اب چند اور نقوش لیجیے۔

سابقہ ہونے کی صورت میں لفظ کو اسم ظرف بنا دیتا ہے اور لاحقہ ہونے کی صورت میں مظروف۔ اس نقش کی بدلی ہوئی صورت ہے ظرف کے اندر چار رہ دکھایا گیا ہے۔ کے معنی ہیں کے اندر والی چیز یعنی جو کہ پودہ کی شکل ہے اس کے معنی ہیں۔ خورش نمبر ۳ کا دوسرا اور تیسرا نقش سورج کی شکل ہے لیکن اس سے مراد سورج نہیں اس کی دو دلیلیں ہیں سورج برتن میں نہیں رکھا جا سکتا۔ سورج ایک ہی ہے دو سورجوں کا کچھ اور مطلب ہو سکتا ہے۔ زبان تحریر میں سورج کے لیے جو لفظ تھا وہ کسی خورش کا بھی نام تھا۔ اگر زبان تحریر جیسا کہ لفظ کی تشریح میں پیش کی ہوئی مہروں کے چار الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے، عربی کی ہم نسل تھیں تو کا ایک نام شارق ہے۔ مشرق کے معنی ہیں گوشت بغیر چربی کا۔ ظرف نمبر ۴۰ گوشت پکانے کا برتن ہوگا۔

نمبر ۲ کے نقش دوم کے لیے دیکھیے میکے III) نمبر ۷ ایک طرف دوسری طرف مہر نویس نے کھڑی لکیروں کا مطلب بتایا ہے والی چیز یعنی درخت سے حاصل کی جانے والی، خورش نمبر ۳۹ خورش کا ظرف ہے۔ نمبر ۳۸ کا مطلب بھی ایسا ہی ہے۔ یعنی والی چیز لیکن ہر جانور کی خورش کا نام ہے ثبوت کے لیے دیکھیے:

<table><tr><td>
(الف) میکے ۱۷۲ کی تصویر
(ب) مارشل ۲۲۸، ۳۸۹، میکے ۴۵۹ ایک سنگھے کی تصویر پر
(ج) میکے ۵۷۳ ہاتھی کی تصویر پر
(د) میکے ۶۴۰ باگھ کی تصویر پر
(ہ) مارشل ۳۸۵ کتے کی تصویر جس کے منہ میں ہڈی ہے اور سامنے بھی
</td></tr></table>

اس سے معلوم ہوا کہ بیل، ہاتھی، باگھ، کتا ہر جاندار کی خورش کو کہتے تھے۔ یہاں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ مہروں کے کسی لفظ کا مطلب متعین کرنے اور اس کو کسی زبان میں پڑھنے سے پہلے مکتوب لفظ کو ہر مہر پر دیکھ لینا چاہیے کیوں کہ مہر نویسوں کا طرز تفہیم حسب ذیل تھا:

<table><tr><td>
(و) میکے نمبر ۴۰
(ز) میکے ۳۳۱
(ح) میکے ۵۱
</td></tr></table>

دیکھیے ایک مہر پر ایک دوسری پر دو تیسری پر تین لفظ ملتے ہیں مطلب تیسری سے جا کر پورا ہوا۔ لفظ کا مطلب معلوم ہونے پر کا مطلب بھی معلوم ہو جائیگا۔ بہر حال ظرف کا مطلب ہے خورش کا ظرف۔

ایک اور مہر وتس نمبر ۳۹ ناقص ہے لیکن وتس کی مہر نمبر ۴۰ کی مدد سے ہم اس کو پڑھ سکتے

ہیں یہ ایک گھڑی کی شکل ہے جس میں غلہ بھرا ہے چونکہ یہ ایک ظرف کے ٹکڑے پر مکتوب ہے اس لیے اس کو بہ صرف

خانہ کا مترادف خیال کرنا چاہیے بلکہ ظرف کا نام بھی سمجھنا چاہیے۔ III کا مطلب ہے بھرا ہوا اس وقت تک یہ ایک قرین قیاس مفروضہ ہے لیکن اس لفظ کی مہروں پر غور کیا جائے تو یہ امر واقعہ ثابت ہوگا۔ ان کے بعد میکے کی دو مہریں دیکھیے:

۴۳۔ میکے LXIII ایک طرف ظرف پر دوسری

۴۴۔ میکے LVII ظرف پر خط پر

ان ظروف کی تحریروں میں سر دست صرف اور کو دیکھیے۔ دراصل کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اور یہ نام ہے اس چیز کا (دیکھو وتس ۲۵۰) بعد میں بدل کر VIII اور VII ہوئے۔ ذیل کی مہروں کو دیکھیے اور مطلب ذہن نشین کیجیے۔ VIII اور VIIII وغیرہ جانور کی ایک خورش کے نام ہیں۔
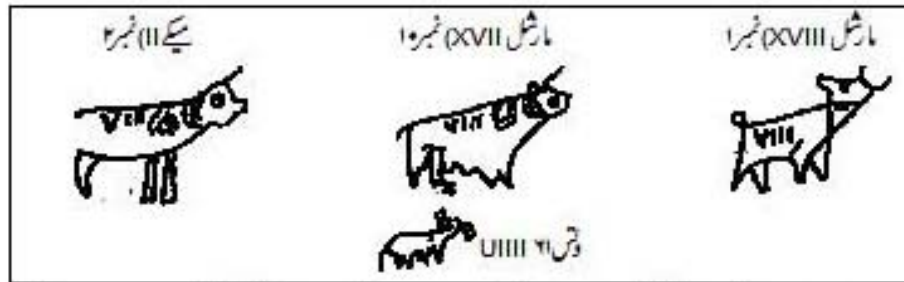
سندھی رسم الخط پہلے تشکیلی تھا اور الفاظ کے بجائے معانی و مطالب کی تشکیل کرتا تھا۔ پھر بتدریج رسمی آوازوں کو قلمبند کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ابجدی نوشتوں کی نوبت آئی۔ چنانچہ ظروف کے اوپر بھی ابجدی تحریریں ہیں۔ ذیل میں چند نوشتے پیش کیے جاتے ہیں جن کو پڑھ لینا بہت آسان ہے۔

۱۔ وتس	II ۲۵	ظرف شکستہ، بعد کے حروف غائب
۲۔ وتس	II ۵۳،۴۱	
۳۔ وتس	II	
۴۔ وتس	II نمبر ۱۰	
۵۔ وتس	II نمبر ۴۲	
۶۔ وتس	II نمبر ۴۵	

کے علاوہ ان تحریروں کے تمام نقوش مغربی ایشیا کے ابجدی نقوش میں ملیں گے ۔ ان کی مدد سے ان تحریروں کو حسب ذیل لفظوں کی صورت میں پڑھ سکتے ہیں:

ا۔ فی ۔ اندر (فی کے اور معانی پر بھی دلالت کر سکتا ہے ۔ یہ کسی لفظ کا شطر ہجا بھی ہو سکتا ہے)۔

۲۔ آن ۔ عربی آنیہ (برتن)

۳۔ آن ساو ۔ لفظ دوم سار صرف اسی ظرف پر ملا ہے، عربی سؤر (پس خوردہ ۔ جھوٹا کھانا) سے ملتا ہے یہ ظرف ہے جھوٹی چیز رکھنے کے لیے۔

۴۔ تل ۔ ممکن ہے کسی چیز یا مقام صنعت کا نام ہو۔

۵۔ اذ ۔ عربی مذیر بمعنی پیشاب، بیکٹ، بھوک ۔ یہ ظرف آلائشوں کے رکھنے کے لیے مخصوص ہوگا ۔ مثلاً طشت یا اگالدان کا کام دیتا ہوگا۔

۶۔ طلو ۔ عربی طل ۔ دودھ ۔ یہ برتن شیردان تھا۔

۷۔ جیتو ۔ اسی چیز کا برتن خبز بابت ۔ اسی روٹی۔

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج سے پانچ ہزار برس پہلے وادیٔ سندھ میں کیسی زبان بولی جاتی ہوگی۔ ممکن ہے میری اس رائے کو کہ سندھی ظروف اور مہروں کی تحریر عربی ہے ۔ یا اس سے ملتی جلتی ہے صحیح نہ سمجھا جائے تحقیق کا میدان ہر وقت کھلا ہے ۔ اگر قرائن و شواہد میری رائے کی تردید کرتے ہیں تو لامحالہ وہی صحیح ہیں ۔ مگر اس سلسلہ میں طرز استخراج شاید محل نظر نہ ہو ۔ فرض کیجیے ایک تحریر ملتی ہے ۔ Bird کیا اس کو کوئی شخص اردو، عربی، فارسی یا سنسکرت باور کر سکتا ہے؟ ایک حرف انگریزی کے ہیں اور اسی چیز کا نام ہے جس کی تصویر اس کے ساتھ ہے، کیا آپ اسے کسی بھی دلیل سے اس تحریر کے جاپانی ہونے کا قائل کر سکتے ہیں؟ اگر یہ دلیل ذرا بھی وزن رکھتی ہے تو میکے ۵۹۳ کو ہم نہایت آسانی سے ط ار (طر ۔ طیر) پڑھ سکتے ہیں ۔ چڑیا کی شکل ابجدی لفظ طر کا تلفظ بتاتی ہے ۔ اس مہر اور دوسری مہروں پر چڑیا کی شکل کا کیا مطلب ہے اس کا جواب دینے کے لیے وہ تمام مہریں سامنے رکھی ہوں گی جن پر چڑیا کی شکل یا مکتوب ہے ۔ اس لیے اگر منقش اور پیش کی ہوئی تصویر و تحریر کو انگریزی باور کرنا ضروری ہے تو لکھنے والے کی زبان کو دراوڑی یا آریائی فرض کرنا کیوں اس قدر ضروری ہے اور عربی یا اس کی مثیل زبان قرار دینا کیوں ضروری نہیں؟

تا یکے بر قول این و آں یقیں
چشم بینا در سرت واری ہبیں

بلوچی ظروف پر نقوش

مولانا ابو الجلال ندوی

بلوچستان میں کچھ قدیم آثار ملے ہیں جن میں ہمارے موضوع بحث کے لحاظ سے بلوچستانی ظروف اہم ہیں، کیوں کہ ان پر سندھی مہروں سے ملتے جلتے نقوش ہیں۔ ان پر بحث کرنے سے پہلے ان یادگاروں کے ازمنہ کا دھندلا سا اندازہ کرلینا چاہیے۔ اس سلسلے میں پروفیسر اسٹوارٹ پگاٹ کی کتاب پری ہسٹارک انڈیا ہماری رہنمائی کرتی ہے:

زمانہ	بلوچستان				پنجاب	سندھ
ـــــ ق م	گنڈی ۱					
	رانا گنڈی ۲					
	رانا گنڈی ۳	آمری				
	رانا گنڈی ۳ ب	نندرا	کوئٹہ		ہڑپا ۱	
	رانا گنڈی ۳ ج	نال				
			کلی	موئن جودڑو	ہڑپا ۲	چنہو دڑو ۱
۲۰۰۰ ق م	تباہی		شاہی ٹمپ	تباہی	تباہی	تباہی
	رانا گنڈی ۴				ہڑپا ۳	چنہو دڑو ۲ جھنکر
	تباہی					
	رانا گنڈی ۵					چنہو دڑو ۳ جھنکر
					شمشیر راجن پور	
۱۰۰۰ ق م	مدفن مغل گنڈی	جیوزی	زنگیاں			

پروفیسر موصوف نے امری اور رتندرا کے پانچ ظروف کے نقش دکھائے ہیں جن میں سے تین کے نقوش تو محض آرائشی ہیں۔ تین ظروف پر جن کی نقل آپ کے سامنے ہے، W اور 3 جیسے نقوش ملتے ہیں۔ یہ نقوش سبائی رسم الخط میں قرشت کا حرف سوم ہیں اس کو شجر (درخت) کا حرف اول بھی کہہ لیجیے، اس کی اصل کے لیے دیکھیے وتس ۲۴۸ پر [illegible] یہ دراصل ایک درخت کی ٹہنی ہے۔
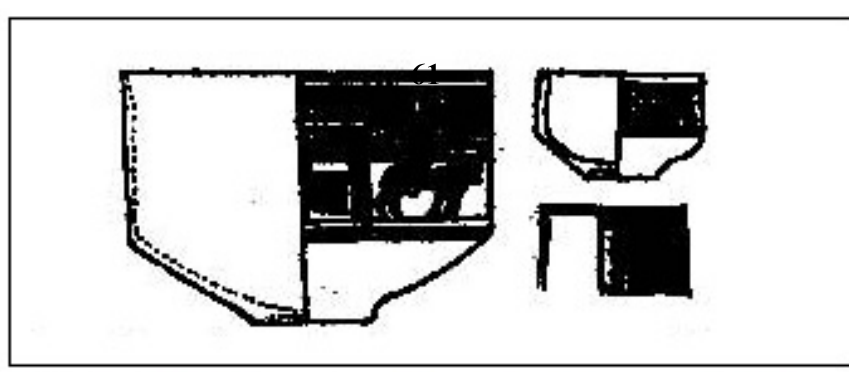
والٹر اے فیئر سروس نے اپنی کتاب ”اکسکاویشن ایٹ کوئٹہ“ میں انتھروپولوجیکل پیپرس امریکن میوزیم نیچرل ہسٹری جلد ۴۵ پلیٹ ۱۴ کا عکس دیا ہے اس کی نقل ملاحظہ فرمائیں۔

اسی مصنف نے اس کتاب میں کوئٹہ کے چند اور ظروف کے بھی نقوش دکھائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) (۲) (۳)

(۴) (۵) (۶)

(۷) (۸) (۹)

(۱۰) (۱۱) (۱۲)
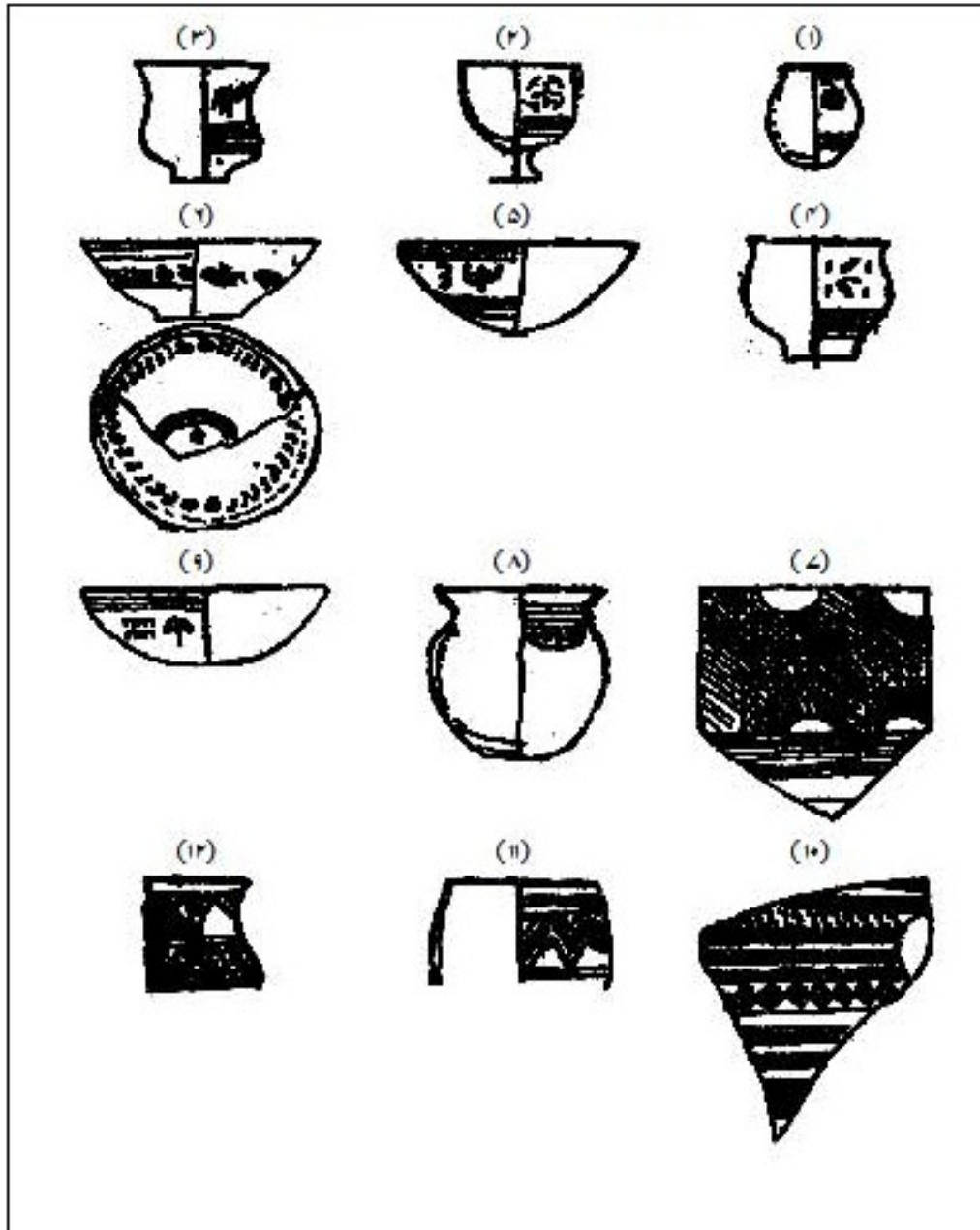
یہ دس ظروف فیئر سروس سے نقل کیے گئے ہیں نمبر ۱۱، نمبر ۱۲ بھی کوئٹہ کے ظروف ہیں ان کو پگاٹ کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے جن کی قدامت پگاٹ کی تجویز کے مطابق ہڑپا کی ابتدائی آبادی کے زمانے تک پہنچتی ہے ان کے بعد چند ظروف کلی کی نقل دیکھیے جن کو ہم پگاٹ سے نقل کرتے ہیں:
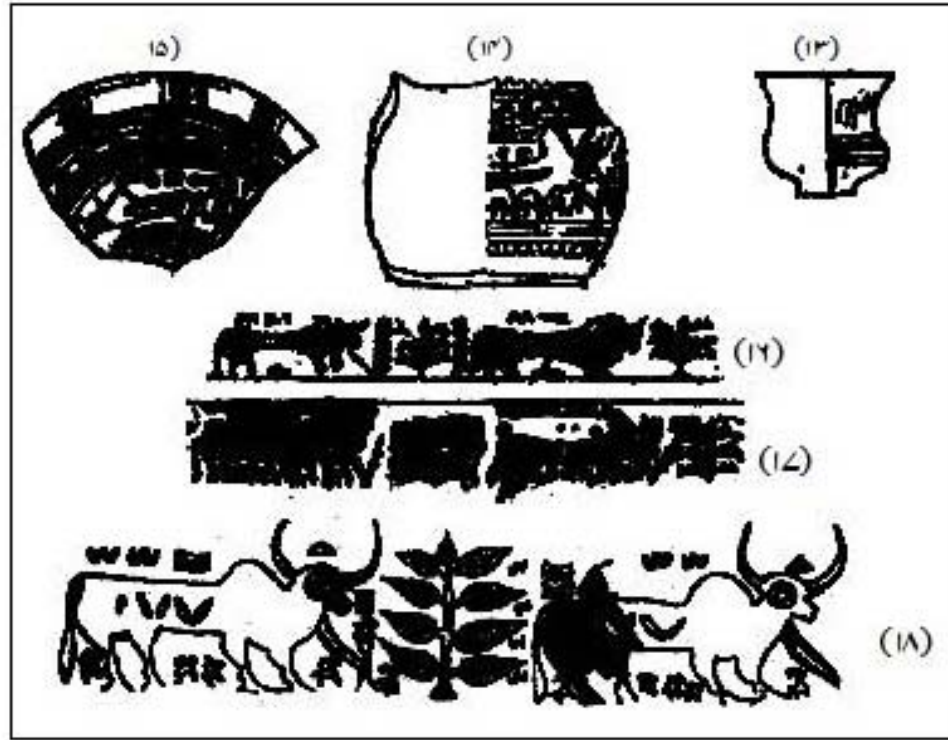
پگاٹ نے سندھی نوشتوں اور حروف ونقوش پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ نوشتے (۱) ابجدی تو قطعی نہیں ہیں (۲) ہڑپا اسکرپٹ اجنبی، بے قرابت اور بے نسل ہے (۳) ہڑپا اسکرپٹ کا مغربی ایشیا بلکہ کہیں کے بھی کسی معلوم و قدیم رسم خط سے قریبی ناطہ نہیں ہے۔ یہ تو ہم عرصہ بعد معلوم کریں گے کہ کوئی نوشتہ ابجدی ہے یا نہیں لیکن ان ظروف کے نقوش میں تلاش کیجیے مغربی ایشیا کے ابجدی حروف ملتے ہیں یا نہیں:

			جنوبی عرب کی سند			
نمبر شمار	بلوچی نقش	حوالہ	نقش	نام	آواز	تبصرہ
۱	B	ظرف پارہ ۲۳ X	B	بیت	ب	نیز براہمی ب
۲	٨	ظرف پارہ ۳۳ TT	٨	جیم	ج	دیکھو ابن ندیم کا ورقۃ الحکمہ براہمی ga
۳	٦	ظرف ۱۰	٦	؟	؟	Gamme. W. F. کے نزدیک سبائی نزومن او Albert Gamme W.F.

ہی خیال ہے۔ خود عرب اپنے قدیم رسم الخط کو مسند کہتے ہیں جو لفظ سند سے مشتق ہے۔ بلوچستان جنوبی عرب سے بہ نسبت فونیقیہ (سواحل شام) کے زیادہ قریب ہے۔ ہم کو بلوچی ظروف میں مسند کے ہو بہو نقوش ملے ہیں اس لیے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی کہ آنکھ موند کر یورپ کے قیاسی اور تحقیقی فیصلے ہی کو ٹھیک باور کیا جائے۔

ظرف پاروں اور ظروف ۱ تا ۱۳ کے نقوش جو حروف سے مشابہ ہیں ان کا جو بھی مطلب یہاں لیا جائے محض قیاسی ہوگا خود ان ظروف پر کوئی قرینہ کسی مطلب کی توثیق کرنے والا نہیں ہے لیکن ظرف نمبر ۱۴ تا نمبر ۱۸ پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ا۔ ظرف نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ کے جانوروں کی آنکھ دیکھو نمبر ۱۷ میں بیل کی سینگوں کے درمیان اسی جانور کی آنکھ جیسا نقش ● مکتوب ہے نمبر ۱۵، نمبر ۱۷ میں یہی نقش ایک شوشہ کے اضافہ کے ساتھ، جسے علامت تانیث قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا [نقش] گائے کے سینگوں کے درمیان مکتوب ہے۔ معلوم ہوا کہ (الف) معنی بیل ہیں (ب) کے معنی گائے۔

۲۔ ۱۸ میں گائے کے سینگوں کے درمیان ▲ مکتوب ہے۔ قرآن میں ہے "مرد کے لیے دو عورتوں کے حصہ کے برابر" معلوم ہوتا ہے قدیم بلوچی بھی ایک مرد کو دو عورتوں کا ہم وزن مانتے تھے، چناں چہ یہی نقش بیل کے سینگوں کے درمیان دوہرا [نقش] مکتوب ہے۔

معلوم ہوا کہ: (ج) ▲ کے معنے ہیں گائے (د) [نقش] کے معنے ہیں بیل۔

۳۔ ۱۸ پر بیل کی کوہان کے پیچھے ᴡᴡ مکتوب ہے یہی نقش گائے کی کوہان کے پیچھے بھی ایک مزید نقش کے ساتھ مکتوب ہے۔ اور مزید یہ نقش گائے کے تھن کے جیسا ہے اسے علامت تانیث قرار دیا جاسکتا ہے معلوم ہوا کہ:

(ہ) w w کے معنی ہیں بیل

(و) [نقش] ᴡᴡ کے معنی ہیں گائے۔

(ز) w نمبر ۱۸ پر چار رتھوں کے تلے چار بار مکتوب ہے نا مناسب نہ ہوگا اگر اسی موقع پر ہڑپا کی ایک مہر کو بھی دیکھ لیجیے جس پر مکتوب ہے۔ (نقش نمبر ۲۸) [نقوش]

[نقش] ایک شخص ہے جو اپنے ہاتھوں میں ایک ظرف لیے کھڑا ہے۔ مراد ظرف اور ظرف والا، سندھی نقوش [نقوش] ایک ہی نقش کی مختلف القلم املائیں ہیں اور ان نقوش کی اصل [نقش] ایسا ظرف ہے جو سندھ کی کئی مہروں پر جانور کے منہ تلے ملے گا۔ مہر نویس ((w کا مطلب تشکیلی انداز تحریر میں بتایا ہے [نقش] کا [نقش]

معلوم ہوا کہ [نقش] اور [نقش] مرادف نقوش ہیں اور [نقش] اور "w" دونوں کا مطلب ایک ہے۔ اب چار رتھوں کے تلے چار بار w لکھنے کی وجہ ظاہر ہوگئی۔

ظرف نمبر ۱۸ پر بیل کی کمر کے اوپر جو تین نقوش ہیں ان میں سے پہلا نقش ایسے سندھی نقش جیسا ہے جو کہ سندھی نقش کا عکس ہے۔ سندھی مہروں پر اک سنگھے کی سینگ ایسی دکھائی گئی ہے جو اس کے بعد اوپر تلے جو نقوش ہیں وہ علامت تانیث کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ تکرار علامت جمع ہے۔ مطلب اس کا ہوا سینگ والیاں ۔۱۴ کے مکتوب کو ان تشریحات کے مطابق "گائے، گائے، گائیں" کا مترادف خیال کیا جاسکتا ہے۔

نمبر ۱۶ میں گائے کی پشت اور بیل کی پشت پر MM مکتوب ہے۔ معلوم ہوا کہ گائے اور بیل کا اسم مشترک تو M تھا۔ اس کے پہلے علامت تانیث بڑھا کر اسے گائے کو اور علامت تذکیر M بڑھا کر بیل نامزد کرتے تھے۔

یہ بلوچی ظروف اس بات کی شہادتیں ہیں کہ ظروف محض چیزوں کے رکھنے کا مصرف نہیں رہے بلکہ ان سے زمانہ قدیم میں درسی کتابوں کا بھی کام لیا جاتا تھا۔ ایک جرمن عالم کے خیال میں سندھی مہریں پرانے زمانے کی سندھی کتاب اقدس کے پراگندہ پرزے ہیں۔

عالم مذکورہ کی یہ رائے محض ایک تجویز ہے جس کا ثبوت مہروں کے نوشتے ہی دے سکتے ہیں بشرطیکہ دیں۔ میرے نزدیک بلوچستان کے ظروف اور سندھ کی شہری مہریں عہد قدیم کی سندھی قاموس کے بکھرے ہوئے ورق پارے ہیں۔

اب آپ چاہیں تو قدیم بلوچی زبان کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔

بلوچستان اور جنوبی عرب پڑوسی ممالک ہیں۔ بلوچی نقوش ہم کو جنوبی عرب میں ملے۔ اس لیے حیرت نہیں ہونی چاہیے اگر بلوچستان میں ہم کو عربی الفاظ ملیں۔ بلوچی قدیم میں بیل اور آنکھ کے لیے ملتے جلتے نام تھے۔ عربی میں عین آنکھ عین وحشی گائے کو کہتے تھے۔ ۱۸ پر گائے کے سینگوں کے درمیان جو نقش ہے جنوبی عرب کے مقام قتبان کے نشان البرٹ جیم نے اسے سبائی عین بتایا ہے۔

براہمی رسم الخط میں حرف تھ ہے۔ یہ بیل کی تصویر پر مکتوب ہے جسے عربی میں ثور کہتے ہیں۔ جنوبی عرب کے کسی ایسے باشندے سے ملو جس نے با قاعدہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ نہیں سیکھا ہے، ثور کو تھور ہی کہے گا۔

۱۷ میں گائے کی پشت پر چار بار مکتوب ہے اور غالباً ان چھوٹے چھوٹے جانوروں کی بابت ہے جو گائے کے پیٹ تلے ہیں چوں کہ صرف اس نوشتے میں مجھے ملا ہے اس لیے وثوق سے آواز بتائی نہیں جا سکتی مگر ہم کو سبائی ع خیال کریں اور کو س تو عس کے معنی ہیں دودھ کا پیالہ، اعتساس دودھ دوہنا، عساس

دودھ ظرف ۱۵ کو دیکھو شیر دان ہے۔

WW سبائی حروف کی مدد سے ہم ششش یا سس پڑھ سکتے ہیں۔ بلوچی قدیم میں یہ بیل کا مترادف تھا۔ عربی میں ساس (اس نے جانور کو سدھایا) یسوس (سدھاتا ہے) سیاسۃ (جانوروں کی دیکھ بھال، رکھوالی) عبرانی میں سوس بمعنے سواری یا بمعنے اسپ بھی توراۃ میں ہے:

سوس ورکبورمہ بیم (خروج ۱:۱۵)

اس نے سواری اور اس کے سوار (فرعون) کو سمندر میں پھینکا۔

بیل ہندوؤں کی دیومالا میں کئی دیوتاؤں کی واہنا (سواری) ہے۔

W" کوش پڑھا جا سکتا ہے۔ شئی (چیز) اب تو مرغوب و نامرغوب چیز ہے مگر یہ لفظ شاء (اس نے چاہا) سے مشتق ہے۔ اصلی مفہوم شئی کا ہے ما یشاء (جس کی خواہش کی جائے)۔ چونکہ چوپائے کی خواہش کی چیز ہیں۔ اس لیے قدیم بلوچی اور سندھی کوش کہتے تھے۔

ہڑپّا اسکرپٹ پڑھی جائے تو کیسے؟

مولانا ابوالجلال ندوی

وادیٔ سندھ کے پرانے کھنڈروں سے مکتشفین نے ۱۸۵۶ء سے ۱۹۳۵ء تک جو مکتوب مہریں اور ظروف برآمد کیے ہیں ان کو پڑھ لینے کی بہت سارے لوگوں نے کوششیں کیں مگر کسی کی کوئی کوشش کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوئی لیکن:

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آ ؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

جن لوگوں نے نوشتوں کی تعبیر کی ہے انھوں نے کسی ایک تحریر کو پڑھنے سے پہلے فرض کر لیا کہ زبان تحریر ''سومیری'' نہیں تو ''آریائی'' اور آریائی نہیں تو ''دراوڑی'' ہے۔ مہروں کے صانعین جس لسانی گروہ سے ہیں ان کے اسماء وضع کر لیے گئے۔ ویدک زمانے میں وادیٔ سندھ میں جو قبیلے بستے تھے ان میں سے ایک کا نام ماروت تھا، ان کی بابت ویدک رشیوں نے تسلیم کیا ہے کہ وہ سندھو کے محافظ تھے، آدمی کے روپ میں دیوتا لوگ تھے، اندرا کے فرمانبردار فرشتے۔ بائبل کے صحیفہ میکاہ میں ماروت نام کی ایک بستی کا ذکر ہے۔

کی حلہ طوب یوشی ماروت، کی یرد رع مات یہوہ شعر یروشلم (میکاہ ۱۲؍۱)

چناں چہ ماروت کے بسنے والے بھلائی کے لیے چلاتے ہیں اس لیے کہ اللہ کی جانب سے برائی وارد ہوئی یروشلم کے پھاٹک تک۔

قرآن میں ''ببابل ہاروت و ماروت'' کا ذکر ہے، عیلام کے ایک بادشاہ معاصر حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کدرلاعمر کے نام سے آیا ہے اس نام کی بابلی شکل کدرلوامورو ہے۔ میخی تحریروں میں اس کا لقب ہے:

کدر	ادا	کور	مارتو
کدر	بادشاہ	زمین	ماروت کا

ماروت کو مارتو بھی پڑھا جا سکتا ہے، بنو سام میں سے ایک گروہ کا ذکر بائبل میں، قرآن میں، سومیری کتبات میں اور ویدوں میں ملتا ہے۔ ویدوں میں ایک قوم ''سمیو'' کا بھی ذکر ہے یہ نام بابل کے بادشاہوں ساموابی، ساموایلو، ساموالایلو کے ناموں کا ہم رشتہ ہے۔ صانعین مہر کے مختلف نام تجویز کیے گئے

لیکن ماروت کی طرف وڈل کے سوا کسی کا خیال نہ گیا۔ وڈل نے زبان تحریر کو سومیری خیال کیا ہے مگر نوشتہ کوئی بھی سومیری حروف کا نہیں ہے۔

سندھی مہریں وادئ سندھ اور عراق کے ماسوا کسی مقام میں نہیں ملی ہیں۔ عراق کے مختلف مقامات سے ۳۰ سندھی مہریں برآمد ہو چکی ہیں جس میں سے ایک کش کے مندر ''اور ال باب'' کے اُس کمرہ کی بنیاد میں ملی جس کو بابل کے بادشاہ شمسو ایلونا ۱۷۴۹-۱۷۱۲ ق م کی تعمیر بتایا جاتا ہے۔ اس مہر پر منقوش ہے:

پہلا اور آخری نقش تو چھتری اور پھل دار درخت کی شکال ہے۔ بیچ کے چار نقوش سبائی حروف جی ج ح س رہیں۔ مارشل پانچ سندھی نقوش کو سبائی حروف بتاتا ہے مگر ان نقوش کی آواز ف ت ح س ر نہیں بتائی ہے، اس لیے سندھی نوشتوں کو سبائی حروف کی مدد سے اس زبان میں پڑھنا چاہیے تھا جو کی شمسو ایلونا وغیرہ کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ نام ذرا سے تغیر لہجہ کے بعد ''الشمس الہنا'' بن جاتا ہے۔

ایک سندھی مہر پر پتوں بھری ٹہنی کی ایک الٹی محراب میں ایک انسانی پیکر ہے اس کے سامنے دست بستہ ایک شخص بیٹھا ہے جس کے پیچھے ایک قربانی کا جانور ہے، اس جانور کے اوپر مکتوب ہے۔ اس نوشتہ کو نقوش کی آوازیں متعین کرنے کے بعد پڑھا جا سکتا ہے، مگر منظر تحریر سے مطلب ظاہر ہے۔ سفر تکوین اور قرآن میں آدم کے دو بیٹوں کا ذکر ہے جن میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی دوسرے کی نہیں۔ جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی اس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ قرآن میں قاتل و مقتول کے نام مذکور نہیں ہیں۔ سفر تکوین میں قاتل کا نام قین ہے اور مقتول کا نام ہابل ہے جو مفسرین کی اسرائیلی روایات میں قابیل اور ہابیل بن گیا۔ مہر کا نوشتہ پڑھیے یا نہ پڑھیے یہ ظاہر ہے کہ اسی نوشتہ سے تعلق رکھتا ہے۔

اس مہر میں دراز شملوں والے عمامے اور طویل چغے پہنے ہوئے سات عرب نما اشخاص کی شکلیں ہیں جو منظر قربانی کو دیکھ رہے ہیں مادھو سروپ وتس نے جو مہریں شائع کی ہیں ان میں سے ایک پر صرف ان سات شخصوں کی شکلیں ہیں ان کی بابت لکھا ہے۔

میں نے اسے پڑھا ہے۔
ھ ا ی ش ب ب ل

ھ عربی حرف تعریف ہے انگریزی The اور عربی ال کا مرادف، ایش عبرانی میں اگ، مرد.....اور رکیس ب ب ل = بابل ترجمہ تحریر، مردان بابل The men of Babil، یہ قرأت درست ہو یا نا درست اس کے درست ہونے کا غالب امکان ہے۔ میں نے کسی نقش کی آواز اوروں کی طرح بے دلیل وضع نہیں کی ہے

ہر نقش کو اشباہ ونظائر کی مدد سے متعین کیا ہے۔

جن لوگوں نے بزعم خود مہریں حل کر لی ہیں ان میں سے کسی نے کش والے نوشتے نوشتے کا ذکر تک نہیں کیا ہے اور ایسی مہروں کے نوشتوں سے اجتناب ہے جس کی بابت کہا گیا ہے

خموشی معنے دارد کہ در گفتا می می ناید

سندھی لوگوں کی زبان نہیں معلوم، اپنے دیس میں وہ کون سی زبان بولتے تھے اور لکھتے تھے اس کی تحقیق کرنا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ شمسوا ایلونا، ساموابی، ساموا ایلو، ساموالا ایلو، اور ساموابِ ایلائی بولنے والوں کے دیس میں وہ قدیم ترین عربی اور عبرانی کی اصل بولتے رہے ہوں گے اور اسی زبان میں لکھتے رہے ہوں گے۔ ہر امکان ہے کہ سندھی مہروں کی زبان بھی وہی ہے جو کہ رام سن (نو رہم السین) کی زبان تھی لیکن بلا استثناء سب نے اس طرح کی تحریروں کو پڑھنے سے اجتناب کیا ہے جن کو با آسانی اشباہ ونظائر کی مدد سے پڑھا جا سکتا ہے۔

ہر قاری نے اس مفروضہ کے ساتھ مہریں پڑھی ہیں کہ ہڑپا اسکرپٹ کا کوئی نقش ابجدی یعنی الفا بیٹیکل نہیں ہے۔ ابجدی سے مراد ایسے نقوش ہیں جو سادہ آوازوں کے رموز ہیں جو خود کوئی معنی نہیں رکھتے مگر چند ایسے نقوش سے مل کر ایک با معنی لفظ بناتے ہیں۔

سندھی نوشتوں کے ساتھ میری دلچسپی کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک شب دمیری کی کتاب حیات الحیوان میں خاتم دانیال کا ذکر پڑھا، دو شیروں کے درمیان ایک شخص کی شکل کا خیال آیا کہ یہ منظر تو کہیں دیکھ چکا ہوں، ان دنوں مدراس میں مقیم تھا، دوسرے دن کینبرا میوزیم کے ساتھ چند نوشتے تھے ان کو اس وقت تو نہ سمجھا مگر نوشتے ایک جیبی نوٹ بک میں نقل کر لیے۔ کینبرا لائبریری کے کتاب دار سے ملا، ان سے تذکرہ کیا اور ان سے کہا کہ میں مہروں کو پڑھنا چاہتا ہوں آپ اگر کچھ مدد دے سکتے ہیں تو میں ممنون ہوں گا۔ انھوں نے اپنی میز کی دراز سے ایک کارڈ نکال کر دکھایا جس پر میکے کی "دا اسکاویشن ایٹ موہن جو دڑو" XL کا نقش تھا۔ گول سر پر اک سنگھے بیل کی خوبصورت شکل جس کے منہ کے سامنے یہ نقش بیل کے پیٹ پر مکتوب، تصویر کے اوپر یہ نقش۔ فرمایا اس کو پڑھیے، میں نے کہا اس کو پڑھا جائے گا بعد کو اس مہر کا مطلب زبان تحریر کے بغیر سمجھ لیا جا سکتا ہے۔

بیل کے پیٹ پر جو لکھا ہے اس کو چشم تصور سے بیل کے پیٹ میں دیکھیے۔ دو پتے اور ایک دانہ بیل نے کھایا ہے ہانڈی کے اندر اس شکل کی کوئی خورش ہے۔ ہانڈی میں سے پانی ابل رہا ہے یہ کھانے پینے کے برتن کی تشکیل ہے، کا مصرف بتاتی ہے کو ہم کی صورت میں پڑھ سکتے

ہیں۔طیر کے معنی ہیں چڑیا، سندھ والے کسی برتن کی بھی کسی قسم کو طیر کہتے ہوں گے۔ حدیث میں آیا ہے کان یتوتو
ضؤ بالتور۔ حضور لُٹیا بھر پانی سے وضو کرتے تھے۔بولے کہ اردو طیر اتنا قدیم ہے جتنی مہریں ہیں؟ میں نے کہا
حیرت کیا کیجیے مگر فرمایئے آپ کی آنکھیں کیا بتاتی ہیں۔بولے کہ اس منظر کی تحریروں میں چڑیا کی بھی شکلیں ہیں،
پھر مجھے ساتھ لے جا کر کتب خانہ کی تمام کتابیں دکھائیں جن کا تعلق ہڑپا اسکرپٹ سے تھا اور مجھے مشورہ دیا کہ
دوسروں کی تعبیرات دیکھنے سے پہلے اس کی خود آموز تحریروں سے کچھ حقائق معلوم کرنے کے بعد دوسروں کے
مسودات دیکھیے۔مشورہ معقول تھا میں نے قبول کرلیا۔

میں نے پہلے تمام نوشتوں پر نظر دوڑائی مجھے معلوم ہوا کہ مہر نویس پہلے ایک مہر پر ایک لفظ لکھتے تھے پھر
ویسی ہی مہروں پر ایک ایک لفظ بڑھاتے جاتے تھے۔

مثلاً:

ا۔	مارشل	۲۳۶،۲۴۳	
۲۔	مارشل	۱۵۷	
۳۔	مارشل	۳۳۰	
۴۔	میکے	۲۵۷	
۵	وتس	۱۰۷	

اور مہروں پر مکتوب ایک ہانڈی یا گھڑے کے ٹکڑے پر ہے۔ چھوٹے چھوٹے آٹھ
نقوش میں سے ایک ایک گھٹایا گیا۔مہر آپ اور کچھ پر دیکھیں گے۔اس طرز تفہیم سے معلوم ہوا کہ
قدیم نوشتوں میں ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے الگ ممتاز کرنے کا کوئی طریقہ مستعمل نہیں ہوا تھا۔کسی مہر پر ایک لفظ
دیکھ کر پڑھنے میں جلد نہیں کرنی چاہیے۔

تقریباً ہر ایک قاری نے یہ فرض کرلیا ہے کہ مہروں کا ایک نقش کسی اور اسکرپٹ کے نقوش سے مشابہ
نہیں ہے، کوئی نقش الفابیٹیکل نہیں ہے۔فادر ہیراس نے صراحت کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے ایڈنبرا یونیورسٹی
کے پروفیسر پیگاٹ نے ایک نوشتہ بھی نہیں پڑھا ہے لیکن پروفیسر جو تھے اس لیے ان دیکھی تحریر پر رائے زنی کا حق
بھی تھا۔جانو نہ جانو مگر جاننے کا دعویٰ طمطراق کے ساتھ کرو کیوں کہ تم مسلم الثبوت عالم کل ہو۔یہ ہے عہد جدید
کے مدعیان علم کا وطیرہ۔وہ کہتے ہیں کہ:

(۱) سندھی نقوش بنیادی طور پر تشکیلی ہیں۔

(۲) کوئی نقش ہجائی نہیں ہے۔

(۳) مغربی ایشیا بلکہ کہیں کے بھی رسم الخط سے اس کا ناتا نہیں ہے۔

(۴) ہڑپا اسکرپٹ بے نظیر ہے، بے مثال ہے، بے نسل ہے

(۵) اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مہروں پر ان ہی چیزوں کی بابت مکتوب ہے جن کی تصویروں پر مکتوب ہے۔

(۶) ایک شخص بوجہ معقول تحریروں کو مہروں کے مالکوں کے اسماء والقاب خیال کرسکتا ہے

ان غلط اور حقیقت کے خلاف فیصلوں نے بعد کے لوگوں کی ہمتیں توڑ دیں ایک وہ مہروں پر مکتوب ہے۔ پروفیسر صاحب کی اندھی رائے کے مطابق اسے مہر کے مالک کا نام ہونا چاہیے۔ یہ نام کم از کم تین سبائی بادشاہوں کے ناموں کا لازمی جز ہے۔

۱۔

۲۔

۳۔

ہمارے الف جیسی کھڑی لکیریں سبائی میں حرف نہیں بلکہ دو لفظوں کے درمیان کا خط فاصل ہیں۔ ان ناموں کے ہر نقش سندھی مہروں پر بکثرت یا تقلت ہو بہو ملے گا۔ سبائی آواز نقوش کی دیکھئے:

۱۔	ی		۲۔	د
۳۔	ع		۴۔	ا
۵۔	ل		۶۔	ذ
۷۔	سبائی ذ		۸۔	سبائی ح
۹۔	سبائی م		۱۰۔	ک
۱۱۔	سبائی س		۱۲۔	ن
۱۳۔	و		۱۴	سبائی ن

کتبہ میں حرف ہجا ب مصری، پ سبائی میں، بنی، عبرانی میں عربی حجازی

پھر ب بنا۔

عربی سمات اہل، سبائی حروف ہجا، حجازی کے ۱۴ نقوش غیر منقوط جن کو نقطوں کے اضافہ سے ۲۸ بنا دیا، ٹیلر کی الفابٹ کے مطابق ثمودی، سیناٹی، لحیانی کے حروف اور راس التجارہ کے نقوش میں نے نقل کر رکھے ہیں، مباقی اور رومن نقوش بھی ہم نے نقل کر رکھے ہیں۔ ان ابجدوں کا ایک نقش بھی ایسا نہیں ہے جو کہ ہو بہو یا کسی

قدر فرق کے ساتھ سندھی مہروں پر موجود نہ ہو، مگر آنکھیں موند کر قطعی فیصلہ سنا دیا گیا ہے کہ سندھی اسکرپٹ بے نظیر، بے مثالی اور بے نسل ہے۔ کسی ابجد سے اس کا تعلق نہیں ہے اس کا نام ہے ماڈرن تھنکنگ۔

پروفیسر پیگاٹ سے عرض ہے کہ:

خزانہ علم و ہنر کا نہ گھٹ گیا ہوتا
نگاہ سے بھی اگر کام لے لیا ہوتا

ان بزرگوار کے اپنے رسم الخط کے نقوش بھی سندھی مہروں پر موجود ہیں:

شمار	رومن حرف	سندھی	حوالہ نمبر	تحریر
۱	A	A	ہڑ H۱۴	
۲	B		وٹس ۲۳۶	
۳	C	C		
۴	D	D	وٹس ۵۹۲	
۵	E	E	ہڑ H۴۲	دوسری جانب
۶	F		وٹس	
۷	G		وٹس ۳۵	
۸	H	H	وٹس ۲۰۱	
۹	h	h	وٹس ۲	
۱۰	I	I	ہڑ H۱۰۴	
۱۱	J	J	وٹس ۲CII	
۱۲	K	K	وٹس ۳۲۶	
۱۳	L			ممکن ہے اس مہری نادیدہ مہروں پر ہو
۱۴	M	M	مارشل ۳۲۵	
۱۵	N		وٹس ۳۲۳	
۱۶	O	O	وٹس ۹۹	

نمبر	حرف	نقش	حوالہ	نقوش
۱۷	P	P		انتھراپولوجیکل پیپرس امریکن میوزیم آف نیچرل ہسٹری ج ۴۵ ص ۱۴
۱۸	Q	[illegible]	تختیۂ وتس	[illegible]
		[illegible]	مارشل ۳۶۰	[illegible]
۱۹	R	R	۴۳۲	[illegible]
۲۰	S	S		[illegible]
۲۱	T	T	مارشل ۴۰	[illegible]
۲۲	U	U	ہنٹر H۱۰۱	[illegible]
۲۳	V	V	ہنٹر H۱۱۳	[illegible]
۲۴	W	W	وتس ۵۸۹	[illegible]
۲۵	X	X	وڈل ۱۱	[illegible]
۲۶	Y	Y	وتس ۸۴۸	[illegible]
۲۷	Z	Z		[illegible]

مہروں کے سرسری مطالعہ کے بعد ان ۲۷ نقوش کو میں نے جمع کیا اور تحریروں میں بھی یہ نقوش دو اسکرپٹوں میں دو آوازیں دیتا ہے، یہ تو تمام نقوش کی آوازیں معلوم کرنے کے بعد فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ لکھا گیا ہے، لیکن یہ ۲۷ نوشتے یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ پروفیسر پگاٹ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سندھی نقوش بے مثال اور بے نسل ہیں اور نقوش کو بیان کرنے کی صورت میں بات طویل ہو جائے گی اس لیے سر دست اسی قدر پر اکتفا کرنا چاہیے کہ سندھی حروف بے مثال اور بے نسل نہیں ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحریریں ان چیزوں سے متعلق ہیں جن کی تصویروں پر مکتوب ہیں چند مہریں دیکھیے جن کے نوشتوں میں چوپایہ کی شکل اور اس کی خورش کی شکل ہے ان نوشتوں کو آپ زبان تحریر کے بغیر سمجھ سکتے ہیں۔

(۱)	۵۲۷	کتے کی تصویر	[illegible]
(۲)	۳۱۳	جانور کے منہ	[illegible]
(۳)	مارشل ۱۰۰،	یک سنگھے بیل کی تصویر جس کے آگے	[illegible]

ایسی اور بھی مہریں ہیں جن کے نوشتوں میں چوپایہ اور اس خورش کی شکلیں ہیں، یہ نوشتے کھلا ثبوت

ہیں اس کا کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ نوشتے ان چیزوں کی بابت نہیں جن کی تصویروں پر ہیں۔ ان کا فیصلہ چشم نظر کی تکذیب کے بغیر کیا ہی نہیں جاسکتا، اہل علم کے یہ فیصلے ظاہر کرتے ہیں کہ:

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

قدیم نوشتوں میں سب سے پہلے معروف اشخاص کے نام پڑھے گئے جن سے حروف ہجا کا علم ہوگیا، ہم کو سندھ قدیم کے رجال کے نام معلوم نہیں ہیں۔ اکثر سندھی نوشتے جانوروں کی تصویروں پر ہیں۔ زبان تحریر جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے مہروں پر جانوروں کے نام تلاش کیے جائیں، خودساختہ عبارتیں گھڑنے والوں نے اسی طریقہ کی راہ بند کرنے کے لیے دانستہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ان غلط بیانیوں کو انگیٹھی میں جلا کر آپ خود پڑھیے اشباہ نظائر کے بعد پڑھیے۔ ان تین مہروں کو سمجھ لیجیے پھر اپنا فیصلہ آپ کیجیے۔

نمبر۳
فاعل فعل مفعول
جانور کھاتا ہے پتے والی چیز

سبائی ح ہے اور اس کی بدلی شکل سبائی مصری تحریر میں حرف کے بعد II کو خ پڑھا گیا۔ ہم ہندوستانی لوگ ح اور ھ کے تلفظ میں عربوں اور عبرانیوں کی طرح فرق نہیں کرتے۔ حاجی اور ہاجی کا عوامی تلفظ ایک ہے۔ آپ روزانہ پانچ وقت حی علی الصلوۃ سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نماز کے لیے آؤ۔ عرب کا شتربان چارہ دکھا کر اونٹ کو ھی بول کر کھانے کے لیے حی بول کر پانی کے لیے بلاتا تھا Z کے پیٹ میں ایک نقطہ رکھ کر پڑھو پھر عرب کے شاعر کا ایک شعر پڑھو:

وَما کان علی الھئی ولا الحی

اور نہیں تھا کھانے اور پینے کی خاطر آپ کی مدح کرنا

میرا طریقہ تعبیر ذرا طویل ہے ایک ایک لفظ کو کئی مہروں پر دیکھ کر پہلے نوشتے کا مطلب معلوم کرتا ہوں پھر اشباہ ونظائر کی مدد سے پڑھتا ہوں۔ سب سے پہلے ہاتھی کی تصویر پر ایک لفظ دیکھا۔ اگر ہاتھی کی تصویر پر Elephant مکتوب ہوتا تو آپ کیا پڑھتے، کیا پروفیسر پگاٹ کی وجہ معقول کے مطابق آپ اسے کسی قدیم پروفیسر کا نام خیال کرتے یا یہ خیال کرتے کہ انگریزی حروف اور زبان میں ہاتھی لکھا ہے میں نے لکھا دیکھا۔

اہم اصل نقوش ہیں سبائی ن ہے حرف کے بعد مصری میں II حرف کے کسرہ کو طویل کر دیتا ہے۔ کو صورت لکھ کر دیکھیے پھر کتب لغت میں لام کے معنی دیکھیے

"لام الرجل شخصہ" (صراح) لام کو لفظ کے بجائے حرف خیال کر کے فیل پڑھا وجہ قرأت تو بعد میں سوچی میں نے تو دیکھتے ہی سورہ فیل پڑھا۔

پھر " سے شروع ہونے والے الفاظ پر بار بار نظر دوڑائی پھر حسب ذیل مہریں نقل کیں:

۱۔	مارشل ۱۹۱ بیل مع کی شکل پر	
۲۔	میکے ۴۲ بیل مع کی شکل پر	
۳۔	میکے ۵۹۰ بیل مع کی شکل پر	
۴۔	میکے ۵۰۴ بیل مع کی شکل پر	
۵۔	مارشل ۵۵۱ بیل مع کی شکل پر	
۶۔	تختۂ مس بحوالہ ۳۴۳۶	
۷۔	میکے ۸۹	

اس طرح اور بھی " والی مہریں دیکھیں " = (فی) کے معنی وہ ہیں اندر اور دون ان مہروں کے " کو اندر مرادف خیال کر کے معلوم ہوا کہ اور اور اور اور پانچوں اسمائے ظروف ہیں۔ اور اور وہ چیزیں ہیں جو کہ ظرف کے اندر ہیں کو سیائی جیم سے مشابہت ہے۔

نمبر ۳، نمبر ۴، نمبر ۵ کا مطلب ہے برتن کے اندر پانی اور تینوں کو ہیراس نے تامل لفظ MIN (مچھلی) پڑھا ہے۔ کیوں تامل؟ سنسکرت کیوں نہیں؟ کو وڈل نے en اور se اور hu یعنی نون، حوت، سمک (عربی الفاظ بمعنی مچھلی) کا حرف اول قرار دیا۔ نون عربی میں مچھلی کا نام اور حرف ہجا (کلمن کے حرف چہارم) کا من تصویر کا یہ دونوں نقش بھی قدیم سندھی ہیں۔

(ان) (آن) کو عربی الفاظ انا و اور آنیہ (برتن) سے کامل مشابہت ہے " اور کو شک کے ساتھ برتن پڑھا ہے۔ بہر حال اور " کا مطلب برتن ہے۔

اور عربی لفظ طعام کا حرف اول کی صورت ہی بدلی شکل ہے کی، یہ نقش بنا، متغیر ہو کر بنا روس میں ہم THU اردو میں طھو یا ٹھو پڑھے عربی میں بھوسی کو طی

کہتے ہیں یعنی نمبر۲ کا مطلب ہے برتن میں بھوی ہے۔

نمبر۶ کے لفظ [signs] کو میں نے وا نو پڑھا ہے وین عربی میں کالے انگور کو کہتے تھے عربی مثال واوی عبرانی مثال یائی ہوتا ہے وین کی عبرانی ییین۔ عبرانی بائبل میں جہاں یہ لفظ آیا ہے انگریزی میں اس کا ترجمہ VINE یا WINE کیا گیا ہے۔ عبرانی میں غیر مسکر عرق انگور کو یئین کہتے ہیں۔ نمبر۲ کا مطلب ہے کہ برتن میں انگور (یا عرق انگور یا شراب) ہے۔ سندھ کے گنوپال (گوپال۔ گھوی) بیل کو انگور کھلاتے اور عرق انگور پلاتے ہوں گے۔

اسی طرح متعدد الفاظ کو ہم نے پڑھا۔ دو ہزار مہروں کو بتدریج ہی پڑھا جا سکتا ہے مہروں کے نوشتے چار طرح کے ہیں:

۱۔ خالص تشکیلی جیسے:

۱۔ مارشل ۳۱۹

۲۔ مارشل ۱۹۴

۳۔ مارشل ۲۴۸

یہ نوشتے گویا چیستانیں ہیں ایک ایک نقش کو دوسری مہروں میں دیکھ کر ان کا مطلب معلوم کرنا ضروری ہے۔ نمبر۱ کا نقش دوم [sign] چوپایہ ہے تحریر چوپایہ کی شکل پر ہے اس لیے کلام چوپایہ ہی کی بابت ہے۔ نمبر۲ کا نقش دوم ایک کٹورے کی شکل ہے جس میں پکڑنے کے لیے دستہ لگا ہے۔ نمبر۱، نمبر۲ کے نقش اول کے تغیرات کو یک جا کر کے حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے، ایسی مہروں کو سب سے آخر میں پڑھنا چاہیے۔ مچھلی اور چڑیا کا اس جانور کی خورد و نوش سے کوئی تعلق نہیں، ان سے مراد مچھلی اور چڑیا کی ہم نام کوئی شے مراد ہو سکتی ہے۔

(۲) تشکیلات کی بدلی شکلیں یا قابل شناخت، ان کی مثالیں پیش کرنے کی ضرورت تو ہے مگر بحث طویل ہوگی [signs] ۹،۶،۹ ۹ . یہ ابھی بھ ہے۔ 9 کو لفظوں کے ذریعہ عربوں نے 999 کے حروف بنایا، ایک بلوچی ظرف پارہ پر سجج لکھا ہے اس کے نقطہ اوپر کر کے س ج ج کو متصل کر کے لکھیے، سففف بن جائے گا، مطلب کیا؟ جب تک مکمل جملے میں یہ لفظ نہ ملے تب تک کوئی فیصلہ نہیں۔

(۳) خالص ابجدی نوشتے مگر ہر نقش کو ابجدی ثابت کر کے ہی ان مہروں کو پڑھا جا سکتا ہے۔

(۴) تشکیلی اور غیر تشکیلی نقوش سے مرکب نوشتے ان کی چار مثالیں پیش کرتا ہوں:

۱۔ مارشل نمبر۵

۲۔ مارشل نمبر۱۴۱

۳۔	مارشل	
۴۔	مارشل ۱۱۴	
۵۔	ہنٹر بحوالہ AS.IR 1923-24	

منقرتحریر مذکورنہیں ضرردہ (شکاری کتا) ب کی تصویر پرمکتوب ہوتو قرأت بامعنی ورنہ معما
ایک چیستان، یہ نقش بس اسی ایک مہر پر ہے۔

ا۔		بمعنی اندرنی	
۲۔		آن یعنی اندر	برتن میں پانی
۳۔		مویاماؤ	
۴۔		قرأت طی	
۵۔		سبائی ض	
۶۔		سبائی ر	
۷۔	مصری کا الٹا	عربی 9	
۸۔		ہائے ''ہوز''، علامت تانیث	

اور الفاظ کو اگر ضرورت ہوئی تو بعد میں سمجھایا جاسکتا ہے مقصود اس قدر تحریر کا صرف یہ دکھانا ہے کہ ابجدوں کے انکار اور تحریر و تصویر میں رابطہ کا انکار کر کے جن لوگوں نے قرأتیں تصنیف کی ہیں انھوں نے چشم و نظر کو بالائے طاق رکھ کر اندھے فیصلے کیے ہیں۔

انسان نے لکھنا کیسے سیکھا؟

مولانا ابوالجلال ندوی

محترم علمائے کرام اور عزیزان من! اللہ کی حمد اور اس کے رسول ﷺ پر سلام کے بعد میں آپ کی وسعت قلب کی داد دوں گا کہ آپ نے ایک ہیچ مندان کو اس قابل سمجھا کہ اپنی اس دانش گاہ میں اسے ایک سوال کا جواب دینے کے لیے مدعو کیا ہے جو چٹائی پر اصحاب جبہ وعمامہ کے سامنے دوزانو مؤدب بیٹھ کر کسب فیض کرنے والے کسی صاحب علم سے نہیں پوچھا جاتا کیوں کہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے علمی کشکول میں چھٹی صدی ہجری کی معلومات کے سوا اور کیا ہوگا جواب محض اوہام پارینہ بن کے رہ گئے ہیں لیکن یاد رکھئے کہ:

ہر فکر نو وہم کہن ہی رسا نہیں
ماضی گندھا ہوا ہے بشر کے خمیر میں

جس سوال کا مجھے جواب دینا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو لکھنا کیوں کر آیا اور فن تحریر کی تاریخ کیا ہے۔ اس سوال کے جواب سے پہلے مختصراً اس سوال پر بھی غور کر لینا چاہیے کہ انسان کو بولنا کیسے آیا۔ ایک مومن کی حیثیت سے ہم کو سب سے پہلے اللہ کی کتاب میں تلاش کرنا چاہیے کہ ان سوالوں کا ان میں کوئی جواب ملتا ہے یا نہیں۔ آدمی کو بات چیت کرنا کیسے آیا، اس سوال کا جواب ہم کو قرآن پاک میں یہ ملتا ہے کہ جس رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی ہے اسی نے خلق الانسان علمہ البیان انسان کو پیدا کیا اور اسے اپنے خیالات زبان سے وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ جس طرح اللہ نے سب سے پہلے بذریعہ وحی والہام ایک نبیؑ کو قرآن سکھایا پھر آپؐ سے آپؐ کے صحابہ نے، پھر تابعین نے، پھر تبع تابعین نے، پھر خلفاء عن سلف سے ہم نے اور آپ نے قرآن کی تعلیم حاصل کی، اسی طرح بولنا بھی ہم نے خلفاً عن سلف، ایک نہ ایک ایسے فرد سے سیکھا ہے جس کو خدا نے بولنا اور مافی الضمیر کو الفاظ کے ذریعے ادا کرنا سکھایا ہے۔ قرآن پاک کی ایک آیت میں خدا نے فرمایا کہ و **من ایا تہ خلق السمٰوات و الارض و اختلاف السنتکم والوا نکم ط ان فی ذالک لا یات للعلمین** (روم ۲۲) اس میں خدا نے یہ بتا کر کہ اہل علم کے لیے اختلاف السنہ (زبانوں کے اختلاف) میں بہت سی نشانیاں ہیں، ہم کو اس کی ترغیب دی ہے کہ بنی آدم کی زبانوں کا تقابلی مطالعہ کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ اختلاف السنہ پر غور فکر کو ہمارے متقدمین نے غیر دینی عمل قرار دے کر یہ کام لادینوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اختلاف السنہ پر غور و فکر قدماء کے جس گروہ نے کیا وہ معتزلہ تھے لیکن افسوس معتزلہ کی کتابیں اب نابود ہیں۔ اب

اور تفسیر کی کتابوں میں جابجا ان کے اقوال اختصار کے ساتھ ملیں گے اگر کوئی صاحب ان اقوال کو جمع کر کے ان کی توضیح کر دیں تو ایک مردہ علم از سرِ نو زندہ ہو سکتا ہے۔

آپ اگر آج تک کی معلوم زبان پر یک جائی نظر ڈالیں گے تو آپ کو کثرت میں وحدت کے وجود کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔ بائبل کے اندر آپ کو کنعانی، اشوری، ارامی، کسدی اور یہودی پانچ زبانوں کے نام ملیں گے۔ ان ناموں کے ساتھ آپ حجازی، یمنی، عراقی، شامی اور حبشی زبانوں کو ملا لیجیے پھر دیکھیے کہ ان زبانوں میں کتنی یگانگت پائی جاتی ہے۔ یہ یگانگتیں آپ کو خبر دیں گی کہ یہ سب زبانیں ایک قدیم ترام الالسنہ کی بیٹیاں ہیں اور کسی زمانے میں یہ تمام اقوام امتِ واحدہ تھیں اور ایک ہی زبان بولتی تھیں۔ ان زبانوں کی مشترک اصل کا اندازہ کرنے کے بعد مصر قدیم کے تمثالی رسم الخط اور اس کی بدلی ہوئی شکلوں میں لکھی ہوئی زبانوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ قدیم تر عرب اور قدیم تر اہلِ مصر بھی کسی زمانہ میں امتِ واحدہ تھے جن کو بُعد اماکن اور بُعد ازمنہ نے مختلف قومیں اور ان کی زبانوں کو مختلف زبانیں بنا دیا۔

اسی طرح سنسکرت، دری، ژند، یونانی، لاطینی، رومی، انگریزی اور جرمن وغیرہ زبانوں کا مقابلہ ظاہر کرے گا کہ جس طرح عرب و اطراف عرب کے بنو سام اور مصر و اطراف مصر کے بنو حام ایک زمانے میں اُمتِ واحدہ تھے، اسی طرح یہ زبانیں بولنے والی اقوام بھی ایک زمانہ میں ایک قبیلہ تھیں اور ان سب کی زبان ایک تھی۔ اسی طرح چینی، تاتاری، ترکی وغیرہ زبانوں کو بھی ایک واحد زبان کی بدلی ہوئی شکلیں ماننا پڑے گا۔ پھر ان تینوں منگولی، آریائی، اور سامی اصلوں کا مقابلہ باہم کیجیے تو معلوم ہوگا کہ تمام السنۂ عالم کا سلسلۂ نسب ایک نہایت قدیم بولی پر منتہی ہوتا ہے اور تمام اقوامِ عالم ایک زمانے میں ایک واحد قبیلہ تھیں، ان سب کا مشترک مؤرثِ اعلیٰ تھا جس کو توراۃ، زبور، انجیل اور قرآنِ پاک نے "آدمؑ" کے نام سے موسوم کیا ہے اور ہندو لٹریچر اس کو "منو" کا نام دیتا ہے اور اسے آدم (پرانا) منو (انسان) بھی کہتے ہیں۔

سفرِ تکوین میں مذکور ہے کہ خدا نے جناب آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد تمام زندہ جانور ان کے پاس پیش کیے تا کہ دیکھے کہ آدمؑ ان کو کیا نام دیتے ہیں۔ چناں چہ آدمؑ نے ہر جانور کا نام رکھا۔ قرآنِ پاک نے اس بیان کی یوں اصلاح کی کہ فرشتوں کو جب خبر دی کہ میں بشر کو خلافت سے نوازوں گا تو انھوں نے کہا کہ بشر تو فتنہ و فساد کرے گا ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ خلافت کا حق ہم کو ملنا چاہیے، تب اللہ نے سب چیزیں پیش کر کے فرشتوں سے کہا کہ اچھا ان چیزوں کے نام بتاؤ، وہ نہ بتا سکے۔ آدمؑ کو پہلے سے خدا نے اسما کی تعلیم دے رکھی تھی ان سے کہا کہ ان فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتاؤ، آدمؑ نے نام بتا دئے اس طرح ان کا استحقاقِ خلافت ثابت ہو گیا۔ اس بیان سے ہم کو حسبِ ذیل حقائق معلوم ہوئے۔

(۱)اللہ نے آدمؑ کی فطرت میں معرفتِ اشیاء کا شوق ودیعت کر دیا۔

(۲)اس شوق کے ساتھ نام تجویز کرنے کی صلاحیت بھی دے رکھی تھی۔

(۳) جہاں تک بولنے اور بات کرنے اور چیزوں کے نام جاننے کا تعلق ہے فرشتے تک بشر کے شاگرد ہیں مختلف زبانوں کی مشترک اصل تک جب ہم پہنچیں گے تو معلوم ہوگا کہ افعال اور حروف سے پہلے اسماء وجود میں آئے اور یہی اسماء مختلف تغیرات سے گزر کر افعال، اوصاف، احوال اور ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے رابطہ قائم کرنے والے حروف بنے آپ نے فارسی کا یہ مصرع بارہا سنا ہوگا

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

عباسی دور میں ایک فتنہ ابھرا، بحث یہ چلی کہ کلام اللہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق، عام اہل سنت نے اس بحث کو بدعت اور غیر ضروری قرار دیا۔ بعض اکابر اہل سنت نے سختی سے کلام اللہ کے مخلوق ہونے کی تردید کی۔ معتزلہ کے ایک طبقے نے مذہبی دلائل کے بجائے لغوی دلائل سے ثابت کیا کہ قرآن مجید جس زبان میں اترا اس زبان کا غائر مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ اس زبان کے الفاظ کی قسمیں چار ہیں:

۱۔ کچھ الفاظ انسان کی اپنی طبعی آوازوں کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔ مثلاً جب بچہ پیدا ہوتا ہے، اور دودھ پینے لگتا ہے تو اکثر وہ عالمِ غنودگی میں عم عم جیسی آوازیں نکالتا ہے جس سے عیمہ (دودھ کی خواہش) (اوام) پینے کی خواہش، ماء (پانی) ام (ماں) وغیرہ الفاظ اسی ایک عم عم کی بدلی ہوئی صورتوں میں مشتق ہوئے اور مفہوم اول کے اسباب، نتائج، لوازم اور اشیاء پر دلالت کرنے لگے۔

۲۔ کچھ الفاظ سنی ہوئی آواز سے بنے مثلاً قط، قطب، قطل، قتل، قطم وغیرہ۔ میرے سامنے کا واقعہ ہے، ایک لڑکا رو رہا تھا، میں نے پوچھا کہ بچے کیوں روتا ہے وہ بولا کاؤ کاؤ لوتی پھر لیتی کو اروٹی اچک کر پُھر سے اُڑ گیا۔ اس بچے نے روٹی کہنا چاہا اوتی بول گیا۔ ماں باپ سے روٹی کا لفظ سنا تھا کوے کو اس کی آواز سن کر کاؤ کاؤ کا نام دیا پر پھڑ پھڑانے کی آواز سے اُڑنے کے مفہوم کو ادا کیا۔

۳۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی ذہانت سے الفاظ ایجاد کیے مثلاً ہونٹ ملا کر، زبان کو تالو سے ملا کر، حلق سے کچھ نکلنے کی آواز نکال کر انسان نے کہا "ملع" نگل گیا۔ غضب اور بغض پر غور کیجئے غصہ میں آدمی حلق سے چیختا ہے۔ (غ) دانت پیستا ہے۔ (ض) لبوں کو چبا لیتا ہے (ب) اس کیفیت کو غضب کے لفظ سے ادا کیا آواز اندر سے بتدریج باہر نکل رہی ہے۔ بغض وہ غضب ہے جسے آدمی اپنے اندر چھپائے ہوتا ہے، دیکھیے لب سے آواز نکلی (ب) اپنی آواز اس نے نگل لی (غ) دانت پیس لیا (ض) اس طرح لفظ بغض کو انسان نے وضع کیا جو کہ اندر دبے ہوئے غضب کا نام ہے۔

۴۔ کچھ الفاظ منحوت ہیں یعنی کئی الفاظ باہم مل کر ایک لفظ بن گئے اس کی ایک مثال عربی لفظ اِمعہ ہے۔ایسے آدمی کو اِمعہ کہتے ہیں جو کہ ہر سنی ہوئی بات کو بے سوچے سمجھے مان لیتا ہے گویا قائل سے کہتا ہے۔اِنّی معک میں تمھارا ہم خیال ہوں۔ایک مقولہ ہے جسے بعض روایات نے حدیث مرفوعہ متصل بنا دیا ہے کہ کن عالما اومتعلما و لاتکن اِمعہ یعنی عالم بنو یا متعلم بنو بے تحقیق ہر کس انا کس کے ہم نوا نہ بنو

دلائل کو سمجھو براہین تو لو

سمجھ بوجھ کر بولتے ہو تو بولو

غرض اس قسم کی مثالوں سے معتزلہ نے یہ بات ثابت کی کہ تمام زبانیں انسان کی طبعی آوازوں، اشیاء سے سنی ہوئی آوازوں، ذہین انسانوں کی مصنوعی وضاعیوں اور الفاظ کے خلط ملط سے پیدا ہوئیں، پھر اشتقاق کا سلسلہ شروع ہوا۔اشتقاق کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ اشتقاق صغیر جیسے علم، عالم معلوم، علامت اور تعلیم، تعلم جیسے ہم مادہ الفاظ جو تغیر حرکات اور حروف زیادت کی کمی بیشی کی وجہ سے متعدد ہو گئے اور بعض معنوی خصوصیات کی کمی بیشی کے ساتھ ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔جیسے فارسی میں دانستن کہہ لیجیے اور اردو میں جاننا جو کہ دراصل گیان سے مشتق ہے جو انگریزی Know کی اصل ہے۔

۲۔ اشتقاق کبیر یعنی لفظ کے الٹ پھیر سے مختلف ہونے والے الفاظ مثلاً ملق، لمق، قلم، لقم، قمل جیسے الفاظ ان مادوں کے بنیادی الفاظ سلباً یا اثباتاً ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں۔

۳۔ اشتقاق اکبر۔مثلاً مس (چھونا) مسح (ہاتھ پھیرنا) مسک (پکڑنا) معس (ملنا) لمس (بدن کا بدن سے ملنا) مص (چوسنا) وغیرہ الفاظ، ایک مادہ کے ایک لفظ کو لے کر اس کے بعض حروف کو مماثل حروف سے بدلتے جائیے۔بنیادی الفاظ کے معانی پر غور کیجیے۔سب میں ایک نہ ایک مفہوم مشترک ملے گا جس پر وہ الفاظ نفیاً یا اثباتاً ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں۔نفیاً یا اثباتاً ایک معنی پر دلالت کی مثال کے لئے چند الفاظ پیش کرنا کافی ہے۔جس مطلب کو قرآنی لفظ ابیٰ (ناپسند کیا) ادا کرتا ہے عبرانی میں اُسے لفظ لاابیٰ (نہیں پسند کیا) ادا کرتا ہے۔قرآنی عربی میں "حنیف" مشرکانہ دین چھوڑ کر موحدانہ دین قبول کرنے والے کا لقب ہے۔عبرانی میں دین برحق سے مرتد کو حنیف کہتے ہیں۔دونوں زبانوں کو لحوظ رکھیے مشترکہ مفہوم ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین قبول کرنے والا ہے۔

اشتقاق کی ان تینوں صورتوں کا ذکر تفسیر کبیر میں کسی موقع پر امام رازی نے کیا ہے۔افسوس ہے کہ مذہبی تعصبات نے معتزلہ کی کتابیں نابود کر دیں۔اگر وہ کتابیں موجود ہوتیں جن میں لغوی دلائل سے زبان

کی ابتداء اور اس کے ارتقاء پر معتزلہ نے روشنی ڈالی تھی تو آج ہمارے پاس فلسفۂ لغت کا ایک اچھا ذخیرہ ہوتا۔ لے دے کے آج ہمارے پاس راغب اصفہانی کی مفردات قرآن اور ابن جنی کی خصائص وغیرہ بعض کتابیں رہ گئی ہیں جن سے ہم کو کچھ اس فن کا اندازہ ہو سکتا ہے جس کے موجد معتزلہ تھے۔ اب ہم اختلاف السنہ سے حقائق معلوم کرنے کے لیے مغربی محققین کی خوشہ چینی پر مجبور ہو گئے ہیں لیکن ؎

آزارو پاتا ہے کے در یوزۂ علم و خبر

ہم ترا وا داست دا ور دولتِ فکر و نظر

انسان کو بولنا کیسے آیا؟ اس سوال کا مجمل جواب آپ کے سامنے ہے۔ اس جواب میں اگر کچھ صداقت نظر آئے تو آپ تازہ دماغ ہیں تو قع ہے کہ آپ اتنی زندگی پائیں گے کہ مزید تحقیق کر سکیں، بوڑھوں کی بات محض نقطۂ آغاز سمجھیے۔ اب مزید تحقیق آپ کا کام ہے اس موقع پر اگر آپ کو علامہ شبلی نعمانی تغمدہ اللہ برحمتہ کے دو اشعار سنا دوں تو شاید مفید ہوگا۔ مولانا نے یہ شعر ہم ندوی طالبانِ علم کو مخاطب کر کے سنائے تھے۔

کیے تھے ہم نے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے

یہ قصہ جب کا ہے جس وقت تھا عہد شباب اپنا

مگر جو کچھ امیدیں ہیں وہ سب کچھ آج تم سے ہیں

جواں ہو تم لب بام آچکا ہے آفتاب اپنا

اب دوسرا سوال لیجیے جو کہ آج کی صحبت کا مطلوب ہے وہ یہ کہ قلم کا استعمال اور فن تحریر انسان کو کس طرح معلوم ہوا، اس سوال کا جواب بھی ہم کو قرآن مجید میں ملتا ہے **اقرا و ربک الا کرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم** (علق ۲ تا ۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح خود انسان کو بیان کی تعلیم دی اسی طرح استعمالِ قلم کا بھی اولین معلم وہی ذات ہے جس نے انسان کو قرآن کی تعلیم دی۔

دنیا میں مختلف رسوم خط رائج ہیں۔ آپ شاید پسند نہ کریں رسوم خط کے لئے میں ہندی یا سنسکرت لفظ "لپیاں" بہتر سمجھتا ہوں۔ آپ کے ہندوستان میں اور پاکستان میں جو رسومِ خط مستعمل ہیں اردو کے سوا ہر رسم الخط کا سلسلہ اشوکی زمانے کی لاٹوں پر لکھی ہوئی تحریروں سے جا ملتا ہے۔ اشوکی تحریریں دو رسم الخط میں ملتی ہیں۔ ایک فروشتی (خروشتی) دوسرے براہمی۔ فروشتی رسم الخط کی تحریریں پاکستان میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے یہ رسم الخط نہیں دیکھا ہے اور بولا تکمن امعہ بولنے والے لسانی مشفق کے مشورہ کے مطابق میں کسی دوسرے کے قول کی سند پیش نہیں

کروں گا۔ براہمی رسم الخط مغربی ایشیا کے رسوم خط کی مدد سے حل کیا گیا۔ مغربی ایشیا میں جو تحریریں ملی ہیں وہ دو طرح کی ہیں (۱) خط متصل کی تحریریں جو ہماری اردو لیپی کی اصل ہیں (۲) خط منفصل کی تحریریں جیسے سبائی، معینی، لحیانی، کنعانی عبرانی رسم خط یہ سب ابجدی رسم الخط ہیں۔اس کے حروف الگ الگ لکھے جاتے ہیں۔

جس رسم الخط کو میں نے توراتی استعمال کے مطابق کنعانی رسم الخط کہا ہے اہل یورپ اسے فونیشین کہتے ہیں، جس کو معرب کر کے فنیقی کہا جاتا ہے۔یورپ میں یہ رسم خط سواحل بحر متوسط پر آباد تجار نے ۸۰۰۰ ق م میں یورپ میں پہنچایا۔سب سے پہلے اہل یونان نے یہ رسم الخط سیکھا۔ابجدی رسم الخط کے موجد اب تک فونیشین لوگوں کو سمجھا جاتا ہے موئن جودڑو، ہڑپا اور چانہوں جودڑو سے جو منقوش مہریں ملی ہیں ان کو حل کرنے کی بہتوں نے کوشش کی لیکن کسی کی قرأت صحیح تسلیم نہیں کی گئی ہے۔ہم خود میں نے بھی ان کو پڑھ لیا ہے کچھ مشکلات کے سبب اپنی تشریحات اہل علم تک نہیں پہنچا سکا۔میری قرأت کے مطابق ان مہرون کی زبان مغربی ایشیا کی زبانوں سے ملتی جلتی ہے اس بات کے منوانے میں ابھی رکاوٹیں حائل ہیں لیکن سندھی مہروں پر جو نقوش ہیں ان میں مغربی ایشیا کے ہر رسم الخط کے نقوش ملتے ہیں۔سبائی بادشاہوں میں سے کئی ایک کے اسماء میں سے ایک لفظ ''ذرح'' ملتا ہے ''ذال'' کی سبائی صورت انگریزی کے کیپٹل H کی سی ہے انگریزی حرف C کو الٹ کر دائیں سے لکھنے سے سبائی ''ز'' بن جائے گا۔ہندوؤں کا ترشول آپ نے دیکھا ہوگا۔ ۳ ترشول کی صورت سبائی حائے حطی ہے، ایک سندھی مہر پر ۲ر کا لفظ ملتا ہے۔سرجان مارشل نے ان مہروں پر پانچ سبائی حروف o ۲۲ﺧ دیکھے یکجا نہیں متفرق مہروں پر دیکھے، ایک مہر پر یہ پانچوں نقوش ہوتے تو میں ان کو فتح سر یعنی کلید راز پڑھتا۔رومن رسم الخط کے تمام نقوش A سے لے کر Z تک سندھی مہروں پر ملتے ہیں ان مہروں پر کوئی ابجدی تحریر ہے یا نہیں، یہ مسئلہ ابھی فیصلہ طلب ہے اس میں شبہ نہیں ہے کہ یورپی رسم الخط کے نقوش ابجد سندھ سے مغربی ایشیا میں اور پھر وہاں سے یورپ پہنچے۔

ابتدائی چار حرفوں کے یونانی نام الفا، بیٹا، گما اور ڈلٹا خبر دیتے ہیں کہ یہ نقوش اپنے ناموں سمیت آلف، بیت، جیم، دالت بولنے والی قوم کے ذریعے یورپ پہنچے۔ان حروف کو یورپ میں فنیقیوں نے پہنچایا۔ یورپی محققین فنیقی رسم الخط کا مصری رسم الخط سے ناطہ جوڑتے ہیں مگر یہ محض خیال ہی خیال ہے اس کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔یورپی رسم الخط کے نقوش اور مصری رسم الخط کے نقوش کے درمیان بہت فرق ہے، لیکن سندھی مہروں پر یہ حروف تقریباً ہو بہو ملتے ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لیے آپ کے سامنے متعدد مہروں کے نوشتے پیش کرنا ضروری ہے۔حروف کی ابجدی ترتیب معروف ہے۔اس ترتیب کے موجد عام طور پر بنو اسرائیل کو خیال کیا جاتا ہے۔کیوں کہ زبور ۱۹، ۲۶، ۳۳، ۳۶، اور نوحہ یرمیاہ باب ۱، باب ۲، باب ۳، باب ۴،

کے دو دو مصرعوں کے بائیس بائیس اشعار ہیں ہر شعر کی ابتدا ترتیب ابجد سے ہوتی ہے۔ زبور ۱۱۸ میں ۱۷۶ مصرعے ہیں۔ ہر آٹھ مصرعے ترتیب ابجد کے ایک ایک حرف سے شروع ہوتے ہیں۔ ترتیب ابجد کی قدامت ان زبوروں کے مطابق ۱۰۰۰ ق م سے کچھ عرصہ قبل تک پہنچتی ہے۔

لیکن حروف ابجد کا مولف کوئی عبرانی نہیں ہے بلکہ یہ کسی عرب کی تدوین ہے کلمات ابجد کے متعارف تلفظوں نے ان کو بے معنی بنا دیا ہے۔ خط متصل کے موجد نے دراصل ۲۲ حروف سے ایک با معنی جملہ ترتیب ابجد کے مطابق لکھا تھا جس کو اعراب دے کر ہم یوں پڑھ سکتے ہیں:

ابجدُ هَوَّزَحطّی کَلِمَنُ صَعَ فَص قَرِشَت

اے باجا دمر گیا حطّی زخم خوردہ بھاگا کترایا تو نے کاٹ دیا۔

یہ ایک قصہ سے ماخوذ فقرہ ہے جس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال عربی زبان میں اس ترتیب کا با معنی ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ترتیب ابجد کی تدوین کرنے والا کوئی عرب معلم خطاطی تھا۔ عربی روایتیں اسے مرامر بن مرہ کا نام دیتی ہیں جو عراق کا باشندہ تھا ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

تعلمت باجادو آل مرامر　　　وسودت اثوابی ولست بکاتب

میں نے باجا داور مرامر کی اولاد دیکھی اپنے کپڑے کالے کر لیے مگر لکھنا نہیں آیا۔

ثخذ ضظغ کا اضافہ اس ترتیب کی عددی قیمت کے خیال سے مسلمان عربوں نے بعد میں کیا، ثخذ ضظغ بے معنی الفاظ ہیں جن کی بدولت باقی چھ کلمات بھی بے معنی ہو گئے۔ نامعلوم زمانے سے اس ترتیب کی ابتدائی ۹ حروف گنتی کے احاد پر، بعد کے ۹ حروف عشرات پر اور اس کے بعد ۹ حروف مئیات پر اور ۲۸ واں حرف ہزار پر دلالت کرتا ہے۔ ابن ندیم نے فہرست میں مختلف قلموں کے نقوش دکھاتے ہوئے سندھی ابجد بھی نقل کی ہے۔ اس کے پہلے ۹ نقوش عربی رقم کی یکائیوں کے مطابق ہیں۔ دوسرے ۹ نقوش میں یکائیوں کے تلے ایک ایک صفر ہے بعد کے ۹ نقوش میں یکائیوں کے تلے دو صفریں ہیں۔ ۲۸ ویں نقش میں پہلی یکائی کے تلے تین صفریں ہیں ۱۱۱۱ کو ابن ندیم کے مطابق الحقع پڑھا جا سکتا ہے جس کا عددی مدلول ۱۱۱۱ ہے ہمارے موجودہ نقوش ارقام ابن ندیم کے مطابق سندھی حروف ابجد تھے۔ عربوں نے نقش کے تلے والی صفروں کو اٹھا کر دائیں رکھ دیا اور اب بے شمار اعداد کو لکھنے کی صورت پیدا ہو گئی۔

بہر حال میری رائے میں حروف ہجا اور ارقام کے موجد سندھ اور پنجاب کے قدماء تھے۔ سادہ حروف ہجا اور نقوش ارقام سندھ سے جنوبی عرب ہوتے ہوئے سواحل بحر متوسط تک پہنچے اور سمندر پار کر کے یونان سے ہوتے ہوئے سارے یورپ میں پھیلے۔

حروف ابجد کے عربی اور عبرانی اسماء ظاہر کرتے ہیں کہ نقوش دراصل اشیاء کی صورتیں تھے۔ چند اسمائے حروف کے معانی سمجھ لیجئے۔

آلف عبرانی میں بیل، عالف عربی میں چرندہ بیل کے سر اور تھوتھنی کی شکل بدلتے بدلتے رومن الفا بنی (**مملکہ** سینائی) فنیقی A رومن

بیت: عبرانی نام گھر یا، بائۃ عربی میں جانور کا باڑا

گیمل: عبرانی اونٹ جیم عربی میں اونٹ

دالت: عبرانی پھاٹک

حیت: دومنزلہ مکان

طیتھ: سانپ

یود: ہاتھ

کف: ہتھیلی، ترازو کی ڈنڈی

لامد: عالم۔ صاحب علم

میم: پانی

نون: مچھلی

سمک: مچھلی

عین: آنکھ

فے: منہ

صادی: پکارنے والا۔ صدا دینے والا۔

قوف: کان کا اٹھا ہوا حصہ، یا گردن و سر

ریش: سر کے بال

تاؤ: × کانٹا

جس طرح بولی کا آغاز تسمیہ اشیاء سے ہوا اسی طرح فن تحریر کا آغاز جیسا کہ اسمائے حروف سے ظاہر ہے تشکیل اشیاء سے ہوا، امرأالقیس نے اپنے ایک مصرعہ میں اپنی ایک محبوبہ کو خط تمثال جیسی خوبصورت بتایا ہے۔ ابن حائک ہمدانی نے قلعہ ناعط کی تعریف میں ایک نظم کہا مدراس کے نوشتوں کا ذکر کیا ہے جن میں اشکال اشیاء اور شکار کی تشکیل کا بھی ذکر ہے۔ مصری خط تمثال کو اہل یورپ نے ہیروغلاقی (Heiroglyph) کا نام دیا ہے۔

میری نظر سے کئی ہیروغلافی تحریریں گزر چکی ہیں ۔ مصری تحریریں کچھ ابجدی اور کچھ نیم ابجدی ہیں ۔ مصری تحریروں میں اگر ابجدی حرف عالی (عین) کا لفظ ملے گا تو اس کا مطلب بتانے کے لیے سامنے آنکھ کی صورت ملے گی ۔ آنکھ کی شکل چوکھٹے میں ہو تو مراد آنکھ ہے ۔ چوکھٹے کے باہر ہے تو اس کے معنی دیکھنا، آنکھ کی پتلی غائب ہے تو معنی ہیں اندھاپن، آنکھ کے تلے قطرات کی شکل ہے تو اس کا مطلب ہے رونا اور رنج و غم نیز وہ مفہوم جیسے قرآن مجید میں عین جاریہ (بہتی نہر) کا لفظ ادا کرتا ہے ۔ کمان معہ تانت کی شکل جو مصری حرف 'ط' بھی ہے زمین و آسمان کی شکل ہے، تحریر اگر دائیں طرف سے شروع ہوتی ہے تو دائیں گوشے میں گول دائرہ صبح کا مطلب دیتا ہے، وسط میں یہ دائرہ ہو تو اس کے معنی ہیں دوپہر، بائیں گوشے میں ہو تو اس کا مطلب شام ہے ۔ وسط میں ایک صلیب لگی ہے تو اس کے معنی ہیں رات اور تاریکی اس طرح لوگوں نے نہ صرف قابل تشکیل اشیاء کی صورتیں منقوش کیں بلکہ بعض خیالات و افکار کو ظاہر کرنے والے نقوش بھی وضع کر لیے تھے ۔ مثلاً بیت اللہ کا لفظ لیجیے ایام قدیم کے مندروں یا عبادت گاہوں پر ایک جھنڈا گاڑتے تھے اس جھنڈے کی شکل ایسی بناتے تھے جیسی کہ ایک کھڑی لکیر کے سرے پر ایک مثلث لگا دینے سے بنتی ہے ۔ گھر کی شکل ایک چوکھٹے کی سی تھی چوکھٹے میں جھنڈا رکھ دیا۔ مصری لفظ حیت نتر بن گیا یہ نقش لفظ نہیں بلکہ نقش معانی ہے ۔ ابجدی لفظ حیت نتر کے سامنے ملے گا۔ آپ عبرانی اور سریانی میں اسے بیت ال، عربی میں بیت اللہ اور فارسی میں خانۂ خدا پڑھ سکتے ہیں ۔ اور اس کی بدلی ہوئی صورت جو بدل کر رومن میں L حجازی میں ل بنی حرف لام کا رومن نام ال عبرانی اور سریانی ال ۔ ایل بمعنی اللہ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے ۔ اس طرح کے ایک اور مفہوم نما نقوش جن کو آپ اپنی محبوب انگریزی میں آئیڈیا گرافی کہہ سکتے ہیں اہل مصر نے وضع کر لیے تھے اور قوموں نے بھی وضع کیے ہوں گے لیکن چوں کہ مصری تحریریں کافی مل چکی ہیں اس لیے ہم کو مصری تحریروں سے یہ حقیقت معلوم ہو سکی ہے ۔ ایک زمانہ تھا جب تحریریں الفاظ کو نہیں بلکہ خیالات کو اس طرح قلم بند کرنے والے نقوش کا مجموعہ ہوتی تھیں جن کو ہر قاری اپنی زبان میں پڑھ سکتا تھا مثلاً موئن جو دڑو کی ایک مہر پر ایک عبارت مکتوب ہے ۔ اس کا پہلا نقش ایک چوپایہ ہے ۔ دوسرا نقش پتے کی شکل کا ہے دونوں کے درمیان ایک ترشول اور اس کے سامنے چھوٹی چھوٹی دو لکیریں ہیں اس تحریر کو آپ خود اپنی زبان میں پڑھ سکتے ہیں چوپایہ کھاتا ہے درخت کے پتے ۔ ابتدائی دور کی تحریریں اسی نوعیت کی تھیں ۔

اشکال اشیاء بدلتے بدلتے محض نقوش بن گئیں جن کی ظاہری شکل اصل سے بہت مختلف ہو گئی ۔ نقش دیکھ کر اس کا مفہوم سمجھنا مشکل ہو گیا لیکن مدتوں تک نقش کا قدیم مفہوم لوگوں کے ذہنوں میں قائم رہا ۔ اس طرح تمثالی رسم الخط بدلتے بدلتے رسمی ہو گیا اور یہ رسمی نقوش قدیم تمثالی مطلب کو ایک مدت تک ادا کرتے رہے ۔

انسانوں کی زبان میں روز بروز الفاظ کا اضافہ ہوگیا۔ مطالب جن کو قلم بند کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کثیر ہو گئے تو تشکیل معانی کے بجائے الفاظ کو قلم بند کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان بے شمار نقوش میں سے جن کو متشکلین افکار استعمال کرتے تھے چند کو سادہ بے معنی آوازوں کے لئے خاص کر لیا۔ اب تک کی معلومات کے مطابق معدودے چند حروف کے لیے معدودے چند نقوش کو خاص کرنے والے عرب کے باشندے تھے۔ عرب کا نام سن کر آپ کو حیرت تو ہو گی مگر یہ حیرت آگے چل کر خود بخود درفع ہو جائے گی۔ قدیم تر ابجدی تحریر یا تو مصر میں ملی ہیں یا عرب میں مصر کی ابجدی تحریروں میں مفہوم نما تشکیلی نقوش مخلوط ملتے ہیں، یمن، شام حبش اور دیگر مقامات کی سامی تحریروں میں مفہوم نما اشکال کی آمیزش نہیں ملتی۔ مصری نوشتوں کی قدامت ۲۵۰۰ ق م تک پہنچتی ہے۔ طویل تحریریں بارہویں خانوادہ کے زمانہ سے ملتی ہیں جو کہ حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ ہے۔

عرب میں جو تحریریں ملی ہیں ابھی تک اتنی نہیں ہیں جتنی مصر میں ملی ہیں ابھی تک کوئی طویل صحیفہ مصری کتاب الاموات جیسا نہیں ملا ہے۔ عربی تاریخ سفرہ و اقلام ابھی تک جدید اکتشافات کی منتظر ہے۔ سب سے قدیم تحریریں وہ ملی ہیں جن میں شاہان معین کے اسماء ہیں قدیم ترین شاہ معین کا زمانہ ۱۳۰۰ ق م کے لگ بھگ قرار پایا۔ مصر کے اٹھارہویں خانوادے کی ایک تحریر کی دو سطریں اصلی حروف میں پھر ان کی قرأت عربی خط متصل میں جسے آپ خط نسخ کہہ لیجیے نقل کی ہے۔ ناسخ اکلیل نے سبائی تحریر بھی غلط لکھی ہے اور اس کی عربی قرأت بھی غلط لکھی، اکلیل کو شائع کرنے والے مصحح کی تحریروں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص کو سبائی کا علم ہمدانی سے زیادہ تھا لیکن وہ ان سطروں کی تصحیح نہیں کر سکا۔ میں نے معروف نقوش حمیری اور ہمدانی کی قرأت دونوں کو سامنے رکھ کر ان سطروں کو یوں پڑھا ہے۔

اوشکت / رعفان / وفر یحو / وحیتق / عشار / رضائح / وزرم

روش / رعفان / اور فر یحو کی / اور آئین / عشار کا / ضائع / اور مستر د کیا جاتا ہے

بہت ممکن ہے کہ مصری تحریروں کا Pere huو اور اس کتبہ کا فریحو دونوں ایک ہوں اگر ایسا ہے تو رعفان اور فریحو کا زمانہ ۱۸۰۰ یا ۱۷۰۰ ق م کے لگ بھگ ہوا۔

ہمدانی نے قصر ناعط کی تعریف میں ایک نظم لکھی ہے۔ جس کا ایک شعر یوں چھپا ہے۔

وکان بہ رقشاں تحمی جنابہ لہ ملک مصر والقرات فسالطا

مصلح علام کو اس شعر کی لغویت کا احساس نہیں ہوا بغیر تصحیح چھوڑ دیا شعر کو یوں ہونا چاہیے۔

وکان بہ رعفان تحمی جنابہ لہ لک مصر و فرات فلاسطا

ترجمہ: اس میں رعفان رہتا تھا جس کی چوکھٹ ملک مصر اور اہل مصر کے افرات کی محافظ تھی

بائبل میں دیکھیے حضرت داؤدؑ کے شہر اور حضرت عیسیٰ کے مولد بیت اللحم کا قدیم نام افرات اور افراتہ تھا۔مصر کے قریب و جوار میں شاہانِ معین کے کئی کتبے ملے ہیں ۵۲۵ ق م میں جب کہ خورس کے بیٹے قمبیس نے مصر کو فتح کیا، جنگ میں ایک طرف سے شاہ معین بھی شریک تھا۔افسوس کہ میرے پاس اصل کتبہ نہیں کہ اس شاہ معین کا نام بتاتا، بہر حال سبا اور شاہانِ مصر کے رابطے بہت قدیم ہیں۔عربی تحریروں کی تاریخ مدون کرنے کے لیے مزید اکتشافات کی ضرورت ہے۔

سرزمین بابل کی تحریروں کی قدامت مصری تحریروں کے برابر ہے۔بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ وہاں میخی (Cuneiform) رسم الخط رائج تھا، چوں کہ میں نے بچشم خود کوئی میخی تحریر نہیں دیکھی ہے اس لیے اس کی بابت میں کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتا اور دوسروں کے بیانات پیش کرنے کے لیے وہاں کی تحریریں پڑھنے والوں کی کتابیں درکار ہیں۔

اب آیئے عرب میں جو کہ مصر، فلسطین، شام، عراق خلیج فارس و عمان بحر ہند اور بحر احمر کے درمیان واقع ہے۔اس ملک کے باشندوں کا آس پاس کے ملکوں سے برابر واسطہ رہا ہے۔عرب تجار زمینی اور سمندری راستوں سے جنوبی ہند، انڈونیشیا اور مصر تک نامعلوم زمانے سے تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔یہ قوم فن تحریر سے ناواقف نہیں ہو سکتی۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عرب باشندے جاہل محض تھے۔لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔یہ خیال دراصل جاہل وعظوں کا عطیہ ہے، جس قوم میں ایسے لوگ تھے جن کی بابت خدا فرماتا ہے **و بالنّجم یھتدون** جن لوگوں کو مخاطب کر کے خدا کہتا ہے کہ "آسمانوں اور زمین کی ساخت میں نشانیاں ہیں ان خردمندوں کے لیے جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں کھڑے ہیں تو کھڑے، بیٹھے ہیں تو بیٹھے اور لیٹے ہیں تو لیٹے اور آسمان اور زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں۔" وہ لوگ جن کو خدا اپنی نشانیاں گنوا کر ان سے کہتا ہے کہ ان عالموں کے لیے نشانیاں ہیں جو تفکر سے کام لیتے ہیں۔ان کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔جن کو شمس قمر اور نجوم کی رفتاریں یاد دلا کر بتایا ہے کہ **ذالک تقدیر العزیز العلیم**۔ ان کو ہم اپنے زمانے کی بولی میں جاہل کہتے ہوئے باک محسوس نہیں کرتے۔قرآن نے جس مفہوم کے لحاظ سے عرب کو قوم تجہلون کہا ہے یا عمر بن ہشام عرف ابو الحکم کو جس معنی کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا لقب دیا اس معنی کے لحاظ سے اس زمانے کے بہت بڑے بڑے مفکرین اور رائے علم و خرد کو بھی اجہل کہا جا سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جس رسم الخط یعنی خط متصل میں قرآن لکھا گیا اس کو جاننے والے عہد نبوت کے آغاز میں بہت کم تھے۔لیکن یمن میں عراق میں شام میں بنولحیان کے علاقہ میں ارض ثمود میں جو نوشتے ملے ہیں انھوں نے

ثابت کردیا ہے کہ عرب میں نامعلوم زمانہ سے اختصار کے ساتھ واقعات کو قلمبند کرنے کی عادت تھی۔ جس قوم کو بتایا گیا ہے کہ فرشتے تمہارے اعمال قلم بند کر رہے ہیں۔ کراماً کاتبین تمھارے ایک ایک عمل کو لکھ رہے ہیں۔ قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک کو اس کا نامہ ہائے اعمال ملیں گے اور تم ان کو پڑھ لوگے۔ جس قوم کے متعلق خدا کہتا ہے بل یرید کل امرئ منھم ان یوتیٰ صحفا منشرہ۔ (مدثر ۵۲) جس قوم نے اپنے رسول سے کہا تھا کہ **او ترقی في السماء ولن نو من لرقيک حتٰی تنزل علینا کتابًا نقرؤہ** ۔ (بنی اسرائیل ۹۳) جس قوم کے عالم بے عمل کی بابت خدا نے کہا **کمثل الحمار یحمل اسفار** (الجمعہ ۵) اس کے متعلق یہ خیال کرو ہ ہندوستان کے چوہڑوں چماروں جیسی بالکل جاہل قوم تھی نہایت عجیب تصور ہے۔

جن پیغمبروں کا قرآن میں نام ہے ان میں سے ایک حضرت ادریسؑ کی بابت عربی روایت ہے کہ خطاطی اور فن تحریر کے موجد وہی ہیں۔ اس روایت کو آپ مسترد کر سکتے ہیں مگر اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کا خیال کیا تھا۔ ایک پیغمبر حضرت ایوبؑ تھے جن کا زمانہ حضرت موسیٰ سے پہلے بتایا جاتا ہے۔ سفر ایوب میں دیکھیے وہ عوص کی سرزمین میں بستے تھے جو کہ کلدانیوں کی سرزمین (ارض بابل) اور اہل سبا کی سرزمین یمن کے درمیان واقع تھی (سفر ایوب ۱:۱، ۱۵، ۱۷) ان کی تین بیٹیاں تھیں ایک کا نام یمامہ ایک کا قرن فوک اور ایک کا نام مصیعہ۔ بائبل کے اکثر شخصی اسماء مقامات کے اسماء بن گئے۔ یمامہ جسے بنو یمامہ کا دیس ہونے کی وجہ سے یہ نام ملا۔ جنوبی عرب کے شرق وشمال میں ارض بابل کے مغرب وجنوب میں واقع ہے۔ قرن نام کی عرب میں کئی بستیاں تھیں۔ نجران کے پاس معین ومراقش نام کے دو قصر تھے جن کا عربی اشعار میں ذکر ملتا ہے۔ ان قصروں کی تحریریں مل چکی ہیں اور شائع ہو چکی ہیں۔ مراقش کا قدیم نام یثیل تھا اور معین قوم کا نام تھا۔ قلعہ کا نام قرنو تھا۔ ان دلائل کی بناء پر مانا جاتا ہے کہ حضرت ایوبؑ ایک عرب تھے۔ سفر ایوب کی زبان قرآنی عربی تو نہیں مگر بہت قدیم زمانہ کی عربی ہے۔ سفر ایوب میں ایک موقع پر حضرت ایوبؑ فرماتے ہیں۔

می یتن الو ویکتبون ملیٰ می یتن بسفر ویحقو بعط بر ذل و عفرت بعد یحصبون

ہے کوئی جو لائے اپنا خامہ اور لوگ لکھ لیں میرا کلام ہے کوئی جو لائے ایک دفتر اور لوگ قلم بند کر لیں لوہے کے قلم اور سیسہ کے پتھر پر ہمیشہ کے لیے کندہ کر لیں۔

فن تحریر کا آغاز جیسا کہ بتا چکے ہیں تشکیل اشیاء سے ہوا جو ترقی کر کے تشکیل خیالات پر پھر ابجدی حروف میں کتابت الفاظ پر منتہی ہوا۔ فن تحریر کے آغاز کا ایک طریقہ اور تھا جسے ہم سمات کہتے ہیں۔ سمات وہی لفظ ہے جسے عبرانی میں شموت کہتے ہیں۔ عربی میں سمات جمع ہے سمہ کی جو اصل میں وسم تھا عبرانی شموت جمع ہے شم کی جس کا عربی تلفظ اسم ہے۔ بائبل کی دوسری کتاب جسے سفر خروج کہا جاتا ہے اس کی ابتدا اس بیان سے ہوتی ہے

کہ ''یہ ہیں بنی اسرائیل کے اسماء'' اسماء کے بجائے عبرانی لفظ شموت ہے۔ عرب اپنے اونٹوں کے بدن پر جو طرح طرح کے نقوش داغتے تھے اور اب بھی داغتے ہیں ان کو سمات کہا جاتا تھا۔ یہ نقوش دراصل اشخاص کے نام ہوتے تھے۔ فرض کر لیجیے کہ زید کے پاس چار اونٹ تھے، شناخت کے لیے اس نے + ایسا نشان اپنے اونٹ پر داغا جس کو آپ چلیپا کہہ سکتے ہیں تو یہ نقش زید کا نام بن گیا اور بعد میں اس کے اونٹ چار بیٹوں میں تقسیم ہوئے۔ ہاشم نے O + دائیں ایک حلقہ بنا دلیا کاظم نے ا+ یہ صورت بنائی۔ ناظم نے ے+ یہ صورت بنائی۔ قاسم نے •+ بنائی۔ اب یہ چار نام ہو گئے۔ سمات پہلے تو افراد کے نام تھے بعد میں قبائل کے نام بن گئے، بنو غاضرہ کے سمت کا ذکر ایک شاعر نے یوں کیا ہے کہ:

کرم علیها سمة الغواضر　　　　الحلقتان والشعاب الفاجر

انگریزی حرف V کی شکل کا نام شعاب تھا۔ اوپر دو حلقے بڑھانے سے یہ غاضرہ کا نام بن گیا۔ اس طرح بہت سے نشانات مشہور قبائل کے نام بن گئے جیسے جہینہ کا نام تشکیل نصف النہار کے ساتھ سبائی س شنترہ کا۔ چوں کہ ہر نام ایک نشان ایک معنی کو متضمن ہوتا ہے اس لیے بہتر ہے سمات بامعنی الفاظ بن گئے اور ان الفاظ نے بھی آیندہ چل کر حروف تہجی کی صورت بنا Tedore Bent نے اپنے سفر نامہ میں کئی سمات ابل نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کو نقل کرتے وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں سبائی حروف تہجی کی مشق کر رہا ہوں۔ خود مجھے ان میں کم از کم ۱۴ نقوش سبائی ابجد کے سے ملے۔ بہت سے عربی سمات ہم کو سندھی مہروں کی تحریروں میں ملے ہیں۔

عرب میں تحریر کے متعدد طریقے رائج تھے، ایک رسم الخط کا نام ''رمل'' تھا۔ اب تو رمل جادو منتر کے نقوش تصور کر لیا گیا ہے مگر دراصل خط رمل ریت پر لکھی ہوئی تحریر کا نام تھا۔ یہ تحریر صرف دو نقوش کے الٹ پھیر سے بنتی تھی۔ ایک نقش گول دائرہ تھا جو کاغذ پر آنے کے بعد نقطہ بن گیا۔ دوسرا لفظ ایک پڑی ہوئی لکیر۔ نقطے کبھی ایک کبھی دو کبھی تین ہوتے۔ اسی طرح پڑی لکیریں کبھی ایک کبھی دو کبھی تین تین۔ ایک لکیر کے تلے ایک اور دو اور تین دائرے اسی طرح اوپر ایک دو تین دائرے۔ پھر دو لکیروں اور تین لکیروں کے تلے اوپر ایک دو تین دائرے۔ اس طرح دائروں اور لکیروں کی کمی بیشی اور فوقیت و تحتیت کے فرق سے طرح طرح کی باتیں ریگزاروں سے گزرنے والوں کی رہنمائی کے لیے لکھی جاتی تھیں اس طرز تحریر کا نام خط رمل تھا۔

دوسرے رسم الخط کا نام جفر تھا۔ جفر بزغالہ کی کھال کو کہتے ہیں کھال پر لکھنے کے نقوش پتھروں پر کھودے جانے والے نقوش سے مختلف ہوتے تھے کیوں کہ یہ قلم اور روشنائی سے لکھے جاتے تھے۔ اس پر خط تمثال اور تشکیل خیال کے نقوش اور ابجدی تحریریں لکھی جاتی تھیں۔ لکھنے والا طرح طرح کے کمالات تحریر

استعمال کرتا تھا۔ یہی خط قرطاس بھی بنا جو پہلے خطِ منفصل تھا۔ پھر عربوں نے اُسے خطِ متصل بنایا جس کو ہم اور آپ بخوبی جانتے ہیں۔ عہد اسلام کے خطاطوں نے اس میں طرح طرح کے کمالات کا اضافہ کیا ان اضافوں پر کوئی خطاط ہی روشنی ڈال سکتا ہے۔

تیسرے خط کو ہم خطِ زبر کہہ سکتے ہیں۔ زبر کے معنی ہیں لوہے یا پتھر کی تختیاں، کسی بات کو ہمیشہ کے لئے قلم بند کرنا ہوتا تو جیسا کہ ایوب ۱۹: ۲۴ کے مطابق لوہے کے قلم سے پتھر میں حروف کھود کر اس میں سیسہ بھر دیا جاتا تھا۔ تحریر الواح کو زبر کہا جاتا ہے۔ ایک تبع کی طرف منسوب شعر:

زبر نامی و سفارز بور مجد فیتزء القرمس

موئن جودڑو اور ہڑپا کی مہروں کے دریافت ہونے سے پہلے تک ہندوستان اور پاکستان میں پائے جانے والے قدیم نوشتوں کی قدامت ۲۵۰ ق م سے پیچھے متعین کی جاتی تھی۔ ہڑپا وغیرہ کی مکتوب مہریں ۳۰۰۰ ق م سے پہلے زمین میں مدفون ہو گئی تھیں ان کے وجود کا علم بیسویں صدی کے ربع اول تک کسی کو نہ تھا۔ چین کا حال مجھے نہیں معلوم، عرب کے دیار میں جو تحریریں ملی ہیں ان کی قدامت ۱۸۰۰ ق م تک پہنچتی ہے۔ یونان میں ۱۰۰۰ ق م سے فن تحریر رائج ہوا مصری تحریروں کی قدامت ۳۵۰۰ ق م تک پہنچتی ہے۔ عراق کے مٹی کتبوں کی قدامت بھی اس سے کم نہیں لیکن یہاں کی رسم الخط کی بابت میں اپنی تحقیق کے زور سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

جدا جدا حروف میں لکھی جانے والی عبارت کو کئی طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ایک فرشتے کا نام میکائیل مشہور ہے۔ یہ اس فرشتے کے نام کا یہودی اور نصرانی تلفظ ہے۔ قرآن پاک نے اس تلفظ کو بالارادہ بدل کر نام میکال بنا دیا اس کے باوجود مسلمانوں کی زبان پر میکائیل چڑھا ہوا ہے کیوں کہ لوگوں کو نام کا تلفظ بدلنے کی وجہ کا علم نہیں۔

اس نام کے حروف ۵ ہیں م ی ک ال، ان پانچ حرفوں کو تین طرح پڑھا جا سکتا ہے

(۱) می ک ال: عبرانی کے مطابق ترجمہ ہوا می وہ جو ہے ک مثل ال خدا کے (یہ مشرکانہ تصور ہے اسی لیے قرآن نے نام کا تلفظ بدل دیا)

(۲) می کال: وہ جس نے ناپا۔ اس ترجمہ کے مطابق فرشتہ میکال کو روزی رسانی پر موکل مانا گیا ہے۔ نام کا یہ مطلب ہو یا نہ ہو اس تلفظ نے مشرکانہ تصور کو مسترد کر دیا۔

(۳) میک ال: مجھے میک جیسا کوئی لفظ بائبل میں نہیں ملا ہے میری عبرانی دانی صرف بائبل اور سفر ھباشار کے مطالعہ تک محدود ہے

بہر حال خطِ منفصل میں ایک عیب یہ ہے کہ عبارت کے منفصل حروف کو مختلف عبارتوں میں پڑھنا

ممکن ہو جاتا ہے۔اس لیے مرامر بن مرہ نے عربی کے ۲۸ حروف میں سے ۱۴ حروف چنے جن کو نقطوں کے ذریعے ۲۸ بنا دیا اور ۱۴ نقوش میں سے ''وارذ'' کے سوا باقی دس نقوش ایک دوسرے سے متصل لکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔حروف ''وارذ'' اپنے سابق سے متصل ہوتے ہیں لاحق سے متصل نہیں ہوتے۔اس لئے آدم، آزر، داود، ارض جیسے الفاظ کم ہیں۔زیادہ تر الفاظ ایسے ہیں جو محمد، سعید، مجید اور رحید کی طرح ایک کشش قلم میں لکھے جاتے ہیں۔اس رسم خط نے تحریر کو مختصر اور رواں بنا دیا اور طرح طرح کی خوبصورتی پیدا کرنے کے امکانات پیدا کر دئے اور تحریف کلام کو تقریباً ناممکن بنا دیا۔سامی تحریروں میں اعراب اور اوقاف کے نشانات نہ تھے۔مسلمانوں نے قرآن کو صحیح پڑھنے اور پڑھانے کے لیے فتحہ، ضمہ، کسرہ، جزم، شد، مد اور اوقاف کے نشانات کا اضافہ کیا۔عبرانی بائبل میں آپ کو جو حرکتوں کے نشانات ملیں گے وہ اسلامی دور کا اضافہ ہیں۔

بااعراب عبرانی توراۃ کے قدیم سے قدیم نسخے بااعراب قرآنی نسخوں کے بعد ہی وجود میں آئے۔

فن تحریر کی بابت بحث کو میں نے تا امکان مختصر کیا ہے بہت سی ضروری باتیں چھوڑ دی ہیں۔ایک بات مزید عرض کرکے اپنی تقریر ختم کرونگا۔

تاریخی کتابیں لکھنے کا سلسلہ سب سے پہلے اہل مصر نے شروع کیا سب سے قدیم مؤرخ مصر کا ہے پھر تاریخ نویسی کے فن کو بنو اسرئیل نے اٹھایا۔پھر یونان

والوں نے ہیرو ڈوٹس کو تاریخ کا بابا آدم بتایا ہے جو کہ محض ایک بے جا غرور ہے اہل یورپ کا ایران اور ہندوستان میں افسانے تو لکھے گئے لیکن حقیقی معنوں میں تاریخ سے ان دونوں ملکوں کی تحریریں نابلد ہیں

سب سے قدیم مذہبی کتاب ویدوں کو بتایا جاتا ہے۔اس بیان کو قبول یا رد کرنے کے لیے کافی غور کی ضرورت ہے۔ویدوں کا کوئی قدیم نسخہ ایسا برآمد نہیں ہوا جس کا زمانہ کتابت قرآن مجید تو کو کیا گلستان بوستان کے قدیم ترنسخوں تک پہنچ سکے۔سب سے قدیم کتاب جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ صحف ابراہیم ہیں جو کہ اب نابود ہو چکے ہیں۔حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کے کسی پیغمبر کی کتاب کا قرآن میں ذکر نہیں۔اس کے بعد قدامت کے لحاظ سے قرآن میں صحفِ موسیٰ، توراۃ، زبور اور انجیل کا ذکر ہے۔صحف موسیٰ اور توراۃ میری تحقیق میں ایک کتاب کے دو نام ہیں۔سب سے آخری الہامی کتاب جو قلم بند ہوئی وہ قرآن مجید ہے، جس میں خدا نے ہم کو اطلاع دی کہ استعمال قلم کی تعلیم انسان کو خود اس ذات نے دی ہے۔جس نے قرآن کی تعلیم دی اور انسان کو بولنا سکھایا۔

دیارِ ہند وسند

مولانا ابو الجلال ندوی

مغربی شام کے عیسائی مصنف جو ظہورِ اسلام سے پہلے قرونِ وسطیٰ میں گزرے، حبش اور جنوبی عرب کو ''ہند'' کہتے تھے۔ (ہندنامہ، مرتبہ سید احمد اللہ قادری مضمون ''ہند کے نام نوشتہ'' سید احمد اللہ قادری)

حبشی ہند:

عرب میں الرماح السمہر یعنی ''سمہر کے نیزے'' بہت مشہور تھے، یہ نیزے حبش کی ایک بستی سمہر میں بنتے تھے۔ یاقوت نے سمہر کے ذکر میں لکھا ہے کہ مجھے ایک قابلِ وثوق آدمی نے بتایا کہ:

ان ھذہ القریۃ فی جزر من النیل یاتی من ارض الھند

یہ بستی نیل کے ایک جزر (مبلغ سیلاب) میں واقع ہے جو ارضِ ہند سے آتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یاقوت المتوفی ۶۲۵ھ کے زمانے تک ملک حبش کے ایک علاقے کو ''ارضِ ہند'' کہا جاتا تھا، کیوں کہ ایک زمانے میں یہاں ''ہند'' کہلانے والی ایک قوم بستی تھی۔

یمنی ہند:

ابن حائک ہمدانی نے اکلیل جزو ہشتم میں اپنی ہی کتاب اکلیل جزو نہم کے حوالے سے ایک قدیم کتبے کی دو سطریں نقل کی ہیں، یہ کتبہ حقل قتاب کی ایک قدیم قبر میں سے برآمد ہوا تھا جس میں مکتوب تھا کہ:

انا شمعہ بنت ذو مراثد تنک اذا وحمکُ اول فالقشم من ارض الھند بطلۃ ذاھلا

''میں ہوں ذو مراثد کی بیٹی شمعہ، جب مجھے جاؤ ہوتی تو ارضِ ہند سے تازہ بتازہ خریف کے میوے لادیے جاتے تھے''۔

زمانۂ تحریر نامعلوم ہے لیکن یقیناً یہ تحریر بہت قدیم عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کتبہ کا ارضِ ہند یا تو حبشی ارضِ ہند ہے یا خود جنوبی عرب کے ایک حصہ کا نام ہے۔

ظہورِ اسلام کے زمانے میں یمن پر ایران کے مرزبانوں کا راج تھا جنھوں نے ۶۰۰ء کے قریب اہلِ حبش سے یہ دیس چھینا تھا۔ اس سے پہلے یہاں حبش کے امراء حکومت کرتے تھے جنھوں نے ۵۲۵ء میں یمن کو فتح کیا تھا۔ اس زمانہ سے پہلے حسبِ ذیل ملوک یمن کے فرمان روا تھے:

۱۔ مَلِک یُکرِب یُهَیمِن (روایتی ملک یکرب) ۳۷۸ء میں موجود
۲۔ ذا امر ایمن بن ملک یکرب (روایتی عمرو بن تبع)
۳۔ ابو کرب اسعد بن ملک یکرب (کہانیوں نے تقریباً ساری تاریخ یمن کو اس کی داستان بنا رکھا ہے)
۴۔ شُرحبیل یعفر بن ابو کرب (حسان بن تبع) ۴۵۱ء میں موجود
۵۔ عبد کلیل (روایتی عبد کلال) ۴۵۵ء میں موجود
۶۔ شرحبیل ینُوف ۴۶۰ء میں موجود
۷۔ مرثد الات ینوف (روایتی مرثد بن عبد کلال) ۴۸۰ء میں موجود
۸۔ معدی کرب نیعم (ولیعہ بن مرثد؟)
۹۔ لَهیَعَه ینوف بن معدی کرب ذو شناتر (روایتی لخیعہ بن ینوف ذو شناتر)
۱۰۔ یوسف ذو نواس ۵۲۵ء میں مارا گیا

یہ اسماء استادِ محترم علامہ سید سلیمان علیہ الرحمۃ کی "ارض القرآن" سے مع سنین نقل کیے گئے، تطبیقات کا ذمہ دار میں ہوں۔ ملک یکرب کی حکومت کے قیام سے پہلے یمن پر جو کچھ گزری اس کا خلاصہ ایک روایتی کتبہ پیش کرتا ہے، یاقوت نے ظفار کے ذکر میں نقل کیا ہے کہ اس شہر کی چہار دیواری کے ایک ستون پر مکتوب پایا گیا تھا کہ:

لمن ملک ظفار؟	لحمیر الاخیار	ملک ظفار کس کا؟ حمیر اخیار کا
لمن ملک ظفار؟	للحبشۃ الاشرار	ملک ظفار کس کا؟ حبشِ اشرار کا
لمن ملک ظفار؟	لفارس الاحرار	ملک ظفار کس کا؟ فارسِ احرار کا
لمن ملک ظفار؟	لحمیر سحار	ملک ظفار کس کا؟ حمیر کو واپس ملے گا

ذمار کے ذکر میں لکھا ہے کہ قریش نے دوبارہ تعمیر کے لیے جب (۵۹۵ء میں) خانہ کعبہ کو ڈھایا تو اساسِ کعبہ میں ایک پتھر ملا جس پر مسند میں مکتوب تھا:

لمن ملک ذمار	لحمیر الاخیار	ملک ذمار کس کا؟	حمیر اخیار کا
لمن ملک ذمار	للحبشة الاشرار	ملک ذمار کس کا؟	حبشہ اشرار کا
لمن ملک ذمار	لفارس الاحرار	ملک ذمار کس کا؟	فارس احرار کا
لمن ملک ذمار	لقریش التجار	ملک ذمار کس کا؟	قریش تجار کا
ثم جار مجار		پھر اپنی جگہ لوٹ گیا	

چوتھی صدی کے وسط میں حبش پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جسے عرب ''اذینہ ذوالانواح'' کہتے تھے، اس کا ایک کتبہ یونانی زبان میں ملا ہے، یونانی نام اس کا Aizanas تھا۔ یہ شخص خود کو ''ملک سبا ذوریدان'' بھی لکھتا ہے، یہ ابرہہ ذوالمنار کا پوتا ہے۔ عربی کہانیاں ابرہہ ذوالمنار اور اس کے بیٹے عمرو ذوالاذعار کو بھی یمن کا حاکم بتاتی ہیں۔ اس کے زمانے میں ایک ایرانی کاوس نے یمن پر حملہ کیا تھا عرب کی روایت کے مطابق ایک حسن بن ہانی نے اس سے جنگ کی اور اسے زندہ گرفتار کرلیا۔ حسن بن ہانی کی زبان سے کہا گیا ہے کہ وقاطاقابوس فی سلاسلنا سنین سبعا وقت لنا سجا۔ ایرانی کہانی کے مطابق اسے عمرو ذوالاذعار نے گرفتار کیا تھا۔ رستم نے پھر یمن پر حملہ کیا اور کاوس کو چھڑا لایا، اس کاوس کو کیے کاوس قرار دے کر طبری وغیرہ نے عمرو ذوا ذعار کا ٹھیک زمانہ یعنی چوتھی صدی عیسوی سے ڈیڑھ ہزار برس قدیم قرار دے دیا ہے۔ اس زمانہ خلفشار سے پہلے ۲۸۵ء تک یمن پر ''ملک سبا و ذوریدان'' کہلانے والے ملوک حکومت کرتے تھے۔ ۲۸۵ء سے ۳۷۵ء تک نوے برس کا زمانہ جو گزرا، اس میں حمیر، حبش، فارس اور ایک خاندان قریش تجار، یمنی حکومت پر استیلا جمانے کی جدو جہد کیا کرتے تھے، اس زمانہ میں یمن کے اس قدر حصہ کو جس پر حمیر کا ''تسلط تھا ارض ہند'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ

''ایک سریانی مصنف اتپی فانوس نے جو ۳۶۸ء میں گزرا، ہندوستان کی نو سلطنتوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک کا نام حمیر بتایا ہے جو یمن کا مشہور فرمان روا خاندان ہے''

(ہندنامہ مرتبہ سید احمد اللہ قادری مضمون ''ہند کے نام نوشتہ'' سید شمس اللہ قادری)

عرب نسابوں کے نزدیک حمیر تین تھے (۱) حمیر اکبر بن سبا اکبر (۲) حمیر اصغر بن سبا اصغر بن حمیر اکبر (۳) حمیر ادنیٰ۔ ان کی بابت لفظ حمیر کے ماتحت یاقوت نے لکھا ہے کہ ابن ابی الدمنا الھمدانی کا بیان ہے کہ:

ھم اھل غتمقو لکنة فی الکلام الحمیری والی حمیر بن الغوث

ھذا ینسب اکثر ھدہ اللغةالحمیریہ

یہ لوگ حمیری زبان اٹک اٹک کر عجمی آمیز بولتے تھے اور جس زبان کو حمیری کہا جاتا ہے

اس کا بڑا حصہ انھیں حمیر بن الغوث کی طرف سے منسوب ہے۔

۲۸۵ء سے ۳۷۵ء تک نوے برس جو خاندان حبش، قریش اور ایران والوں سے نبرد آزما رہا اور ۳۷۵ء سے ۵۲۵ء تک ڈیڑھ سو برس یمن پر حکومت کی اسی کا نام حمیر ادنیٰ ہے۔ حمیر بن الغوث کے ایک بھائی کا نام زید بن الغوث، جس کے پوتے کا نام منصب بن مالک تھا۔ اس منصب کا لقب الیشرح تھا۔ یمن کے مشہور قصر غمدان کا بانی، صحیح تر روایت کے مطابق یہی تھا (یاقوت ذکر غمدان)۔ یمن میں اب تک جو سبائی ملوک سد مارب کے کتبات سے معلوم ہوئے ہیں ان کے مطابق یمن پر ایک زمانے میں [illegible] مکرب سبا حکومت کرتے تھے۔ "مکرب" مرکب ہے "مِی" (عبرانی میں بمعنے من) اور "کرب" (خدمت کی) اس لقب کا ٹھیک ترجمہ خادم سبا ہے۔ اس کے بعد [illegible] (ملک سبا) کہلانے والے لوگوں نے راج کیا۔ خادم ترقی کر کے [illegible] ملک یعنی بادشاہ بن گیا خدمت گار تھا مخدوم بن گیا، ہر کہ خدمت کرد آں مخدوم شد۔ ان بادشاہوں کے بعد ملک سبا و ذو ریدان کہلانے والے بادشاہ حکومت کرنے لگے، آخری ملک سبا ایک فرع نہب تھا اور اولین ملک سبا و ذو ریدان اس کا بیٹا الیشرح تحصب تھا، یہی الیشرح منصب ہشام بن محمد کلبی کے بیان کے مطابق غمدان کا بانی تھا اور یہی حمیر ادنیٰ کے بھائی زید بن الغوث کا پوتا منصب تھا۔ اس الیشرح یا اس کے بھتیجے الیشرح یحمل کا ذکر الیسروس کے نام سے رومیوں نے بھی کیا ہے ۲۵ء میں ایک رومی فوج نے الوس گالوس کے ماتحت یمن پر چڑھائی کی تھی۔ حملہ ناکام رہا اس زمانہ میں الیسروس بادشاہ یمن تھا۔ الیشرح کے وقت سے یاسر ینعم کے وقت تک ۱۵ بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی پھر ۲۸۰ سے ۲۸۵ء میں ایک شمر یرعش بادشاہ ہوا، اس کے بعد "دلمن ملک قمار" کا زمانہ شروع ہوا، بادشاہ کی تعداد تو ۱۵ ہے مگر پشتیں صرف ۱۳ ہیں۔ ہم پچھلی سطروں میں دیکھ آئے ہیں کہ شرحبیل یعفر بن ابو کرب بن ملک یکرب تین پشتوں نے ۷۵ برس حکومت کی اس حساب سے ۱۳ پشتوں کا زمانہ ۳۰۰ برس ہوتا ہے اور اس لیے الیشرح منصب کا زمانہ ۲۰ ق م قرار دیا جا سکتا ہے، اس لیے حمیر اصغر کا زمانہ اس سے ۸۰ برس پہلے ۱۰۰ ق م کے قریب شروع ہوگا۔ الیشرح منصب سے پہلے "ملک سبا" کہلانے والے ۱۷ بادشاہوں نے حکومت کی لیکن پشتیں ۱۴ گزریں جن کے لیے ۳۵۰ برس مقرر کیے جا سکتے ہیں اور ملک سبا کہلانے والے بادشاہوں کا زمانہ آغاز ۳۷۰ ق م قرار دیا جا سکتا ہے۔

الیشرح منصب ایک شخص عمرو بن قیس کی اولاد تھا جو اس سے دس پشت اوپر کا مؤرث تھا۔ اس کے ایک فرزند کا نام حسان بن عمرو تھا جس کا زمانہ از روئے حساب ۲۲۵ ق م قرار دیا جا سکتا ہے یعنی ملک سبا کے زمانہ آغاز سے ۱۴۵ برس بعد، اس حسان بن عمرو کی بابت یاقوت نے لکھا

محمد بن السائب نے کہا......وہی شعبان ہے اور اسی کی طرف امام شعبی منسوب ہیں، ان کو بلفظ تثنیہ شعبین اس قصہ کی وجہ سے موسوم کیا گیا جو مجھ سے ذوالکلاع کے ایک شخص نے بیان کیا۔ وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یمن

میں سخت سیلاب آیا، اس نے زمین پھاڑ دی، ایک تہ خانہ نمودار ہوگیا، میں اس تہ خانہ کے اندر داخل ہوا ایک تخت پر ایک لاش دیکھی جو زری کی چھینٹ کا جبہ پہنے تھی سر پر ایک سرخ یاقوت تھا ہاتھ میں سونے کی کڑی تھی، ایک لوح تھی جس پر مکتوب تھا:

بسم الله رب حمير O انا حسان بن عمرو القيل O حين
لا قيل الا الله O مُتُّ ازمان زخر هيد O

هلك فيه اثنا عشر الف قيل O و كنت اخرهم قيلا. فاتيت ذاشعبين
ليجبرني من الموت فاخفرني

یہ سبب ہے کہ حسان کو شعبان کہا گیا۔ چوں کہ تثنیہ و جمع کی طرف نسبت نہیں کی جاتی اس لیے الشعبی کہا گیا (معجم البلدان ذکر شعبین)

اس عبارت کا ترجمہ کرنے سے پہلے اس کی اصلاح ضروری ہے کیوں کہ عبارت میں کچھ غلطیاں ہیں۔ (حین) کا لفظ بے محل ہے۔ غالباً یہ لفظ عبرانی חזה (حزیٰ = پادری، دیکھو) کی بدلی صورت ہے۔ اس کتبہ کو ابن خلدون نے بھی نقل کیا ہے میرے پاس ابن خلدون کا عربی نسخہ نہیں ہے اس کا اردو ترجمہ ہے مترجم نے کتبہ کی جو عربی عبارت نقل کی ہے اس میں (زخر هید) کی جگہ هید ما هید ہے، لیکن صحیح عبارت هید مات هد ہے یہی اصل کتبہ کی عبارت ہوگی۔ محمد بن السائب نے مات کا ترجمہ چھوڑ کر هید اول کا ترجمہ زخر کیا ہے۔ زخر القوم کے معنے ہیں "جنگ یا اعلان جنگ کے لیے لوگ جوش میں آئے" لسان العرب میں لفظ هید کے ماتحت مکتوب ہے کہ:

ايام هيد ايام موتان كانت في	ایام ہید سے مراد مرگ انبوہ کے دن جو زمانہ
العرب في الدهر القديم يقال	قدیم میں عرب میں واقع ہوئے ان دنوں
مات فيه اثنا عشر الف قتيل	میں کہا جاتا ہے کہ ۱۲ ہزار کشتے مارے پڑے

مــت یــا مــات کے معنی کلدانی اور قدیم حمیری میں ملک اور دیس ہے۔ حضرموت کا اصل نام [illegible] حضرمت ہے۔ یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے حضر بمعنی شاہ نشین شہر مت یا مات بمعنے ملک حضرمت ملک کا شاہ نشین شہر۔ هید دوم ایک جغرافی نام ہے، العمرانی نے اس کا ذکر اسماء الاماکن میں کیا ہے (یاقوت لفظ هید) هند اور هنید مرادف لغات ہیں۔ ہند کو ایرانی "ہندو" اور عبرانی "هدو" کہتے تھے (استر ۱:۱) هید دوم دراصل هد ہے جس کا ذکر ایک کتبہ میں عنقریب آپ کو ملے گا ان وجوہ کی بنا پر (زخر ہند) کو ہم هید مات هد پڑھیں گے۔

اثناعشر الف قیل غلط ہے قیل دس ہزار کے رئیس کو کہتے تھے ۱۲ ہزار قیل کا وجود ۱۲ کروڑ نفوس کو مستلزم

ہے ۔یمن میں اتنے نفوس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ۔طبری کے مترجم نے "اثنا عشر الف قبیل" لکھا ہے اور یہ ترجمہ ۱۲ ہزار قبیلے مار ڈالے ہیں ۔صحیح قرأت لسان العرب کے مطابق اثنا عشر الف قتیل ہے ۔ایام ہند میں نہ ۱۲ ہزار قتل مارے گئے نہ ۱۲ ہزار قبیلے مارے گئے ۔

ذا شعبین غلط ہے ۔ہمدانی کے بیان کے مطابق صیغہ تثنیہ حمیری میں رفع ،نصب ،جر تینوں حالات میں ایک ہوتا تھا اگر یہ کتبہ ہم کو مل جائے تو ابن الشراحیل الشعبی انھیں میں سے تھے ،اور ان کا شمار ہمدان میں تھا ،شام میں جو بسے شعبانی کہلائے ۔یمن میں جو بسے وہ ال ذی شعبین (الذی شعبان کا جدید تلفظ مطابق عربی مبین) کہلائے اور جو مصر میں بسے وہ اشعوب کہلائے ۔

روایتی کتبہ سے صاف ظاہر ہے کہ [illegible] معنی ذوشعبان صاحب تحریر حسان بن عمرو کا نہیں بلکہ ایک اور شخص کا نام تھا ۔جس کی طرف غلطی سے بنو حسان منسوب ہوئے ،اس شعبان یا ذوشعبان کا ذکر آگے آیا ہے اب کتبہ کی اصلاح کے بعد اس کا ترجمہ کریجیے:

> بسم الله رب حمير O انا حسان بن عمرو القيل O هين لا قيل الا الله مت ايام هيدمات هد O هلك اثنا عشر الف قتيل O كتيت اخرهم قتلق O فاتيت ذشعبن ليجيرني من الموت فاخفرني
>
> اللہ خدائے حمیر کے نام سے ۔میں ہوں فرماں روا حسان بن عمرو ،دیکھو اللہ کے سوا کوئی فرماں روا نہیں میں نے ارض ہند کی مرگ انبوہ کے دنوں وفات پائی ان دنوں ۱۲ ہزار کشتے مارے پڑے سب سے آخر میں جو مارا گیا وہ میں ہوں میں ذوشعبان کے پاس آیا تا کہ وہ مجھے موت سے بچائے لگر اس نے امید پوری نہ کی ۔

اس کتبہ کے مطابق ۲۵۰ ء سے ۔ ۳۰۰ ق م کے درمیان (مات حد) کے اندر کسی وجہ سے ۱۲ ہزار کشتے مارے پڑے ۔ذوشعبان کے نام سے جس شخص کا اس کتبے میں ذکر ہے اس کو پہچاننے کے لیے ذیل کے کتبوں پر غور فرمایئے جن کو گلیسی کی دختر ان اسبا سے نقل کرتا ہوں:

> [illegible]
>
> ال عذ یلط ملک حضرمت من عم وذ ریر
>
> [illegible]
>
> ا و جذلن انودم هسلقب ثمر من نجج

مطلب اس کا یہ ہے کہ "شمر بن یجح" کو لقب دینے کے لیے اس بادشاہ نے قصر انودم تک سیر فرمائی
لیکن غلطی نے شمر بن یجح کے ذکر کو حذف کر کے ھسلقب کا ترجمہ کیا ہے

in order to assume his titles.

شہر مذ من وال مقربت من ذمرم اب فحل

من الکمم وھب ال من ھکحد شوھو

مؤاسم ال عذ یلط ملک حضرمت من عم ذخر

مت سیر اد جنن جہس انودم

غلطی نے آخری سے پیشتر لفظ کو یونہی لکھ کر پھر کی صورت میں اصلاح دی ہے ۔ ہم
اصلاح کو غیر ضروری سمجھتے ہیں ۔ جنن وہی عربی لفظ جنان (گلستان و بوستان) ہے جہس یا تو کسی خاص نبات کا نام
ہے یا جھیمہ کی طرح کسی خاندان و قبیلہ کا نام ہے ۔ جس کی طرف انودم کی جائے وقوع منسوب تھی اور ایجنن جہان
یعنی گلستان جہس کہا جاتا تھا ۔ مطلب کتبہ کا یہ ہے کہ جب بادشاہ حضرموت ال عذ یلط نے گلستان جہس یعنی انودم تک
سیر فرمائی تو اس کا ساتھ شہر مذ نے دیا تھا ۔ شہر مذ کے دادا ذمارم اب فحل کے نام کا ملک ذمار سے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو
نام تو ذمار سے کھلا رابطہ رکھتا ہے ۔ خود مار کا شہر ہونے کی وجہ سے ذمار کو ذمار کہا گیا ۔

یدم بن زلحم ومرشدم من شعلن ثو حمیر

یتحن شوھو مراس ئین ال عذ یلط ملک

حضرمت من عم ذھر مت سیراد جندع لقس

انودم ھصلل وھلقب بت یجح سمین

مراس می ادن نوب ینعم ملک سبا

وذریدان تبع ہشیع اھن

غلطی نے پہلے یونہی لکھ کر پھر جا بجا اصلاحیں دے کر اور آخری الفاظ (تبع ہشیع اھن) کو چھوڑ کر اس کا ایک بالکل غلط ترجمہ دیا ہے جس کی غلطی ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے۔ ٹھیک ترجمہ اصلاح کے بغیر یوں کیا جا سکتا ہے:

یدبن رظب اور مرشد بن شعبان باشندگان حمیر یہان نے یمن کے رئیس حضرموت کے بادشاہ، ال عذیلط فرزند عم ذھر کا ساتھ دیا جب کہ اس نے اپنے قصر انودم تک سیر فرمائی (؟) اور (حسب ذیل) لقب دیئے کے لیے

	: بُت	قاضی (بت القضاء: پکا فیصلہ کیا)
	: سجح	معاف کرنے والا (عرب بولتے تھے کہ اذا ملکت فاسجح)
	: سمین	خطا کار کو (قیاسی ترجمہ)
مُراس	: رئیس	
میی	: سیکڑوں، اران کے سیکڑوں کا رئیس (ذمار کے پاس حران ایک مقام ہے اران سے غالباً وہی مراد ہے)۔	
ادن	: مقام کا نام	
نوب ینعم	: نعمتیں بخشنے والا	
ملک سبا وذو ریدان	:سبا کا بادشاہ ریدان کا قلعہ دار	
تبع	:	توب+لع = خطا بخش
ہُشیع	:(عبرانی کے مطابق) بخشوانے والا، نجات دلانے والا، راہ نجات بتانے والا	
اھس	:ہم دیکھ آئے ہیں کہ اور کتبوں کا عم ذخر اس کتبہ میں عم ذھر ہے اس لیے قیاس پر اخس پڑھیے	
یشیع اخس	:اپنے بھائی کو راہ نجات دکھانے والا	

حمیری تاریخ ۱۱۵ ق م سے شروع ہوتی ہے، ممکن ہے کہ اس کا نقطہ آغاز یہی سال واقعہ ہو جب کہ حضرموت کے ایک بادشاہ نے شمر بن سجح کو بات ساجح سمین، مُراس میی اران نوب ینعم ، تبع ہُشیع اھس کے القاب

سے نوازا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے بعد عرصہ تک کوئی ذوریدان ایسا نہ ہوا جو ملک سبا ہو بہر حال ایک ملک سبا اور ذوریدان جو اپنے وقت کا تبع تھا یہ شخص بھی تھا جس کا ذکر اس تحریر میں ہے۔

روایتی کتبہ حسان بن عمرو میں جس ذوشعبان کا ذکر ہے بہت ممکن ہے وہ اسی کتبہ کے مرشد بن شعبان کا باپ شعبان ہو جسے ذوشعبان بھی کہا جاتا تھا۔ اس کتبہ کا مرشد بن شعبان حمیر یہان کا باشندہ تھا۔ یہان کا نام اب یہان بن گیا۔ حمیر اس علاقہ کے ایک گاؤں کا نام تھا جہاں کے لوگ حمیر ادنیٰ اور اغنام حمیر کہلاتے تھے۔ چوں کہ مرشد بن شعبان حضرموت کے بادشاہ ال عذیلط کے مقربین میں سے تھا اس لیے اس کے باپ شعبان یا ذوشعبان کی بابت بھی خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس کے پیشتر کے بادشاہ حضرموت کے متوسلین میں سے ہوگا۔ ال عذیلط سے پہلے حضرموت کا ایک بادشاہ یدع ال بین تھا ایک اس کا بھی کتبہ فلبی کی دختران سبا سے نقل کرتا ہوں۔

یدع ال بین ملک حضرمت بن اب خمس بن احرر یہبر

ذ سقلب وفرر ھجرھن شبوة

وبرس بیتان شقرجج ب حدجن مت شمرو بن صیدمن

و ھرلو خس بقررم

و تق و نمنی حورو وخمست و عشری

صبیم وتموت ظرف حد مخدلھس انودم

فلبی نے اس کا بھی ترجمہ غلط کیا ہے، ان یورپی قدامت جوئندوں کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے یمن کے بہت سے کتبات نقل کر کے شائع کردئے ہیں لیکن ان کی قراتوں اور تشریحوں پر بغیر تحقیق اعتماد کرنا درست نہیں ہے۔ ان کی تشریحات میں تحقیق سے زیادہ خیال بازی کے آثار پائے جاتے ہیں اور حقیقت بالکل ہی کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے۔

(۱) بن احرر یہبعر کی بجائے freemen of YHB'R بے جا ترجمہ ہے۔

(۲) قلب سے سفعل کے وزن پر جو عربی افعل کا مرادف ہے سقلب کا لفظ بنا جس کا ٹھیک ترجمہ ہے، تہ و بالا کر دیا فلبی نے founded لکھ کر ترجمہ کی بجائے مستقل تصنیف فرمائی۔

(۳) خرور کے معنی معمولی عربی داں کو معلوم ہیں ثرر کے معنے ہیں ڈھادیا، Colonized محض خیالی ایجاد ہے۔

(۴) [illegible] کو برس پڑھا جا سکتا ہے برس "دھنی ہوئی" روئی کو کہتے ہیں [illegible] کا مطلب ہے دھنی ہوئی روئی بنا دیا یعنی ریزہ ریزہ کر دیا فلبی نے اصلاح دے کر [illegible] ضرس کیا ہے اصلاح اگر درست ہے تو اس کے معنی ہیں ضارس (جنگ کی) لیکن یورپی ترجمہ ہے built in stone یہ بھی حلوائے گندہ مگر ایجاد بندہ ہے۔

(۵) بیان بمعنی بیوت کا ترجمہ temple کیا ہے ترجمہ کے امکان صحت میں کلام نہیں مگر بے محل ہے۔

(۶) شعر صحیح ایک کا نام ترجمہ میں شعر کو حذف کر دیا ہے [illegible] کو اصلاح دے کر [illegible] بنایا اور اس کا ترجمہ کیا roofed یہ سراسر غلط ہے۔

(۷) بھد جن کا ترجمہ فلبی نے with stone کیا ب حرف جار [illegible] مقام یا قوم کا نام جس کا ذکر آخری سطر میں آتا ہے جن بمعنی جنت اور ترجمہ بھد جن کا "گلزار عدمن"۔

(۸) [illegible] = مت کو متی کا لفظ خیال کر کے when ترجمہ کیا ہے مگر یہ مات بمعنی ملک و زمین ہے۔

(۹) ثمرو بن صیدمن کا ترجمہ ضروری نہیں یہ ایک شخصی نام و نسب ہے فلبی نے اس کا ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ اپنی طرف سے تصنیف فرمائی ہے they were dameged as a result of collapse

(۱۰) [illegible] ھرلو کو اصلاح دے کر [illegible] ھرجو بنایا اور ترجمہ کیا ہے Slaughtered ترجمہ صحیح ہے اصلاح بے ضرورت ہے۔

(۱۱) حورو کا ترجمہ sheep غلط ہے حوار شیر خوار اونٹ کو کہتے ہیں۔

(۱۲) صبیم جمع ہے صبی کی children کی بجائے فلبی نے ترجمہ کیا ہے gazelles

(۱۳) عنف = عربی عائف بمعنی فال گیر فلبی کا ترجمہ leopard (چیتا) کوئی چیتے کی قربانی نہیں کرتا۔

(۱۴) عبرانی میں نون ساکن بعد کے حرف میں مدغم ہو جاتا ہے حضرمی میں بھی ایسا تھا جیسا کہ شتی و شمی سے ظاہر ہے۔ [illegible] حد دراصل حد کا عبرانی اور حضرمی تلفظ ہے اب کتبہ کا ترجمہ کیجیے۔

یدع ایل بین بادشاہ حضرموت کا، احرر یہبعر کے بیٹے رب شمس کا فرزند وہ ہے جس نے تہ و بالا کر دیا اور ڈھادیا

شبوہ کے شہروں کو اور شمر و بن صید مان کی سرزمین گلزار ہند میں یشتر یحج کے گھروں کو پاش پاش کر دیا اور اس (خوشی میں) انھوں نے حضرا نودم کے اندر ذبح کیے ۳۵ باچھے بیل کے اور ۸۲ شیر خوار اونٹ اور ۲۵ لڑکے اور ہند کے آٹھ فال گیر۔

غالباً روایتی کتبہ کے ایام ھید مات ھد سے مراد اسی واقعہ کا زمانہ ہے جس کا تذکرہ اس کتبہ میں ہے۔ اس کتبہ سے ظاہر ہے کہ بدیع ال ہین کے زمانہ میں یمن کے اندر ایک قوم بستی تھی جو ھدۃ کہلاتی تھی اور اس کے مقام کا نام ھد جن (گلزار ہند) اور مات ھد بمعنی ارض ہند تھا۔ یہ زمانہ الیشرح یحصب کے زمانہ (۲۰ ق م) سے نو پشت پہلے یعنی ۴۲۵ ق م کے آس پاس تھا۔

حاصل کلام یہ کہ خود یمن کے اندر ایک مقام تھا جو ۲۵۰ ق م ۳۶۸ ء تک ارض ہند کہلاتا تھا، شمعہ بنت ذو مراثد کے کتبے میں جس ارض ہند کا ذکر ہے بہت ممکن ہے کہ وہ حبشی ہند نہ ہو بلکہ یہی ہو۔

ال عذیلط نے جس شمر بن یحج کو "ملک سباو ذوریدان تبع بوشیح اھن" کا لقب دیا تھا بہت ممکن ہے وہ اسی شتر یحج کا بیٹا یا پوتا ہو۔ اگر ایسا ہے تو خود اس مقام کا نام ارض ہند رہا ہو جس میں ریدان واقع ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے وہ کوئی اور مقام ہو بہر حال اسے یمن میں ہونا چاہیے۔

ہند اور رہیدہ نام کے دو قصر تھے جو یمن میں نہایت مشہور تھے مسلحسین کے ذکر میں یاقوت نے لکھا ہے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ ہمدان کے بادشاہ ذی تبع (ب ت ع) کے ساتھ حضرت سلیمان نے جب ملکہ سبا کی شادی کر دی تو ان کے حکم سے شیاطین نے یمن میں چند عمارتیں بنائیں جن میں سے ایک پر مکتوب تھا:

نحن بنينا بينون و مسلحين و صرواح و مرواح بـر جا جة ايدينا و هندة و هنيدة و تلسوم و بريده و سبعه امحلة بقاعة	بینون کو، مسلحسین کو، صرواح کو اور مرواح کو اپنے ہاتھوں کی حرکت سے بنایا اور ہندہ کو اور رہیدہ کو اور تلسوم کو اور ریدہ اور دیگر عمارتوں کو ایک بیابان میں

یہ روایت کہاں تک درست ہے اس سے ہم کو بحث نہیں، صرف اس حد تک بحث ہے کہ یمن میں دو قصر تھے جن کو ہند اور رہیدہ کہا جاتا تھا، ممکن ہے کہ یہ قصر اسی مقام میں ہوں جس کا ذکر "ھد" اور "ھد جن" اور "مات ھد" کے نام سے منقول بالا کتبوں میں آیا ہے۔

اکلیل میں ہمدانی نے ابو علکم المرادی کے چند اشعار براقش و معین کے ذکر میں نقل کیے ہیں جن میں سے دو حسب ذیل ہیں:

نحن المقاول والا ملاک قد علمت	اهل المواشي با نا اهل غمد انا
والهندوين بني ذو التاج من تبع	و قصر ذاا لورد قا مارا س ملحانا

ان اشعار کے بعد مکتوب ہے الھندوین سے مراد ہند و ہنیدہ نام کے قصر ہیں ۔ میرے خیال میں یہ فقرہ ناسخ کا یا کسی بین السطور نویس کا اضافہ ہے ۔اورالہندوین غلط ہے، کیوں کہ اس صورت میں یہ یقیناً یہ صیغہ تثنیہ ہے ہندوین اورقصر ذاالورد ملکر تین ہوئے اور تین کے لیے قاما جائز نہیں ہے، الھندوان چاہیے۔ اب شعر کا ترجمہ کیجیے۔

جانور چرانے والے (شمالی عرب) خوب جانتے ہیں کہ (ہم ایسے ویسے نہیں بلکہ) راجہ اور مہا راجہ ہیں۔ غمدان والے، تاج دار ذو تبع کی تعمیر ہندوان اور قصر ذالورد والے یہ دونوں قصر ملحان کی چوٹی پر ہیں۔

بصرہ وغیرہ کے ذکر میں کئی جگہ یا قوت نے لکھا ہے کہ عراق والے شخصی ناموں میں آن بڑھا کرا پنے مقام کا نام بنالیا کرتے تھے، یہ دستور یمن میں بھی تھا، غالباً یمن ہی سے عراق میں گیا ہندوان اور ارض ہند، اور مات ھد یہ سب مرادف الفاظ تھے ۔قصر ہندوان کا مقام وقوع ابو علکم المرادی کے بیان کے مطابق جبل ملحان ہے،اب جبل ملحان کی با بت پڑھیے۔

یا قوت نے لفظ ملحان اور لفظ ریشان کے ماتحت ہمدانی کا قول نقل کیا ہے کہ ریشان ایک پہاڑ ہے جس پر بنو ملحان بسے،اس لیے وہ جبل ملحان پھر مختصر ہوکر ملحان کہلایا۔ملحان نام تھا حمیر بن الغوث کے دادا اور منصب سے چار پشت اوپر کے مؤرث سعد بن عوف کے بھائی کا جس کی نسل جبل ریشان پر بسی، ریشان کا محل وقوع نا حیہ ابین میں بتایا مخلاف ابین اس علاقہ کا نام تھا جس میں عدن ابین واقع تھا جو اب مختصر ہو کر عدن ہو گیا ۔ جبل ملحان پر جو قصر ہندوان تھا اس کی وجہ سے مخلاف ابین یا بالفاظ دیگر ریاست عدن کا نام ایک زمانہ میں ھدجن (گلزار ہند) مات ھد (ارض ہند) اور ہندوان تھا، اور وجہ تسمیہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی کہ کبھی یہاں پر ہند کہلانے والی ایک قوم بستی تھی۔

قصر ہندوان کا بانی ابو علکم المرادی کے بیان کے مطابق تاج دار ذو تبع تھا ،یمنی روایات کے مطابق یہ ایک ہمدانی فرماں روا تھا، جس کے ساتھ حضرت سلیمان نے اسی ملکہ سبا کا نکاح کر دیا تھا جس کا ذکر قرآن میں اور بائیبل میں ہے ہم نہیں جانتے کہ اس روایت پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے مسلمانوں میں عام طور پر مشہور ہے اس ملکہ کا نام بلقیس تھا، اس سے خود حضرت سلیمان نے نکاح کر لیا حبش کے نجاشیوں کا یہی دعویٰ ہے وہ خود کو اسی ملکہ کی نسل سے اور آل سلیمان خیال کرتے ہیں، ہمارے پاس دو روایتوں میں سے کسی کو قبول یا رد کرنے کے لیے کسی حد تک بھی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے۔

اشوری بادشاہ تغلات بلاسر سوم (۷۴۵ء ۔ ۷۲۷ء ق م) اور سرجون دوم (۷۲۲ء ۔ ۷۰۵ء ق م) کی تحریروں میں ایک یثعمر سبائی اور ایک ملک عرب شمسی کا ذکر آیا ہے ۔ملک سبا کہلانے والوں سے پہلے مکرب سبا کہلانے والے امراء یمن پر حکومت کرتے تھے جن میں سے حسب ذیل ۱۱ کے نام معلوم ہو چکے ہیں۔

۱۔ ذمر علی

۲۔ کرب ایل وتار　　۳۔ سمہی علی ینوف　　۴۔ تبع امر یین

۵۔ یدع ایل ذرخ　　۶۔ یثع امر وتار　　۷۔ کرب ایل یین

۸۔ یدع ال یین　　۹۔ سمہی علی ینوف　　۱۰۔ ذمر علی وتار

یہ دس اشخاص ایک خاندان کی پانچ پشتیں ہیں ۔گیارہواں نام یدع ال ذبی کا ہے، یہ اسماء ہم نے ارض القران سے نقل کیے ہیں ۔اس فہرست میں سمہی علی کا نام ہارےموز کی تقدیم سے ہے لیکن یورپی ٹرانسکرپشن کی غلطی نے سمہی علی کو سہی علی کر دیا ہے ۔گلیسی نے مکرب سبا کہلانے والوں کے چند نوشتے نقل کیے ہیں جن میں سے ایک ذیل میں نقل کرتا ہوں:

دائیں بائیں کے الفاظ کو چھوڑ کر جنھیں ذہ اور ھذ (ھذا) پڑھا جا سکتا ہے باقی عبارت یہ ہے کہ

یثع　　امر　　یین　　بن　　سمهی　　مکرب سبا

بنا　　عرد تم　　حرب

مطلب یہ ہے کہ حرب کے قلعہ کی تعمیر مکرب سبا تبع امر یین فرزند سمہی نے کی ۔ایک دوسرے کتبہ میں سمہی کی بجائے سمہی علی ہے ۔حرب ایک مقام کا نام ہے جو مارب سے وادی بیہان کو جانے والی راہ میں واقع ہے (دی سدرن گیٹس آف عربیہ)۔اسی تبع امر یین یا اس کے بھائی تبع امر وتار کا ذکر اشوری نوشتوں میں یثعمر سبائی کے نام سے آیا ہے ۔شمسی ملکہ عرب جس کا ذکر اس کے ساتھ آیا ہے تاج دار دو تبع کی اولاد سے تھی ۔ ہمدانی نے اکلیل میں لکھا ہے کہ:

> ابو نصر نے کہا کہ جن دنوں عبدالملک بن مروان کی طرف سے حجاج کا بھائی محمد بن یوسف یمن کا گورنر تھا ایام جاہلیت کی قبروں میں سے ایک پر ایک نوشتہ ملا ،قبر کھول کر اس میں سے ایک تخت زریں برآمد کیا گیا جس پر ایک صندوق تھا ،صندوق میں انسانی ہڈیاں اور ایک سونے کی لوح تھی جس پر لکھا تھا کہ:

هذه شمسة ولميس بنا تبع معا فانا نشهد	یہ ہیں تبع کی بیٹیاں شمسہ اور لمیس ہم نے وفات پائی اور
ان لا اله الا الله	ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے ماسوا کوئی معبود نہیں

اسی کتبہ کی شمسہ کا ذکر تخلات بلاسر سوم کے کتبوں میں آیا ہے اس کا زمانہ ۵۰ئے ۔ ۷۰۰ئے ق م فرض کیا جا سکتا ہے قصر ہندوان کا بانی ذوتبع اس سے بہت پہلے کا انسان ہو سکتا ہے ۔ اسی خاندان کے دو اور رئیسوں کی بابت ہمدانی نے تحریر فرمایا کہ:

''بیان کیا مجھ سے محمد بن احمد الدوزانی نے کہ صنعاء میں قصر حدقان سے ایک پتھر لایا گیا جس میں نے پڑھا اس پر مکتوب تھا

علهان و نهفان ابنا بتع بن همدان	تبع بن ہمدان کے فرزندوں علہان او زہفان نے
اصحح احص قصر حد قان	قصر حدقان کے رخنے درست کیے
	(اکلیل جلد ۸ صفحہ ۱۰۳)

قصر ناعط کے ایک مسند میں ہے کہ:

اخر بها علهان و نهفان ابنا تبع بن	ویران کر دیا تھا اسے تبع بن ہمدان کے بیٹوں علہان
همدان و سكه رعفان و بنوه همدان	او زہفان نے اور اس میں رہا کرتا تھا رعفان اور اس
و لهم الملک قد بما كان	کے بیٹے ہمدان اور زمانہ قدیم میں انھیں کا راج تھا
	(اکلیل جلد ۸ صفحہ ۵)

پیش نظر نسخہ میں رع فان کی بجائے رقعان چھپا ہے وجہ اصلاح آئندہ سطروں میں معلوم ہو جائے گی ،علہان اور زہفان جو کہ خدائے واحد کو ماننے والی شمسہ کے حقیقی بھائی یا کم از کم ہم خاندان فرماں روا تھے، اپنے خاندانی قصر کو تو ویران کر دیا لیکن ایک اور قصر کی مرمت کی تھی اس کی وجہ ایک اور کتبے سے ظاہر ہوتی ہے ۔ ہمدانی نے اکلیل میں ایک خاص بات کو حمیری رسم الخط پر قلم بند کیا تھا، اس میں بتایا تھا کہ حمیری رسم الخط میں (۱) ایک ایک حرف کی کئی کئی صورتیں ہیں (۲) ہر دو لفظ کے درمیان ایک کھڑی لکیر بطور حد فاصل کے لکھتے تھے (۳) ہر دو سطروں کے درمیان ایک بڑی لکیر ہوتی (۴) رحمان جیسے لفظ کا الف نہیں لکھتے تھے (۵) ضمہ کی بجائے حرف واو کو برقرار رکھتے تھے، ان بیانوں کے ثبوت کے لیے حمیری کے حروف ہجا دکھائے ،پھر قصر ناعط کے ایک مسند کی دو سطریں نقل کر کے ان کی قرأت خط نسخ میں دی ۔ ناسخ اکلیل نے حمیری نقوش کی صورتیں بگاڑ دی تھیں اور خط نسخ میں لکھی ہوئی قرأت کو بھی غلط نقل کیا اکلیل کے مصحح نے اصل عکس دے دیا ہے ۔ حاشیہ پر تو مانگنے کی قابلیت کا مصحح

نے اس طرح اظہار کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمیری زبان اور طرز تحریر کا علم اسے ہمدانی سے زیادہ ہے مگر وہ سطر کی تصحیح تک سے قاصر رہا حالانکہ حمیری تحریر یا اور اس کی قرأت بخط نسخ کو سامنے رکھتے ہوئے، حروف ابجد کی بگڑی صورتوں کا معلوم نقوش سے مقابلہ کر کے نہایت آسانی سے ان سطروں کی تصحیح ممکن ہے۔ ان سطروں کی قرات یوں چھپی ہے:

او سلمة رقشان ويتهو فى غير يطاع و يارم

حمیری تحریر کو ناسخ نے یوں نقل کیا

اس کو ہم یوں اصلاح دے کر پڑھ سکتے ہیں:

اوسلت ۔ ر ع فان ۔ وفریھو ۔ وحیق ۔ عشتر ۔ یفع ۔ یریم

روش رعفان اورفریھو کی اورآ ئین عشتار کا ساقط اور مسترد کیا جائے

رعفان اور فریھو پر ہم بعد میں نظر ڈالیں گے پہلے ان تحریروں کا زمانہ مقرر کر لینا چاہئے۔ ناعط کے ذکر میں یاوقت نے لکھا کہ: [1]

ناعط ×× حصن فى راس جبل بنا حية	نواح یمن میں عدن کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر
اليمن قديم كان لبعض الاذوٰاقرب عدن	ناعط نام کا ایک قلعہ ہے۔ وھب بن منبہ نے
قال وهب قرانا على حجر فى قصر	فرمایا کہ ہم نے قصر ناعط کے پتھر پر یہ لکھا دیکھا
ناعط بنى هذا القصر سنة كانت مير	کہ یہ قصر ہمارے سفر مصر کے سال تعمیر ہوا۔
تنا الى مصر.... قال وهب فاذا لك	وھب نے کہا کہ حساب کیا تو اسے ۱۶سو برس
اكثر من الف و ستمائه سنه	سے زیادہ گزر چکے تھے

وھب بن منبہ نے ۱۳۰ھ میں وفات پائی اگر انھوں نے اسی سال حساب کیا تو چوں کہ ۱۶۰۰ قمری ۱۵۵۲ شمسی کے برابر ہوتے ہیں اس لیے اس بیان کے مطابق تعمیر ناعط کا سال ۸۲۲ ق م ثابت ہوتا ہے۔ یہ تعمیر دوم کا سال ہوسکتا ہے جب کہ اکلیل جلد ۸ صفحہ ۱۵ والی تحریر لکھی گئی۔ اور یہ زمانہ اس زمانے سے بہت موخر ہے جبکہ علہان ونہفان نے رعفان وفریھو کی ریت اور آئین عشتار کو منسوخ کر کے قصر ناعط کو ویران کر دیا تھا۔ تبع بن ہمدان بانی قصر ہندوان کا زمانہ اس سے بھی قدیم ہونا چاہئے

۱. غالباً یاوقت غلط طبع ہوگیا ہے، صحیح یاقوت حموی ہے؟ معج

ناعط کے ذکر میں ہمدان نے ایک طویل نظم لکھی ہے جس میں قصر ناعط کی تمثالی تحریروں کا ذکر کیا ہے
اس نظم میں ہمدانی نے کہا:

وکانہ بہ رعفان یحمی جنابہ لہ ارض مصر والفرات فسا لطا

رعفان کی بجائے رقشان چھپا ہے (والفرات فسالطا) مہمل ہے (وفرات فلاسطا) چاہیے فلاسط
جمع ہے فلسط کی ،قدماء فلسطین کو فلسط و فلاسط کہتے تھے فرات مخفف ہے افرات کا ، بیت لحم کا قدیم نام افرات تھا،
شعر کا ترجمہ بعد اصلاح یہ ہے:

اس قصر کے اندر رعفان رہتا تھا اور جس کی چوکھٹ ارض مصر اور فلسطین کے افرات یعنی بیت الحم کی
محافظ تھی۔

اسی شعر کے مطابق ہمدانی کے علم میں رعفان اور فریہو کا مصر سے واسطہ تھا E. A. Wallis
Budge نے اپنی مختصر کتاب ایجپٹ (Egypt) میں اٹھارہویں خانوادہ کی ملکہ ہَت شِپ سُت (۱۵۰۱ ۔
۱۴۷۹ ق م) کے ذکر میں تحریر فرمایا کہ:

> اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں میں ایک جتھا پونٹ کو روانہ کیا اور اس کے ۵ جہاز
> افریقی سواحل کو گئے اور بظاہر ایک دریا کی راہ سے ایک اہم شہر پونت تک پہنچے اور
> مصریوں اور فرمان روائے پونت Parehu کے درمیان ہدایا کا تبادلہ ہوا۔

پونٹ کی بابت علمائے مصریات کا اس پر تو اتفاق ہے کہ یہ بحر احمر کے ساحل پر واقع تھا لیکن اس میں
اختلاف ہے کہ عربی ساحل پر واقع تھا یا افریقی ساحل پر ۔ محترمہ فریہ اسٹارک فرماتی ہیں:

> ''یہ بات ابھی تک غور طلب ہے کہ ''ملک پونت'' جہاں اٹھارہویں خانوادہ کے
> فرعونوں نے اپنے بیڑے بھیجے تھے عربی ساحل پر واقع تھا یا افریقی ساحل پر ۔ دیر
> البحری کی تحریر میں جس کے اندر پندرہویں صدی قبل مسیح کے اس بحری سفر کا حال ہے
> خوشبو کے جن درختوں اور جن جانوروں کا ذکر ہے وہ افریقی نہیں ہیں بلکہ عربی ہیں''

زیادہ قرائن اس بات کے ہیں اور اکثروں کا یہ خیال ہے کہ پونٹ سے مراد بحر احمر کا عربی ساحل ہے
اگر مصری کتبات کی تشریح کرنے والوں کو ہمدانی کے نقل کیے ہوئے اس کتبہ کا علم ہوتا جس میں Parehu کا
ذکر ہے تو غالباً اس میں کسی کو اختلاف نہ ہوتا کہ پونٹ سے مراد جسے اہل مصر نا تر کہتے تھے یقینی طور پر جنوبی عرب
ہے ۔ کتبہ ناعط کا فریہو اور مصری تحریروں کا Parehu دونوں ایک ہیں اس کا زمانہ ۱۵۰۰ ۔ ۱۴۷۵ ق م

فرض کیا جا سکتا ہے۔

اکلیل جلد ۸ صفحہ نمبر ۵۱ والے کتبہ میں ہمدان کا ذکر ایک شخص کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک قبیلہ کی حیثیت سے آیا ہے، اور ان کو رعفان کی نسل بتایا گیا ہے۔ لفظ رعفان کی تحقیق سے پہلے ہمدان کو سمجھ لینا چاہیے۔

ہمدان دو ہیں (۱) یمنی ہمدان (۲) ایرانی ہمدان جسے اول الذکر سے ممتاز کرنے کے لیے اہل عرب ہمذان لکھتے ہیں۔ ھمذان ایک جغرافی نام ہے اور ہمدان ایک قوم اور قبیلہ کا نام ہے ممکن ہے دونوں میں کبھی کوئی حقیقی اتحاد بھی رہا ہو۔

ایک مشہور محدث امام ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی المتوفی ۱۲۹ھ گزرے ہیں جو بنو سبیع سے تھے، ان کے خاندان نے کوفہ کے ایک محلہ میں جس کو سبیع کہا جاتا تھا سکونت اختیار کی سبیع کے ذکر میں یاقوت نے سبیع کا نسب نامہ ہمدان تک پہنچا کر لکھا ہے کہ ہمدان کا نام تھا۔

"اوسلہ بن مالک بن زید بن اوسلہ بن زید بن ربیعہ بن الخیار بن مالک بن زید بن کہلان" میرے خیال میں اوسلہ دراصل ذو اوسلہ رعفان (رعفان کی روش والا) تھا۔ اس نسب نامہ کو مذکور کتبہ سے یونہی تطبیق دی جا سکتی ہے۔ ہمدان کے نام سے ملتا جلتا ایک توراتی نام حمدان بن دیسون بن شعیر حوری (تکوین ۳۶:۲۶) ہے اس خاندان کا ہم رشتہ ایک اران بن دیسان بن شعیر حوری تھا۔ (تکوین ۳۶:۲۸) اسی خاندان کی ایک عورت تمنع اخت لوطان بن شعیر حوری (تکوین ۳۶:۲۲) جس کی شادی الفز، بن عیسو بن اسحاق سے ہوئی تھی (تکوین ۳۶:۱۲) اور یہ الفز باپ تھا ریمس تیمن کا۔ (تکوین ۳۶: ..) تیمن ایک بستی کا نام ہے جو ایک یمنی مخلاف میں جرش و تبالہ کے درمیان واقع تھی (یاقوت ذکر تیمن) یمن میں ایک قوم قتبان بھی بستی تھی جس نے ایک عرصہ تک اپنی سرزمین میں حکومت کی ان کا پایہ تخت تمنع تھا اران کا ذکر پچھلی سطروں میں ایک کتبہ کے اندر آ چکا ہے، اران و تمنع کے ساتھ حمدان کے ہم نام ہمدان کا یمن میں پایا جانا اس بات کا قرینہ ہے کہ توراتی حمدان اور یمنی ہمدان دونوں اصلاً ایک ہیں، اس خاندان کا تعلق مصر و فلسطین سے تھا جو بنو ہمدان فلسطین میں بسے وہ حمدان کہلائے حمدان کو تورات نے دیسو کا بیٹا بتایا ہے اور کتبہ اعطا ان کو رعفان کی نسل بتاتا ہے۔ دیسون اور رعفان کا ایک ہونا ممکنات سے ہے۔

رع فان دو لفظوں کا مجموعہ ہے ایک تو رع ہے جیسے ہم شاہان مصر کے ناموں سے پہلے کلمہ تعظیم یا راعی و فرمان روا کے معنی میں پاتے ہیں جیسے (۱) رع آمن حطب (۲) رع مسس وغیرہ دوسرا لفظ فان ہے جسے عبرانی لہجہ میں پڑھیے تو پان ہو جاتا ہے۔ رع پان کے معنی ہیں پان کا فرمان روا یہ پان وہی مصری پونت ہے۔ پانی نام کی ایک قوم ویدک زمانہ میں اور اس سے پیشتر ہندوستان میں بھی بستی تھی جس کی طرف پانی پت (پانی پیٹ:

پانیوں کا شہر) منسوب ہے۔ قصر ماعط کے ''رع پان'' کا قدماسے پانی پت اور ویدوں کے مذکور ''پانی قوم'' کا ہم نسب و ہم رشتہ ہونا، بعید نہیں ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اسی موقع پر چند مہریں موہن جودڑو کی بھی پیش کردی جائیں اس قوم کا ذکر ان مہروں پر بھی ہے لیکن ابھی اس کا موقع نہیں ہے۔

تذکرہ بہت طویل ہوگیا، شاید ناظرین میں سے بعض کی طبیعت ژولیدہ بیانی سے مکدر ہوگئی ہوگی ہم نے اب تک جو کچھ لکھا ہے حاصل اس کا اب یوں بیان کرسکتے ہیں کہ ۱۵۰۰ ق م کے قریب عدن کے ایک علاقہ میں ایک رع پان اور قریبو کی حکومت تھی، بنوہمدان اسی رعپان کی نسل سے جس کا قدمائے پانی پت اور ویدوں کے زمانہ کی ان آریا ہندی قوم پانی سے ہم رشتہ ہونا ممکن ہے۔ بنوہمدان میں سے ایک نے جسے ذوتبع اور تبع کہا جاتا ہے اور جو ۹۰۰ یا ۱۰۰۰ ق م کا آدمی ہے عدن کے پار ریشان نام ایک پہاڑ پر ایک قصر تعمیر کیا جو قصر ہندوان کہلایا اس قصر کو یہ نام غالباً اس لیے کہا گیا کہ باشندے اس دیار کے اور غالباً خود ہمدان اس قوم کے لوگ تھے جن کا ایرانی نام ہندو عبرانی نام ہدو اور عربی نام ہند تھا، یہ قوم کون تھی اس پر بعد میں غور کیجیے اسی قصر ہندوان کی سرزمین کو ھد جن (گلزار ہند) ھد، مات ھداور ارض ہند کہا جاتا تھا اور ۳۶۸ ھ تک یہ علاقہ ارض ہند کے نام سے موسوم تھا۔

عرب اور ہندوستان کے درمیان جو سمندر حائل ہے اسے ہم بحر عرب کہتے ہیں اور عرب اسے بحر ہند کہتے ہیں، موجودہ زمانے کے عرف کے مطابق ہم یہی سمجھ سکتے ہیں اور اہل عرب بھی اب یہی سمجھتے ہوں گے اس سمندر کو پاک بھارت کے قدیم نام ہند کی وجہ سے بحر ہند کہا جاتا تھا لیکن جب ہم کو خود ارض عرب میں ''ہند'' مل گیا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اپنے خیال میں ترمیم نہ کریں۔ خود جنوبی عرب چوں کہ چوتھی صدی عیسوی تک ہند تھا تو وجہ تسمیہ اسی ہند کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

ہند سقوطرہ:

بحر ہند میں ایک جزیرہ سُقُطریٰ ہے جسے اب سقوطرہ کہتے ہیں ایک زمانہ میں یہاں ایک ملّخ حکومت کرتا تھا جس کا ذکر اٹھارہویں صدی قبل مسیح کے ایک مصری نوشتے میں ہے۔ یاقوت کے بیان کے مطابق یہاں کے باشندے بنومہرہ تھے جن کا شمار عربوں میں ہے، ان کے علاوہ ایک قوم بنوہند بھی یہاں آباد تھی، یہ بنو ہند ممکن ہے ہمارے ہی ہندوستان سے وہاں جا بسے ہوں، یہاں ہندوستان کی تجارتی کشتیاں جایا کرتی تھیں، یہاں ایک بڑا بت تھا کہتے ہیں کہ بعد میں وہ بت یہاں سے ہندوستان میں منتقل ہوا، روایت ہے کہ کسریٰ نے رومیوں کی ایک جماعت کو اس جزیرہ میں لا بسایا تھا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ سکندر کے زمانے میں ایک جماعت

یونانیوں کی یہاں آبسی:

و غلبوا من کان بہا من الھند	اور یہاں جو اہل ہند بستے تھے ان پر غالب
و ملکو الجزیرۃ بأسرھا	آئے اور پورے جزیرہ کے مالک ہو گئے

اگر یہاں آثار رجوع کی جائے تو اس کی بھی شہادتیں مہیا ہو جائیں گی کہ یہ جزیرہ بھی ایک زمانہ میں ارض ہند تھا۔

ایرانی ہند:

اسلامی لٹریچر میں ہند کا ذکر[1] سب سے پہلے قصہ آدم میں آیا ہے، مشہور قول یہ ہے کہ حضرت آدم کو خدا نے جنت سے ہندوستانی جزیرہ سرندیب (سرندیپ یا موجودہ سری لنکا) میں نازل فرمایا۔ یاقوت نے سرندیب کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہاں ایک پہاڑ ہے رہوں، اس پر حضرت آدم کے قدم کی چھاپ موجود ہے۔ صاحب تاریخ الخمیس نے بحر العلوم کے حوالے سے لکھا ہے خدا نے حضرت آدم کو مشرقی ارض ہند میں سرندیب کے اندر ایک پہاڑ پر اُتارا جس کا نام باشم و رشم اور نود ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت آدم کو خدا نے جنت سے نکالا تو سرندیپ میں نود نامی ایک پہاڑ پر نازل فرمایا۔ یہ اقوال نہایت عجیب ہیں، ان کی اصلیت صرف یہ ہے کہ سیلون اور ہندوستان کے درمیان جو پہاڑی ٹکریاں سمندر میں ہیں جو ٹوٹا ہوا پل معلوم ہوتی ہیں، ان کو تامل زبان میں آدم پالیم کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہے "پرانا پل" ہندوؤں کا افسانہ یہ ہے کہ رامائن کے زمانے میں ہنومان نے یہ پل بنایا تھا، حالانکہ یہ قدرتی پل ہے، کسی انسان کی ساخت نہیں آدم پالیم کے لفظ نے یہ کہانی ایجاد کر دی۔

طبری نے ابن اسحاق کے حوالے سے اہل توراۃ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو ہند میں مندل اور دہنج کے درمیان بھیل نام کی وادی میں ایک پہاڑ ورشم پر اُتارا معلوم نہیں یہ کون سے اہل توراۃ ہیں۔ حضرت ابن عباس سے کئی سندوں کے ساتھ طبری نے یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت آدم ہند کے پہاڑ نودپر اتارے گئے۔ اس قول کو پیش کر کے نود کا محل وقوع متعین کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قصہ آدم کی تشریح کر دی جائے تاکہ قرآن پاک اور کہانیوں میں امتیاز برقرار رہے۔

حضرت آدم کی بابت یہ تو مسلّم ہے کہ موجودہ جنس بشر سب کی سب انھیں کی نسل ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ اولین بشر تھے یا نہیں؟ عام خیال یہ ہے کہ وہی اولین بشر تھے ان سے پہلے کوئی بشر نہیں گزرا۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ خدا نے فرمایا (خلقہ من تراب) مگر یہ دلیل شافی نہیں ہے کیوں کہ ہم سے بھی کہا گیا ہے کہ (خلقکم من تراب) قصہ آدم وحوا پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں سے صرف ایک خطا ہوئی وہ یہ کہ انھوں

---

[1] مسلم تواریخ و تفاسیر میں یہ ضعیف تصورات و روایات اسرائیلیات سے اخذ کے سبب عود آئی تھیں سراندیب میں ہبوط آدم کا تصور غیر تاریخی و غیر محقق امر ہے معج

نے شجرہ ممنوعہ کا پھل کھایا تھا ورنہ وہ خدا پرست موحد تھے بحث یہ ہے نبی تھے یا نہ تھے مگر ایک جوڑا ایسا بھی گزرا ہے جس کی بابت خدا نے فرمایا "اللہ وہی ہے جس نے تم سب کو ایک واحد جان سے پیدا کیا پھر اسی جان سے اس کی جورو پیدا کی تا کہ وہ اس کے پاس چین پائے تو جب اس نے اس کو ڈھانپ لیا تو اسے ہلکا سا حمل رہ گیا پھر جب وہ دونوں بوجھل ہو گئی تو ان دونوں نے اللہ اپنے رب سے دعا کی کہ اگر تو ہم کو ایک نیک عنایت فرما دے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے تو جب اس نے ان دونوں کو ایک نیک عنایت کر دیا تو وہ دونوں اس کے دین میں اوروں کو شریک بنانے لگے مگر بلند ہے ذات اللہ کی ان کے شرک سے" (اعراف ۲۴: ۱ و ۲) اس جوڑے کو آدمؑ و حواؑ سے تطبیق نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے آدمؑ و حواؑ کو اولین انسانی جوڑا قرار دینا اس آیت کی بھول پر مبنی ہے، انسانی جوڑوں میں سے ایک جوڑے کو جس کا نام آدمؑ و حواؑ تھا خدا نے اپنی خلافت کے لیے چن لیا اور ان کو پیدا کرنے کے بعد ان حکم دیا کہ:

"اے آدم تو اور تیری جورو تم دونوں (الجنۃ) میں قیام کرو اور مزے لے لے کر"
"اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ مگر فلاں درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے"

اس قرآنی (الجنہ) کا توراتی نام (جن بعدن) ہے جس کا ترجمہ عربی میں جنۃ عدن کیا جا سکتا ہے۔ اس توراتی (جن بعدن) کو قرآنی جنت عدن میں سے ایک قرار دے کر جنت آدم کو مفسرین نے آسمان پر اچھال دیا ہے، حالانکہ قرآنی جنت عدن کا مقام بھی آسمانوں پر بتانا قرآن مجید سے استدلال پر مبنی نہیں ہے، وہ جنتیں تو اس وقت وجود میں آئیں گی جب نہ یہ زمین ہوگی نہ آسمان بلکہ سب کچھ نابود ہو جانے کے بعد از سر نو نئی زمین اور نیا آسمان وجود میں لایا جائیگا۔ بہر حال مفسرین کے خیال میں جنت آدم عالم بالا میں تھی اور شجرہ ممنوعہ سے لذت اندوز ہونے کے بعد حضرت آدمؑ زمین پر اتارے گئے۔ جہاں اتارے گئے اس کا نام ہند تھا قرآن میں ہے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے شجرہ ممنوعہ کے کھانے کے بعد۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (بقرہ ۳۸:) تم سب یہاں سے اتر جاؤ
قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا (طٰہٰ ۱۲۳:) تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ

لیکن قرآن میں (اھبطنا ھما) نہیں ہے خدا کی قدرت میں تھا کہ آدمؑ کو آسمان سے زمین میں اتار دیتا مگر آدم کی قدرت میں آسمان سے زمین پر کود پڑنا ہرگز نہیں تھا، جنت آدم کسی پہاڑ پر تھی جس سے اتر جانے کا خدا نے ان کو حکم دیا تھا۔ اور آدمؑ و حواؑ اپنے پاؤں سے چل کر وہاں سے نیچے اترے قرآن پاک اس جنت کا محل وقوع نہیں بتاتا، آئندہ سطروں میں جو کچھ کہا جائے گا اسے قرآن کی تفسیر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ قائلین کے اپنے خیالات سمجھنا چاہیے، حضرت آدمؑ کو خدا نے پہلے کہاں بسایا تھا اور وہاں سے نکال کر پھر کہاں بسایا قرآن پاک کو اس سے بحث نہیں ہے۔

توراۃ میں جنت آدمؑ کے مقام وقوع کا نام عدن ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں چار دریاؤں کے سرچشمے واقع ہیں (۱) فیشون (۲) جیحون (۳) حدقل (۴) اورفرات (تکوین باب۲) فرات کو آپ جانتے ہیں اس کا سرچشمہ آرمینیا میں واقع ہے۔حدقل عبرانی نام دجلہ کا ہے اس کا سرچشمہ بھی آرمینیا میں ہے۔ فیشون اور جیحون کے عربی نام سیحان اور جیحان ہیں، امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے تخریج کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ جیحان وسیحان اور نیل وفرات جنت کے دریا ہیں۔اس حدیث میں توراتی حدقل کی جگہ نیل نے لے رکھی ہے مراد دریائے مصر نہیں بلکہ دجلہ ہی ہے فیشون کی جگہ سیحان نے لے رکھی ہے نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جیحان اور سیحان کے سرچشمے بھی ارض ارمن میں بتائے۔یہ دونوں دریا موجودہ ترکی میں واقع ہیں اور بحیرۂ روم میں گرتے ہیں۔توراتی "جن بعدن" کا محل وقوع ارض ارمن میں تھا، انھیں چار دریاؤں کے منبعوں کے پاس کسی پہاڑ پر وہ جنت واقع تھی جسے جامع توراۃ نے جنت آدم خیال کیا۔ہم کو اس سے بحث نہیں کہ یہ خیال کہاں تک درست ہے صرف اس قدر بحث ہے کہ ظہور اسلام بلکہ ظہور مسیحیت سے کئی سو برس قبل سے ارض ارمن کو حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کا پہلا مسکن خیال کیا جاتا تھا۔جامع توراۃ کے بیان کے مطابق، خدا نے حضرت آدمؑ کو جب اس جنت سے نکالا تو:

و لیشکن مقدم لجن عدن ات هکر ویم	تعین کردیا باغ عدن کے پورب گروہیوں کو
و ات لهط هجرب همتهفکة لشمرات	اور چوطرف پھرتی تلوار کی چمک کو درخت
درک عض هجیم (تکوین ۳:۲۴)	حیات کی راہ روکنے کو

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ جس مقام میں پہلے آباد تھے وہاں سے اتر کر اسی مقام کے پورب (مشرق) کے کسی مقام میں زمین پر آ بسے۔ یہاں آبسنے کے بعد ان کے ایک فرزند نے دوسرے فرزند کو قتل کردیا جس کی سزا قاتل کو یہ دی گئی کہ اسے جلاوطن کردیا گیا:

و یصا قین ملفنی یهوه و یشب	اور قین خداوند کے حضور سے نکلا اور
بارض نود قدمت عدن (تکوین۴:۱۶)	عدن کے پورب ارض نود میں جا بسا

اس ارض نود کو عدن یعنی ارض ارمن کے پورب دجلہ اور بحیرہ قزوین کے درمیان ہونا چاہیے اسی نود کی بابت طبری نے حضرت ابن عباس سے کئی سندوں سے اس مضمون کی روایت کی ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو ہند کی سرزمین میں نود پہاڑ پر اتارا حضرت نوحؑ نے اپنی کشتی اسی پہاڑ پر بنائی تھی اور اسی ہند میں وہ تنور ابل پڑا تھا جو طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ہم کو اس خیال کی تاریخی صحت وسقم سے بحث نہیں ہے ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کے زمانے میں اس علاقہ کو جس کے اندر توراتی نود واقع تھا، ارض ہند کہا جاتا تھا۔

یہی وہ علاقہ ہے جس میں ایرانی ہمدان واقع ہے۔ اس ہمدان کا ذکر یونانیوں نے اکبٹانا کے نام سے کیا ہے، ایک انسائی کلوپیڈیا میں ہے کہ اس نام کی اصل شکل ہگ متانہ تھی۔ یاقوت نے تعین اسم کے بغیر ایک ایرانی عالم کا قول نقل کیا ہے کہ ہمدان کے نام کی اصل صورت نادمہ تھی۔ ہمدان کو بائیں سے پڑھو نادمہ بن جاتا ہے، ایرانی عالم نے اس کا ترجمہ "محبوبہ" بتایا ہے لیکن ایرانی "مہ" ہندوستانی "مہا" (کبیر) کا مرادف بھی ہے اس لیے نادمہ کو نودا عظم بھی خیال کیا جا سکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ نادمہ ہی واقعی ہمدان کی اصل ہو۔

ہمدان کے ایک پہاڑ کا نام ارومد ہے، اس نام کی اصلیت سمجھنے کے لیے ایرانی افسانہ پڑھیے۔ ایران پر ایک زمانہ میں بیوراسپ نام کا ایک شخص حکومت کرتا تھا جس نے جم شید سے حکومت چھینی تھی اس کے باپ کا نام ارومداسپ اور اندراسپ بتایا گیا ہے، اصفہان کے ذکر میں یاقوت نے لکھا ہے کہ ابن درید نے کہا ہاں تو ایران کے ناموں میں سے ایک نام تھا اسپ کے معنی ہیں شہر، اس تشریح کے مطابق اندراسپ کے معنی ہیں اندرا کا شہر اور ارومداسپ کے معنی ہیں ارومد کا شہر۔ اندرا ویدک دیوتاؤں میں سب سے اہم دیوتا ہے لیکن اوستا میں اس کی وہ پوزیشن ہے جس کا ذکر اپنے دیسی بھائیوں کو برہم کرتا ہوگا۔ ویدک اندرا کے القاب میں سے ایک "ماروت ونت" ہے جس کے معنی ہیں صاحب ماروت یا آقائے ماروت، اندرا دراصل آریوں کا معبود نہیں بلکہ ماروت کا معبود تھا۔ آریوں نے جب اسے اپنایا تو وہ ماروت ونت کے علاوہ "آریاونت" بھی ہو گیا اسی لفظ کی ایرانی صورت ارومد ہے۔ ہمدان کے پہاڑ ارومد کا نام دراصل ارومداسپ کا مختصر ہے۔ یہی وہ حقیقی اندرا دیوی ہے جسے ہندوستانی آریوں نے عالم بالا میں اچھال دیا ہے۔ ایک زمانہ میں اس پہاڑ پر میلا لگا کرتا تھا، میلے کے ایام میں اس پہاڑ پر ایک سوتا آب شیریں کا ابلنے لگتا تھا: یاقوت نے ایک ہمدانی شاعر کے چند اشعار نقل کیے ہیں جن میں سے ایک دو ذیل میں نقل کرتا ہوں:

تزینت الدنیا و طاب جنا بھا	وقام علی وزن السواء زمانھا
و امرعت القیعان و اخضر نبتھا	وناح علی اغصا نھا ورشا نھا
ستشک ذری اوند من سیح ذائب	من الثلج انھارا عذابا رعا نھا
کان بھاشو یا من الجسعہ التی	لفیض علی سکا نھا حیوانھا
و جاء حتودی فری الھند	لم یکن لثانی الاحین یاتی اوانھا

یعنی دنیا دولہن بنی اس کے آزو بازو خوش آئند ہو گئے، موسم اعتدال پر آیا بیابانوں میں سبزے لہلہائے ٹہنیوں پر کوئلیں کوکیں، ارومد کی چوٹیاں پگھلے برف کی نہریں بہانے لگیں، ایسا معلوم ہوتا ہے وہ جنت اتر آئی ہے جس کے باشندے آب حیات پیا کرتے ہیں ایسے میں ہند کی بستیوں سے جاتری آئے جو اپنے وقت

ہی پر آیا کرتے ہیں۔

ان اشعار میں ہند کی جن بستیوں کا ذکر ہے ان کے مقامات وقوع کو دجلہ وقزوین ہی کے درمیان باور کیا جاسکتا ہے، انھیں بستیوں کی وجہ سے ارض نودکا نام عربوں کی زبان پر ارض ہند تھا۔

اب دجلہ وقزوین کے مابین، دجلہ کے پورب اور پھر پورب جنوب کو سفر کیجیے خوزستان میں اپنے یہاں سے پوربی اصفہان کی طرف نظر کیجیے جس کے نام کی تشریح ابن درید نے یہ کی ہے کہ اسپ کے معنی ہیں شہر اور ہان اس ملک کا نام تھا، ذرا دم لے کر ہان کی حقیقت بھی جان لیجیے۔

جم شید یا جم کے نام کی اصل صورت یم ہے، مؤلفین ویدک انڈیکس سے ہم کو خبر ملی ہے اوستا کا یم اور رویدوں کا یم اصلاً دونوں ایک ہیں، دونوں انسان تھے، مرنے کے بعد دونوں عالم اموات کے فرماں روا بن گئے ، ہندوستانی یما نے ملک الموت کا عہدہ پایا ایرانی یم یا جم فردوس کا فرماں روا ہوگیا، ویدک یم کے باپ کا نام ویوا سوت ہے اوستا کے یم کا باپ ویون ہنت تھا۔

ویون ہنتی ''ت'' کو ''د'' بنا کر مطلب کجھیے، ویون ہند کا مطلب ہے فاتح ہند، عربوں نے ایرانی روایات کے مطابق جم شید کے باپ کا نام ویون ہنت کی بجائے ویون جہان اور رویون گیہان نقل کیا ہے۔ جہان دراصل گیہان کی معرب صورت ہے، گیہان اگر چہ اب سارے عالم کو کہتے ہیں مگر یہ لفظ گیو (زمین) اور ہان سے مرکب ہے۔ گیوہان کے معنی ہیں ہان کا ملک ہان، ہنت، اور ہند ایک ہی نام کے تلفظ ہیں اصفہان اصل میں اسپ ہان یا اسپ ہند تھا۔ اصفہان کے پاس ایک گاؤں تھا جس کا ذکر یاقوت نے فریز ہند کے نام سے کیا ہے فریز بیائے معروف معرب ہے فریز بیائے مجہول کا جو کہ امالہ ہے فراز کا اور فراز ضد ہے نشیب کا۔ فراز ہند کے معنی ہیں ہند کا بلند مقام اصفہان بھی ایک زمانہ میں ہند کی بستیوں میں سے ایک بستی تھا۔

خوزستان کا قدیم نام تر نام عیلام ہے، عیلام کے پایہ تخت کا نام سوسا تھا۔ بائیسویں صدی قبل مسیح میں یہاں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کے نام حسب ذیل تھے:

ا۔ کدر۔ادا۔کور۔مارتو	(ماروت کے دیس کا راجا کدر)
۲۔ کدر۔ما۔بگ	(کدر ہی معبود ہے)
۳۔ کدر نان۔	ہندی

بادشاہ کے اس آخری نام سے ظاہر ہے کہ ارض عیلام، جسے کورماتو کہا جاتا تھا ایک زمانہ میں ارض ہند میں داخل تھی اسی لیے وہ ہندی کہلاتا تھا جسے ہنتی بھی پڑھا گیا ہے۔

ہمارے افسانوی عاشق نامراد حضرت فرہاد سے کون ناواقف ہوسکتا ہے، اس کے رقیب خوش نصیب

کی بدبختی بھی دیکھئے ۔یہ بڑا سخت گیر اور ظالم فرماں روا تھا ۳۶ ہزار ایرانیوں کو قید کر کے اس نے داروغہ محبس فرخ زاد کو حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر ڈالو، فرخ زاد نے ایک کی خوشی پر ۳۶ ہزار کو قربان کرنے کی بجائے ۳۶ ہزار پر ایک کو نثار کرنے کی ٹھان لی سب کو رہا کر کے اس نے ایک فوج بنائی اور شاہی محل کو حصار میں لے لیا خسرو پرویز جان بچانے کے لیے:

هرب واختبا فی جانب بستان فی   بھاگا اور محل کے اندر باغ ہند نام کا جو باغ تھا

الدار یعرف بباغ الھند (ابوالفداء)   اس کے ایک گوشے میں روپوش ہوا

لیکن کیریاں پتوں کی آڑ میں چھپ نہ سکیں، پکڑا گیا اور مارا گیا یہ ۶ ھ کا قصہ ہے۔باوجود یہ کہ اب سے صدیوں پہلے یہ ملک بوم (بم، بام) ایران بن چکا تھا اور ایک آریہ ورت تھا لیکن اب تک شاہی باغ کو باغ ہند کہا جاتا تھا کہ اصلاً یہ دیس ہند نام ایک قوم کا دیس تھا جن سے آریوں نے بزور شمشیر اور بالجبر ان کا ملک و مال اور سب کچھ چھین کر بتدریج ان کو نیست ونابود کر دیا لیکن ان کے نام کو نابود نہ کر سکے۔

موجودہ ایران میں ایک دریا ہے جو شیراز کے شمال سے نکل کر کچھ دور شمال میں جاتا ہے پھر جنوب کو مڑ کر دجلہ سے ہم آغوش ہوتا ہے، پیش نظر اطلس میں اس کا نام کرین Karin ہے مگر یاقوت نے اسی دریا کی بابت لکھا ہے کہ " خوزستان اور ارجان کے درمیان ایک نہر ہے جسے نہر ہندوان کہتے ہیں"

بصرہ کے مقابل دجلہ کے پورب نہر ہندوان کے جنوب میں اسک نام کا ایک مقام تھا، اس کے جنوب میں شیراز سے ۶۰ فرسنگ اور خلیج میں فارس ہے ۸ فرسنگ پورب ایک مقام تھا جسے ارجان کہتے تھے یہ نام آریہ گان یا اریان کی معرب صورت ہے۔اسک وارجان کے درمیان ایک بستی تھی جو ہندی جان کہلاتی تھی یہ ہندیانہ کا معرب ہے۔

مسعر بن مہلہل نے کہا خوزستان میں آسک اور ارجان کے درمیان ایک بستی ہے جسے ھندیجان کہتے ہیں، اس میں عجیب آثار اور اونچی اونچی عمارتیں ہیں جن سے مصر کی طرح دفینے برامد ہوتے ہیں اور عجیب صنعت کی سنگی قبریں ہیں اور آتش خانے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ہند کے ایک گروہ نے شاہان فارس سے ان کا راج پاٹ چھین لینا چاہا تو یہاں پر لڑائی ہوئی فارس والوں نے ہندوالوں کو بری طرح شکست دی اس لیے یہ مقام متبرک سمجھا جاتا ہے (یاقوت)

ہندیجان والے دراصل حقیقی وارث ملک کے تھے انھوں نے فارس والوں یعنی ایرانی آریوں سے ان کا ملک چھیننا نہیں چاہا بلکہ بدیشی آریوں نے آ کر ہندوالوں سے ان کا ملک و مال چھینا مگر الٹے کہانی نے مظلوموں ہی کو برسر ناحق قرار دے دیا ہے، بہر حال صورت حال جو بھی ہو ہندیجان کا نام بتاتا ہے ایک زمانہ

میں وہ سرزمین بھی جس میں شیراز واقع ہے ارض ہند میں داخل تھی۔

افغانستان میں ایک دریا ہے جو غور سے نکل کر بحستان کی ایک جھیل میں آ کر گرتا ہے، پیش نظر اطلس میں اس کا نام ہلمند Helmand ہے، لیکن یاقوت نے اس کا نام ہندمند لکھا ہے۔ یہ نام اسے اس لیے دیا گیا کہ اس کے ایک جانب ہند کہلانے والی قوم کا دیس تھا۔ دوسری جانب مند نام کی ایک قوم بستی تھی، مند کا ذکر اس موقع پر اگر ہم کریں تو موضوع سے ہٹ جائیں گے مختصراً اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ ایک قوم کا نام ہے جو مہران سے پچھم (مغرب) بلوچستان وغیرہ میں آباد تھی۔

طبری اور ابن اثیر کے زمانے تک آذربیجان میں ایک حمیری نوشتہ ایک چٹان پر موجود تھا جسے الرائش کا نوشتہ کہا جاتا تھا۔ الرائش کم از کم دو گزرے ہیں ایک کو الرائش اکبر کہا جاتا تھا اور ایک کو الرائش اصغر، اول الذکر الرائش پر سندھی مہریں پڑھ لینے کے بعد ہم غور کریں گے کیوں کہ اس کا نام ایک اہم مہر پر مکتوب ہے۔ یہ کتبہ رائش اصغر کا معلوم ہوتا ہے۔ صاحب تیجان نے لکھا ہے کہ یہ دو پتھر تھے ایک پر مکتوب تھا:

ان الرائش ذامراشد سید الاوایلہ	وحشیوں کے ہمدرد، رائش ذومراشد نے دنیا
بلغ من الدنیا املہ وھی منتظر	سے اپنی آرزوئیں بھر پائیں اب مرنے کا
اجلہ المتی لنفس حص	منتظر ہے مدت گذری اور چل بسا
یا جابنا خراسان ملجا فی ارض	اے وہ جو کہ خراسان کا خراج اصرا کے ساتھ
حران فتحت ارض الھند مستاثرا	ارض حران میں لے جاتا ہے ہند کو تو بحرا ول
بحرا الاول والثانی	اور بحر دوم کے واسطے سے میں نے فتح کیا

یہ عبارت الرائش کے کتبے کی نہیں ہو سکتی البتہ اس کا عربی ترجمہ ہے، یہ الرائش ایران پر آریوں کے قبضے سے پہلے ہی کا آدمی ہو سکتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض خراسان بھی کبھی ارض ہند میں داخل تھی۔ کتبہ میں حران کا ذکر ہے اس سے مراد وہ حران ہو سکتا ہے جو کہ ذمار کے پاس ہے اور جہاں انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا طبع دہم کے مضمون نگار عرب کے بیان کے مطابق ایک قدیم قلعہ اور ایک پانی کے عالی شان بند کے آثار موجود ہیں اور Harris نے جسے تو راتی حاران خیال کیا ہے۔

ان حوالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں افغانستان اور ایران دونوں پورے کے پورے ارض ہند میں داخل تھے۔

سب سے قدیم کتاب جس تک ہم جیسوں کی بھی رسائی ہے اور جس میں ہند کا ذکر ہے وہ بائبل کی سفر آستر ہے، اس کا آغاز اس بیان سے ہوتا ہے کہ بادشاہ اخسورس (۴۸۶ ۔ ۴۶۵ ق م) ھدو (ہند) سے

لے کر کوش تک ۱۲۷ مدینتیم پر حکومت کرتا تھا۔کوش تو راۃ میں سواحل جیحان کا نام ہے لیکن بعض مفسرین اس کتاب کے کوش کو مصر سے تطبیق دیتے ہیں کیوں کہ واقعی اس کی حکومت مصر میں بھی تھی،مگر یہ تطبیق ایسی ہی ہے کہ اگر کہیں لکھا ملے کہ برطانیہ کی حکومت کلکتہ سے پشاور تک تھی تو ہم تاریخی واقعہ پیش کر کے کلکتہ کو برما میں ڈال دیں۔حدو سے اندلس کو مراد لیا جاتا ہے لیکن جب ہم خود ایران میں ہندیجان، ہندوان اور فراز ہند کو دیکھ آئے ہیں تو حدو سے اندلس کو مراد بتانے کے لیے مزید شہادت درکار ہے۔جناب شمس اللہ قادری مرحوم فرماتے ہیں کہ:

اوستا کے چار مختلف مقامات پر ہندو کا لفظ استعمال ہوا ہے او اس کو رو دارنگ اور فراخ کرت کے پاس بتایا گیا ہے۔ رودارنگ اور فراخ کرت دونوں افسانوی عہد سے تعلق رکھنے والے نام ہیں اور ان کے مقام وقوع کے مختص کرنے میں مستشرقین کے درمیان اختلاف ہے تا ہم بہت سے دلائل جن کی بنا پر ان کو اندلس او ربحر ہند قرار دے سکتے ہیں (ہند نامہ مرتبہ سید احمد اللہ قادری)

افسوس ہے ان بہت سے دلائل میں سے مجھے ایک بھی نہیں معلوم فراخ کرت کا نام نہ اندلس پر منطبق ہو سکتا ہے، نہ بحر ہند پر اس نام کا کوئی جز بحر یا نہر کا مرادف نہیں رو دارنگ کو اندلس مان لو مگر بحر ہند نہیں مان سکتے رود کے معنی سمندر نہیں ہیں، مستشرقین کی شاید و باید او تنگ بازیوں پر ہم کو توجہ دینے کی ضرورت نہیں حمزہ اصفہانی کا بیان ہے کہ دجلہ کے ایرانی ناموں میں سے ایک ارنگ رود ہے (یاقوت) ۔ایرانی کرت ،کلدانی کور، عربی کورۃ سب ایک لفظ کے تین تلفظ ہیں معنی "اس" کے ہیں ملک ، دیار ، علاقہ "خ" اور "ہ" متبادل حروف ہیں ۔فراخ کرت کے معنی ہیں کور فراہ۔ ہرات سے دکھن ایران وافغانستان کی سرحد پر فرہ یا فراہ نام کی ایک بستی اب بھی ہو گی اسی کے دیار کا نام فراخ کرت ہے۔اوستا کے زمانے میں ہندو کہلانے والے لوگ جنوبی ایران میں بستے تھے فراہ سے دجلہ تک ایک خط فرض کرو یہ خط ایران کو شمالی او رجنوبی دو حصوں میں تقسیم کر دے گا۔شمالی ایران مدتوں پہلے ملک ایران ہو چکا تھا لیکن جنوبی ایران ابھی ایران نہیں بنا تھا آریائی زمانے سے پیشتر سارا ایران بوم ہندوان تھا۔

عراقی ہند

حبش،عدن او رایران کے علاوہ عرب کے ایک او رحصہ کا نام ہند تھا۔خلیج فارس میں عرب سے ملا ہوا ایک جزیرہ ہے۔بحرین ،جس کو ایرانی اپنا بتاتے ہیں او رعرب اپنا، انگریز نے بحرین کے ایک شیخ کے ساتھ سازش کر کے اسے اپنا بنا رکھا ہے،یاقوت نے بحرین کے ذکر میں لکھا ہے:

قال قوم......وھو اسیم جامع لبلاد — ایک قوم نے کہا کہ بصرہ سے لیکر عمان تک

علی ساحل بحر الهند بینا لبصرۃ و عمان	بحر ہند کے ساحل پر جس قدر علاقہ ہے سب کا مشترک نام بحرین ہے

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ ایران اور عرب کے درمیان جو دو خلیجیں ہیں ان کو ایک زمانہ میں بحر ہند کہا جاتا تھا۔ ان خلیجوں کے بحر ہند کہلانے کی وجہ کو ہمارے ہندوستان سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے دونوں ساحلوں پر ہند نام کی ایک قوم بسا کرتی تھی جزیرہ بحرین میں ابھی حال میں آثار جوئی ہوئی اور موہن جودڑو کے سے ظروف برآمد ہوئے ہیں اس لیے ہم باور کر سکتے ہیں کہ ہمارے ہند اور اس ہند میں ایک وقت گہرا رابطہ تھا۔

ابھی بتایا گیا ہے کہ اوستا میں ہندو کے مقام وقوع کو رودارنگ کے پاس بتایا گیا ہے اور رودارنگ نام تھا دجلہ کا اس لیے خلیج عمان اور خلیج فارس سے اگر دجلہ و فرات کے منبعوں تک کا خیالی سفر کیجئے، شمال میں ارض روم کے اندر ایک پہاڑ ملے گا جسے ساسید ما کہتے تھے یاقوت نے اس کے ذکر میں لکھا ہے:

> قال العمرانی ھو جبل بالھند لا یعدم
> ثلجہ ابدا رانشد
> و ابرد من ثلج ساتیدما . واکثر ماء من العکرش
> ...... دساتید ما جبل من مبا حادقین
> وسعرت...... ھذالجبل لیس بالھند
> وان العمرانی وھم...... و قال ابو بکر
> الصولی فی شرح قول الی نواس
> و یوم ساتید ما ضربنا بنی ال
> اصغر والموت فی کتابتھا
> قال ساتید ما نھر بقرب ارذن و کان
> کسری' برویزو جدا یاس بن قبیصد الطائی
> لقتال الروم بساتید ما فھز مھم
> فافتخ بذلک و ھذاھوالصحیح و
> ذکرہ فی بلاد الھند خطا

یاقوت نے یہ ساری بحث اس غلط فہمی کی بناء پر کی ہے کہ العمرانی نے جبل بالہند کہہ کر ہمارے

پاکستان اور بھارت کو مرا دلیا ہے، اور یہ غلط ہے۔ ایک زمانہ میں جبل ساتید ما بھی ارض ہند میں داخل تھا ہمارا ہندتو مسلمانوں کے فتح سندھ کے بعد سے ہند کہلانے لگا آگے بڑھ کر یاقوت نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

وقال ابو عبيده ساتيد ما جبل يذكر اهل العلم انه دون الجبال من بح الروم الى بحر الهند

اس عبارت میں بحر ہند سے مراد خلیج عمان و فارس ہے ارض روم سے جو سلسلہ جبال دجلہ کے آس پاس سے خلیج فارس تک ہے اسی کا ایک حصہ ساتید ما ہے۔

نواح کوفہ میں ایک نہر تھی جس کو برس کہتے تھے کیوں کہ اسے عام روایت کے مطابق نرسی بن بہرام سوم نے کھودا تھا۔ اس نہر کے پاس ایک بستی نفر تھی، جس کا نام میخی تحریوں میں "نپور" ہے۔ کہانی کے مطابق جمشید کے حریف بیوراسپ عرف ضحاک کا شہر یہی تھا، اس نفر کی بابت یاقوت نے خطیب کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بلاد فارس میں ہے، پھر لکھا ہے کہ اگر فارس سے مراد عہد قدیم کی مملکت فارس ہے تو بات ٹھیک ہوسکتی ہے ورنہ اب تو وہ نواح بابل میں ارض کوفہ کے اندر ہے پھر ابو سعد السمعانی کا قول نقل کیا ہے کہ:

> نفر اعمال بصرہ میں سے ہے ولید بن ہشام القحذمی ابنائے فارس میں سے تھا، اس کا قول غلط ہے، مجھے میرے باپ نے میرے دادا کا قول سنایا کہ مدینہ بابل اور طیسفون اور المداین القدیمہ اور الابلہ اعمال ھند میں داخل ہیں

اس کے بعد احمد بن محمد بن الہمدانی کا قول نقل کیا ہے کہ" نفر پہلے اعمال کسکر میں داخل تھا پھر اعمال بصرہ میں داخل ہوا" ان باتوں سے ظاہر ہے کہ ایک زمانہ میں بابل، طیسفون، المداین، بصرہ، الابلہ اور کسکر کے مقامات کو ارض ہند کہا جاتا تھا۔

خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ:

اخبرنا الا زهرى قال يا احمد بن ابراهيم البزار قال نا جعفر بن محمد المروزى قال سيف بن عمر عن محمد و طلحة و المهلب و زياد و سعيد و عمر قالوا مصر المسلمون الداين واوطنوها حتى اذا فرغوا من جلولاء و تكريت واخذ والحصين	ہم کو ازہری نے خبر دی کہ ہم کو احمد بن ابراہیم النبر او نے بتایا کہ ہم کو جعفر بن محمد المروزی نے سنایا کہ ہم سے سیف بن عمر نے کہا کہ محمد او رمہلب اور زیاد اور سعید او رعمر نے کہا کہ مسلمانوں نے شہروں کو بسایا اور ان کو وطن بنایا جلولاء وتکریت سے فارغ ہونے کے بعد جب مسلمانوں نے

کتب عمر ابی سعد بن ابی وقاص ان ابعث	دونوں قلعے حاصل کر لیے حضرت عمر نے حضرت سعد بن
عتبۃ بن غزوان ابی فرج الھند فلیرتد منزلا	وقاص کو لکھا کہ عتبہ بن غزوان کو علاقہ ہند میں روانہ کرو
بمصرہ وابعث معہ سبعین من اصحاب	تا کہ وہ ایک مقام چن کر اسے شہر بنائیں اور اس کے ساتھ
رسول اللہ صلعم مُخرج عتبہ فی سبع	۷۰ صحابہ کو روانہ کرو پھر عتبہ سات سو کے ساتھ مدائن سے
مائہ من المداین فسار حتی نزل شاطی ءدجلہ	روانہ ہوئے دجلہ کے کنارے پہنچ کر انھوں نے اپنے قیام گاہ
و تبوا داد مقامہ	کی بنیاد ڈالی

ابو بکر احمد بن الہمدانی المعروف با بن الفقیہ المتوفی ۳۰۷ھ کتاب البلدان میں لکھتے ہیں کہ:

ان اول من انشط البقرة فی خلافة عم عتبہ بن غزوان و کانت لسمی ارض الھند فکتب عمر ابی سعد بن ابی وقاص ان خط لقتر دالک بالکوفة وابعث لعتبة بن غزوان الی ارض الھند فان لہ فی الاسلام مکانا و کان قد شھد بدر افمضی عتبة فی ثمان مابہ و نزل البصرہ و مصر ھا سنی ۱۲

بصرہ کی بنیاد حضرت عمر کے زمانہ میں عتبہ بن غزوان نے رکھی ان دنوں بصرہ کو ارض ہند کہا جاتا تھا چنانچہ حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ اپنی چھاؤنی کی بنیاد تو کوفہ میں رکھو مگر عتبہ بن غزوان کو ارض ہند میں روانہ کر دو کیوں کہ ان کا اسلام میں ایک مرتبہ ہے اور وہ شرکائے بدر میں سے تھے پھر عتبہ ۸ سو کے ساتھ روانہ ہوئے اور بصرہ میں اترے اور ۱۲ھ میں اسے شہر بنایا

یاقوت نے بصرہ کی بابت متعدد روایتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

و قد روی من غیر ھند الوجہ ان اللہ عزو جل بما اظفر سعد بن ابی وقاص بارض الحیرہ وما نا ربھا کتب الیہ عمر بن الخطاب ان ابعث عتبہ غزوان الی ارض الھند فلینز رلھا و یجعلھا فیردانا فلمسلمین ولا یجعل بینی و بینھم بحرا و کانت الا بلہ نسمی ارض الھند فخرج عتبہ من الحیرہ فی نما نمائة دجل حتی نزل البصرہ فلما افتح الابلة ضرب قیر

اس کے علاوہ ا ور طریقوں سے یہ مروی ہے کہ حیرہ اور آس پاس پر جب خدا نے سعد بن ابی وقاص کو فتحیاب فرما دیا تو حضرت عمر نے ا ن کو لکھا کہ عتبہ بن غزوان کو ارض ہند میں روانہ کردو وہاں پہنچ کر وہ اتریں اور اسے مسلمانوں کی چھاؤنی بنائیں اور میرے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی سمندر حائل نہ ہو پھر عتبہ ۸ سو مردوں کے ساتھ حیرہ سے روانہ ہوئے بصرہ میں اترے الابلہ فتح کرنے کے بعد وہاں اپنا ڈیرہ ڈالا۔

الابلہ اور بصرہ قریب ہی قریب ہیں اس لیے بصرہ کو ارض ہند سے موسوم کرنے اور الابلہ کو موسوم کرنے میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے بصرہ کا اس زمانے میں کوئی وجود نہیں تھا۔ الابلہ کا مقام ارض ہند کے نام سے مشہور تھا اور وہیں بصرہ آباد ہوا۔

الابلہ کی بابت یاقوت نے اصمعی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایرانی لوگ اسے ہلوبلت کہتے تھے، جسے عربوں نے الابلہ کی صورت میں بدلا۔ ایرانی نام ہوبلت اس کے نطی نام ہلوب اَا کا کی بگڑی صورت ہے جس کا ترجمہ ہے "ہوب یہاں نہیں" اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ ہوب ایک نطی کلوارن کا نام تھا جسے یہاں کچھ نطیوں نے تلاش کیا تو یہ جواب دیا گیا پھر اس مقام کا یہی نام ہوگیا۔

یہ وجہ تسمیہ درست نہیں، ہوب یقیناً ایک نام ہے۔ کیے خسرو کے نام کی قدیم صورت جیسا کہ کتبات سے معلوم ہوا ہے ہووخشتر وتھا جسے ہم اپنے ہندی لہجہ میں ہوب کھتری پڑھ سکتے ہیں اَا کا کو سبائی الک سے مشابہت ہے جو بادشاہ سے فروتر ایک عہدہ تھا ثبوت کے لیے دیکھیے:

ال ریام یدم ملک حضرمت بن بدع ال یین ملک

إعلل وصلل محقدمن الودم بسلفت

اب خمس من یدع ال یین الک حضرمت معلل

عم اخس الریام یدم ملک حضرمت من یدع ال

بین ملک حضرمت بسلفت

یہ دونوں کتبے ملمی کی دختران سبا سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ یدع ایل بین ملک حضرموت کے دو بیٹے تھے ایک ال ریام یدم تو ملک حضرموت مقرر ہوا دوسرا الک حضرموت مقرر ہوا، الک کا ٹھیک مطلب جاننے کے لیے مزید کتبات درکار ہیں مگر غالباً یہ عہدہ وزیر کے جیسا ہوگا۔ بہرصورت الاک ای الک کی ایک دوسری صورت ہوب الاک کوئی فرمان روا ہوگا جس کے نام پر الابلہ موسوم ہوا بطیحہ کے ذکر میں یاقوت نے لکھا ہے کہ:

> حمران بن الحنت الجرجانی نے کہا میں الحسین بن عمرو الرستمی کے پاس حاضر ہوا وہ مامون کے مخصوص قایدوں میں سے تھا، خراسان کے موبدوں سے نوروز مہرجان کی بابت پوچھ رہا تھا کہ وہ کیسے عید کا دن قرار پایا، ہم لوگ اس وقت ذی الریاستین کے گھر میں تھے، موبدان نے جواب دیا کہ:

واسط کا نام دارا بن دارا کے زمانہ میں افرونیہ تھا، ان دنوں وہ دجلہ کے لب ساحل نہیں تھا، دجلہ بطن جوخا کے ناحیہ میں اپنی راہ پہ رہا تھا، بہرام گور کے زمانے میں دجلہ نے اپنے بہاؤ کی راہ بدل دی اور السدار کی سمت بہنے لگا اور واسط کے پاس سے گزرنے لگا، اس انقلاب کے دنوں میں بہت سی بستیاں اور عمارتیں غرقاب ہوگئیں جو البطائح کے مقام میں تھیں اور البادیہ سے قریب تھیں ان دنوں بصرہ اور اس کے آس پاس الابلہ کے سوا کسی جگہ کا وجود نہ تھا۔ الابلہ ذوالقرنین کی تعمیرات سے ہے۔ مقام بصرہ میں بہت پرانے زمانے کی ویران اور دہشت خیز بستیوں کے کھنڈر تھے جن میں کوئی بستا نہ تھا۔ ان دنوں دجل، ابلہ کے سوا کوئی شہر نہ تھی۔ پھر ان بستیوں اور شہروں میں جو البطائح میں تھے ایک وبا پھوٹ پڑی اور لوگ بھاگ نکلے، اور ان کے پیچھے ان کے اہل و عیال غذائیں اور دوائیں لے کر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سب کے سب مر چکے ہیں اس لیے لوٹ گئے پھر ایسا ہوا کہ فروردین ماہ کی پہلی تاریخ کو بارش ہوئی اور یہ مردے جی اٹھے تو اس زمانے کے بادشاہ نے کہا ''یہ نوروز ہے'' اس لیے یہ نام اس دن کا پڑ گیا، پھر بادشاہ نے فرمایا کہ یہ مبارک دن ہے پس اگر اس دن اللہ بارش برسائے تو خیر ورنہ لوگ ایک دوسرے پر پانی کا چھڑکاؤ کیا کریں اور اس دن کو مبارک جانیں اور عید منائیں، پھر یہ قصہ مامون نے سنا تو کہا کہ ایسا قصہ قرآن میں بھی ہے اور وہ ارشاد باری ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنی بستیوں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت سے بچنے کے لیے پھر اللہ نے ان سے کہا (بھاگو مت بلکہ خوشی خوشی) مرو پھر اللہ نے ان کو زندگی عنایت کی اس قصہ کا قرآن کی آیت سے جوڑ ملانا بے جا ہے۔ قرآنی آیت کا تو مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ موت سے بچنے کو بھاگے تو ان سے کہا گیا کہ بھاگو مت، بلکہ

خوشی خوشی مرنے پر تیار ہو جاؤ چنانچہ وہ موت پر جل گئے تو اللہ نے ان کو زندگی عنایت کی، یہ آیت جہاد سے تعلق رکھتی ہے۔اس قدر طویل قصہ کو نقل کرنے کا مقصد ان دنوں کا یہ تصور دکھانا ہے الا بلہ کا باقی ایرانیوں کے خیال میں ایک ذوالقرنین تھا۔ یہ ذوالقرنین کون تھا اور ذوالقرنین کا صحیح مطلب کیا ہے ؟ ان مباحث سے سردست ہم کو بحث نہیں ،عربی کہانی میں ایک الصعب ذوالقرنین بڑا مشہور ہیرو ہے اس کی بابت کہا گیا ہے، اس نے ہند کو فتح کیا تھا۔جس ہند کو اس نے فتح کیا وہیں وفات پائی اور وہ ہند ہی ارض ابلہ ہے، چنانچہ ایک شاراس کی خبر کا یوں پتہ دیتا ہے کہ:

ادا جاوزت من شرفات حلو	و سرت بایک برقہ حرجان
وجا وزت العقیق بارض ھند	الی الصوبات النخل الدوان
ھناک الصعب ذوالقرنین ثاو	بطن تنوفۃ الحوین عان
بحو قراقر امسی رھینا	اخوالا بام والد ھرالھجان

یعنی حنوقراقر کی بلند عماتوں سے آگے، برقہ حرحان کی جھاڑیوں کے پار، ارض ہند میں وادی عقیق سے گزر کر تنوفۃ الحوین میں پہنچو گے تو وہاں صعب ذوالقرنین کی قبر ملے گی جو کر حنوقراقر میں پھنس کے رہ گیا تھا۔

حنوقراقر یا ذوفار، کوفہ کے سامنے اور وادی عقیق بصرہ کے سامنے واقع ہے۔ہم کو نہ صعب ذوالقرنین کی ہستی سے بحث ہے نہ اس بات سے کہ وہاں اس کی قبر ہے یا نہیں ہے بحث صرف اس امر سے ہے کہ وادی عقیق کے محل وقوع کو ارض ہند کہا جاتا ہے۔

یاقوت نے مروشاہ جان کے ذکر میں ایک ایرانی روایت نقل کی کہ " طہمورت جب بادشاہ ہوا تو اس نے مرو میں قہمندز کو تعمیر کیا ہے بابل کو آباد کیا قوم موسیٰ کی سرزمین میں ایرائین کو بنایا اور ارض ہند میں اوق کی تعمیر کی۔اس روایت سے بھی ہم کو اسی قدر بحث ہے کہ اوق کے مقام وقوع کو ایک زمانہ میں ارض ہند کہا جاتا تھا۔ اب ہم کو دیکھنا ہے کہ اوق کا مقام کہاں ہے۔

اوق کے ذکر میں یاقوت نے لکھا ہے کہ بنی عُقیل کے ایک پہاڑ کے نام سے ایک شاعر نے کہا:

تمتع من السیدان والاوق نظرۃ	بقلبک للسیدان والاوق الف

یعنی اوق وسیدان کا ایک نظر لطف اٹھا لے تیرا دل تو اوق وسیدان کا عاشق ہے الصعیف العقیلی نے کہا

الا لیت شعری ھل یحنن ناقتی	بخبت وقد امی حُمول روائح
تربعت السیدان والاوق اذ ھما	محل من الاعرام والعیش صالح
ومایجزأ السیدفی رتوالضحی	ولا الاوق الا افط العلین مائح

کاش میں جانتا کہ میری اونٹنی ترمیم زمین میں باؤلی تو نہیں ہو گئی جب کہ میرے سامنے اور سواریاں سفر کر رہی ہیں۔ سیدان و اوق میں چو پہل بیٹھ گئی کیوں کہ وہ دونوں اونٹوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہیں اور زندگی وہاں کی خوش گوار ہے۔ آغاز چاشت کے وقت اوق و سیدان سے گذرتے ہی آنسو آنکھ کو بھر دیتا ہے۔

ان اشعار سے ظاہر ہے کے اوق اور سیدان قریب قریب واقع ہیں سیدان نام کے تین جگہوں کا یاقوت نے سراغ دیا ہے جن میں سے ایک کا محل وقوع بصرہ اور بحرین کے ھجر کے درمیان کاظمہ کے قریب بتایا ہے اور یہی اوق کے ساتھ والا سیدان ہے۔ J.L. Mayres M.A فرماتے ہیں:

The most important are the Shatt- Hindie which diverges at Babylon and follows the western edge of the delta, rejoining near ancient Erech.

ہمارے ہندوستان کو ہند نام دینے والے یمنی سے آئے تھے۔ یہ نام اس ملک کا انہوں نے اس خیال سے دیا کہ ان کی روایت کے مطابق یہ دیس سبا بن یطعن کے بھتیجے سند بن یوفیر بن یطعن کا دیس تھا۔ آنے والوں نے اسے اپنا موروثی دیس خیال کر کے یہ نام دیا۔ یہاں کے باشندے زمانہ قدیم میں ان کے خیال میں انھیں کے اسلاف تھے۔ مدتوں قبل ہاتھ سے نکلا ہوا دیس جب ان کو حاصل ہوا تو اس کے قدیم نام کو زندہ کیا۔)

The Dawn of History p. 87

ہندی ہند:

حاصل کلام یہ کہ ایک زمانہ میں حبش کے اندر ایک مقام کو، جنوبی عرب کے ایک حصہ کو، پورے ایران کو، ارض بابل کو، خلیج فارس کے عربی ساحل کو، جس میں بصرہ، ابلہ، اوق، سیدان وغیرہ واقع ہیں ہند کہا جاتا تھا۔ پاکستان اور بھارت میں بسنے والے ویدی زمانہ سے محمد بن قاسم کے زمانہ تک اس دیس کے کسی حصہ کو ہند نہیں کہتے تھے، یہ نام اس دیس کو ساتویں صدی مسیحی میں عربوں نے دیا، ہندوؤں کا پورا لٹریچر ہند، ہندو، ہندی، ہندوستان کے ناموں سے خالی ہے۔ غالباً اسی لیے تقسیم کے بعد ہمارے دیس کو ہند کے بجائے ''بھارت اتھوا انڈیا'' کا نام دیا گیا۔ لیکن ابھی ہندی اور ہندو کے الفاظ کو ہماری اکثریت نے طلاق نہیں دی ہے، مسلمانوں نے اس ملک کو ہند کا نام جس وجہ سے دیا وہ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ دیس جس کو عربوں نے فتح کیا ایک زمانہ میں ہند رہ چکا ہے۔

سند:

عام طور پر مشہور ہے اور ابھی چند برسوں پہلے تک میرا بھی یہی خیال تھا کہ اصلی نام سندھو ہے جس

کے معنی ہیں دریا، ویدک آریا دریائے کابل سے لے کر معدوم شدہ دریا سرتی تک کے علاقہ کو سپت سندھو کہتے تھے جس کا ترجمہ ہفت آب ہے، اس ہفت آب کا ایک دیس باہر ہو گیا اور ایک عالم عدم آباد میں تشریف لے گیا اس لیے پنجاب بن کے رہ گیا۔ سپت سندھو مختص ہو کر سندھو بنا جسے ایرانیوں نے ہندو، عربوں نے ہند اور عبرانیوں نے ہدو کی شکل دی، لیکن سندھی مہروں کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اصل نام ھد تھا لیکن اس کے ثبوت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے

ہند اور سند میں سے کون قدیم تر نام ہے اس کو معرض بحث میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہند کو ہم اپنے ہند سے باہر کئی جگہ دیکھ آئے ہیں، اب ذرا سند کو بھی دیکھ لیجیے کہ یہ نام کہاں کہاں ملتا ہے۔

سندھ پر عربوں کے حملہ کی وجہ کرک نام کی ایک قوم نے پیدا کی، اس قوم پر بحث کرتے ہوئے ایلیٹ نے "تاریخ ہند بقلم مؤرخین ہند" کے ضمیمہ میں کئی قبائل اور اماکن کے نام گنائے ہیں جن میں کرک کا نام کسی نہ کسی طرح شامل ملتا ہے۔ یہ اماکن وقبائل Euxine کے سواحل پر تھے ان کے ساتھ ایسے بھی چند اماکن وقبائل کے نام مختلف حوالوں سے ایسے بھی گنائے ہیں جن میں سند کا نام پایا جاتا ہے۔ پھر ایک مصنف Hesychius کی بابت لکھا ہے کہ اس زمانہ یعنی عربوں کے سندھ پر حملہ کے زمانے سے ۲۰۰ برس قدیم ہونے کے باوجود صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یوکساین کے یہ کرک اور یہ سندی، دراصل ہندوستانی تھے۔ ایلیٹ کے خیال میں یہ لوگ کسی زمانے میں اسی وادی سندھ سے وہاں جا بسے تھے۔ جن ناموں کا ذکر ایلیٹ نے کیا ہے ان کو دہرانا ضروری نہیں ہے، چند نام یاقوت کے معجم البلدان اور قاموس سے نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱)	سند	:	اندلس میں اعمال طلیطلہ کا ایک ناحیہ۔ اندلس میں اقلیم قریش کا ایک شہر
(۲)	سند	:	مغرب میں ایک وادی کا نام (قاموس)
(۳)	سندیون	:	مصر کا ایک شہر (قاموس)
(۴)	سندبس	:	مصر میں ایک مقام
(۵)	سندفا	:	مصر میں ایک چھوٹا سا شہر
(۶)	سُندور	:	مصر میں ایک معروف جگہ
(۷)	سَنَد	:	بادیہ عرب کا ایک معروف شہر نابغہ کے شعر میں۔ بنی سعد کا ایک پانی
(۸)	سندیہ	:	بغداد و انبار کے درمیان ایک گاؤں۔ العبثہ سے ۳ میل النجموم سے ۶ میل کے فاصلہ پر طریق حجاج میں ایک پانی
(۹)	سندان	:	شعر ابو دواد الایادی میں ایک وادی

(۱۰)	سنداد	:	حیرہ اور الابلہ کے درمیان ایک شہر
(۱۱)	سندہ	:	جبال ھمذان میں ایک قلعہ
(۱۲)	سند	:	خراسان کے شہر نسا کے پاس ایک گاؤں
(۱۳)	سندبابا	:	آذربیجان میں ایک جگہ
(۱۴)	سند	:	ہرات کے گاؤں میں سے ایک گاؤں
(۱۵)	سندابل	:	مملکت چین میں ایک شہر جس کا ذکر چین میں مفصل آیا ہے

یہ اسمائے اماکن ہم کو خبر دیتے ہیں کہ سند دراصل ایک قوم کا نام تھا جس کی چھاؤنیاں مختلف اماکن میں تھیں مصر کے سندیون کے نام کو پڑھ کر ایک پر لطف حقیقت یاد آتی ہے مصر کے دوسرے خانوادہ کے چھٹے بادشاہ کا نام Sendi اور Senti پڑھا گیا ہے۔سنداد کے ذکر میں یاقوت نے الاسود بن یعفر النھشلی کے چند اشعار نقل کیے ہیں جن میں سے ایک دو آپ بھی پڑھ لیجیے تو بہتر ہے۔

ماذا اومل بعد آل محرق	ترکوا منا بھم و بعد ایاد
حلوا بانقره لسبیل علیھم	ماء اکفرات یجیء من اطواد
اھل الخور نقو الدیر و بارق	والقصر ذی الشفات من سنداد
ولقد غنوا منھا یا فضل عیشه	فی ظل ملک ثابت الاوتاد
فاذا النعم وکل ما بلھه به	لوما بصیر الی بلیونفاد
حرت الریاح علی عراص دیارھم	فکانما کانوا علی میعاد

یعنی ال محرق اور ایاد کے بعد جنھوں نے اپنی بستیاں چھوڑ دیں اب کیا آرزو کروں، یہ لوگ انقرہ میں جا بسے جہاں آب شیریں بلندیوں سے بہ کر آتا ہے، یہ خورنق، سدیر، بارق اور سنداد کے قصر ذی الشرفات والے تھے، ان میں مدتوں مستحکم حکومت کے ساتھ آباد رہے مگر ہر نعمت کو ایک نہ ایک دن زوال آتا ہے، ان کی بستیوں میں اب خاک اڑتی ہے شاید ان کو اس کی پہلے سے خبر تھی۔

آل ایاد دوسری صدی مسیحی کے آغاز میں جب ایرانیوں نے اس دیار پر قبضہ کر لیا یہاں سے جلاوطن ہو گئے تھے۔سنداد کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یاقوت نے لکھا ہے:

قال حمزة فی تاریخه و کان قد مملک فی القدیم
من الفرس علی مواضع متفرقه من ارض العرب
سنة عشر مر زبانا دھم سخت تملک علی ارض

کندہ و حضرموت و ما صاتبھا دھرا ولاادری فی

ای زمان دای ملک کان تم مملک سنداد وملی

عمل سخت وطال مکۃ فی الریف متی بنی فیہ

ابنیۃ وھو صاحب القصر ذی الشرفات الذی لقول

فیہ الاموذ بن یعص " والقصر ذی الشرفان من سنداد

سخت وسنداد دونوں کوحمزہ نے فارس خیال کیا مگر سنداد کا نام دولفظوں کا مجموعہ ایک سند ہے اور ایک آد ہے

آذالشی ء(ض)ایداوآداشتد

وملب وقومی.....وداآ دو الاید

الفوۃ (اقرب المواد)

سنداد کے معنی ہیں آد سند یعنی سند کی قوت سنداد ایک سندی تھا جو کسی زمانہ میں عراق کا حاکم ہو گیا تھا۔

افسوس ہے کہ میرے لیے ضروری کتابیں مہیا کرنا مشکل ہے ورنہ اور بھی اس قسم کی شہادتیں مہیا ہوسکتی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ سند کا عرب کے ساتھ نا معلوم زمانے سے کیا تعلق ہے حاصل کلام عربوں کے خیال میں ہند اور سند جیسا کہ پچھلے مضمون میں بتایا گیا ہے وہ ہم نسل قوموں کے نام تھے، عربوں کا ایک گروہ ان کو بو فیرین یقطن برادر سبا بن یقطن کی نسل باور کرتا تھا اور ایک گروہ ان کو بنو حام میں شمار کرتا تھا۔ عربوں نے سند کو فتح کرنے کے بعد اپنے مقبوضہ علاقہ کو تو سند کے نام سے موسوم کیا باقی علاقہ کو ہند کا نام دیا اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہاں آنے کے بعد ان کو ایسی شہادتیں دستیاب ہوئیں جن سے معلوم ہوا کہ اس دیار کے اصلی باشندے وہ تھے جو ایک زمانے میں تقریبا مل، ابلہ، اوق اور بصرہ وغیرہ عربی سواحل خلیج عمان وفارس پر بستے تھے اور ہند کہلاتے تھے۔

ہندو عرب:

اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ چند سندھی مہروں کو پیش کیا جائے اور ان کی تحریریں پڑھ دی جائیں لیکن جب تک اور مہروں کو حل کر کے ایک ایک نقش کی ٹھیک آواز متعین کر نہ دی جائے اور تمام نقوش کا تختہ پیش نہ کر دیا جائے ان مہروں کے نوشتوں کو پیش کیے بغیر بھی ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

بہت سی سندھی مہریں عیلام اور عراق میں پائی گئی ہیں، ان مہروں کو سندھ اور عراق کے تجارتی تعلقات کی دلیل قرار دیا گیا ہے، مگر تجارت تو یک طرفہ نہیں ہوا کرتی۔ عراقی چیزیں سندھ میں کم پائی گئی ہیں، لیکن سندھی چیزیں عراق میں ملی ہیں، ابھی حال ہی میں بحرین کے اندر آثار کاوی کی گئی اور وہاں ہڑپا اور موہن جو دڑو

کے سے ظروف پائے گئے، اس بات کے قرائن موجود ہیں کہ ادھر سے آمد کم ہوئی ادھر سے رفت زیادہ ہوئی ۔
ایک اور بات قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ سندھ میں عراق کے سمیری رسم الخط کی کوئی تحریر نہیں ملی ہے اور عراق میں سندھی رسم الخط پہنچا ہے، اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ایک زمانہ میں ہڑپا اور موہن جو دڑو سے کچھ لوگ سندا دند کور کی طرح عرب میں جا کر آباد ہوئے ۔

عرب کا ملک جیسا کہ اب بے آب و گیاہ ہے ہمیشہ ایسا نہ تھا، قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کہ احقاف میں بستی تھی فرمایا تھا کہ خدا کا احسان یاد رکھو کہ

امدکم بانعام و بنین و جنت و عیون (ع ۷ شعرا)
اس نے چوپائے اور اولاد او باغات اور نہریں دے کر تمہاری مدد کی

احقاف جیسا علاقہ بھی ایک زمانے میں ہندوستان جنت نشان تھا ۔ Raymond Philip Doughety نے دی سی لینڈ آف عربیہ میں جرنل آف دی سنٹرل لیلیٹ ایشین سوسائٹی جلد ۷ صفحہ نمبر ۱۱۶ کے حوالے سے Sir Arther Keil کا قول نقل کیا ہے کہ:

اس مفروضہ کے کافی وجوہ ہیں کہ پورا ملک عرب آج کی طرح تکا ریگ زار ہونے کے بجائے pleistocene زمانے میں بلکہ خود ہمارے neolithic زمانے تک زمین کا نہایت ہی زرخیز و خوش نما حصہ تھا۔ نیو یارک ٹائمز میگزین مورخہ ۳ / جولائی ۱۹۳۹ء کے حوالے سے فلبی کا ایک مضمون کا خلاصہ دیا ہے جس سے چند اہم باتیں نقل کرتا ہوں:

(۱) پرانے زمانے میں، اب سے دو ہزار سال پہلے، عرب کا دیس ایسا ویران نہ تھا جیسا اب ہے
(۲) ربع الخالی میں فلبی کو آبی گھونگے اور دوسری ایسی چیزیں دستیاب ہوئیں جن سے وہ اس نتیجہ تک پہنچا کہ اس علاقہ میں ایک وقت مستقل دریا بہتے تھے اس طرح کے اور بھی ثبوت مہیا کیے جاسکتے ہیں مگر ہمارے لیے قرآن کی شہادت کافی ہے کہ ایک زمانہ میں عاد ثمود کا دیس جنات و انہار کا دیس تھا اور اچھی خاصی موسم پر بارش ہوا کرتی تھی اور اس وجہ سے ایک زمانے میں یہ ملک بہت آباد تھا ، قرآن میں قدیم قصور و مصانع اور بیوت دربار کے جو تذکرے ہیں وہ شہادت دیتے ہیں اور شاید ان شہادتوں کو اب بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ عرب کا دیس ایک زمانہ میں اچھا خاصا بھرپور آباد دیس تھا۔ اس زمانے میں قومیں دور دور سے اس دیار میں آآ کر بستی ہوں گی ۔ اس قدر تمہید کے بعد ہم اب اپنے اصل موضوع کی طرف پھرتے ہیں۔

عراق اور عیلام میں جو سندھی مہریں پائی گئی ہیں ان میں سے اکثر کے زمانے کو اکادی حکومت کے

آغاز کے زمانے سے تطبیق دی گئی ہے۔اس زمانے میں ہڑپا و موہن جو دڑو کے کچھ لوگ اپنی مہریں لیے ہوئے عیلام و عراق میں پہنچے،اب اس زمانے کی ایک تحریر پڑھیے

۱۔ شروکین ۔ شا دا گا دِ ا نا ۔ پالی ۔عشتر ۔عیلامت ۔ شانیا ۔ و ۔ماھری ۔ ال
لیی یصلّفت سو علی ۔ ما تا تی یتبوک ۔طمطام ۔(ا ۔ اب ۔ با)
انا سیت شمسی عیبر ما ۔ستو ۔مات عرب شمسی ۔ آ دی ۔قتی سو
یکسد ۔ پی سو ۔ آ تا ۔ اسطن ۔ اوکن ۔ صلمانی سو ۔ان ۔ عرب شمسی
اس ذی از ۔ سللت سوتو ۔انا اماتی ۔اشبرا (دی سی لینڈ آف عربیہ بحوالہ C.E.B.K.11
(p.113 line 1-6

۲۔طمطام (ا۔اب ۔با) شا عرب شمسی عیبرو ما ۔ ستو ۔ ۳ tiKen⌋ عرب شمسی .... قتی سو

☆ دو غرتی کا ترجمہ جا بجا غلط ہے لفظ عیلامہ تک کا ترجمہ کیا ہے کہ Sargon King Agada was exalted through the royal insign of Istar سرجون شاہ اکادی بشارت نے شاہی نشان عزت فرمائی ہے۔
اصل تحریر میں (was exalted) کے لیے کوئی لفظ نہیں royal جس لفظ کا ترجمہ کیا ہے دوسرے نوشتوں میں اس کا ترجمہ خاندان کیا ہے اور یہی درست ہے۔عیلامہ کو عیلام کا نام سمجھنا چاہیے۔
(صلت سو علی ما تاتی یتبوک) کا ترجمہ His glory over the lands poured out یہ ترجمہ نہیں مستقل تصنیف ہے۔
(آدی قتی سر یکسود) کا ترجمہ کیا ہے " His land completely " اور (۔قتی سو یکسود) کا ترجمہ فرمایا ہے His land ......conquered اس سے معلوم ہوا کہ آدی کا ترجمہ completely ہے اور قتی سو کا ترجمہ his land ہے۔یہ بھی صریحاً غلط ہے۔
(پی سو تا اسطن اوکن) کا ترجمہ کیا ہے He placed it under one authority یہ بھی ترجمہ نہیں مستقل تصنیف ہے
(صلمانی سو تا عرب شمس اس ذی از) کا ترجمہ فرمایا His image he set up in (the land of) the setting of the sun ملکتیں اس لیے نہیں فتح کی جاتیں کہ فاتح وہاں اپنی مورتیں نصب کرے۔چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند
(سلالت سوتو تا اماتی اشبرا) کا ترجمہ کچھ بخشش فرما کر ارشاد فرمایا ہے:
چوں کہ ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ یورپ کی غلطیوں کو بھی حقائق باور کرتے ہیں اس لیے ترجمہ کی غلطی دکھانا ضروری ہو گیا ورنہ میرے ترجمہ کو بعض ناظرین یورپی ترجموں سے مختلف پا کر مسترد کر سکتے تھے اب ان کو مجبوراً یورپی ترجمہ کے صحیح ہونے کی دلیل دینی ہو گی۔
یورپی محققین کے ہر قول کو اندھی عقیدت مندی کے ساتھ حقیقت مان لینے والوں کو چاہیے کہ کبھی ناقدانہ نظر بھی استعمال کر لیا کریں۔

یکسوود (دی ی اینڈ آف عربیا C.E.B.K 11 p,131 line 24-25)☆

چوں کہ ہمارا اصل مقصود ناظرین کو اس بات پر تیار کرنا ہے کہ سندھی مہروں پر جو مکتوب ہے اس کی زبان اور اس کا رسم الخط وہ ہو سکتا ہے جو جیش ہند یعنی ہند اور عراقی ہند میں رائج تھا اس لیے اس کتبہ کا ہم مشابہ عربی الفاظ میں متداول عربی کی فصاحت کا لحاظ کیے بغیر ترجمہ پیش کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ اہل سندھ کا جن لوگوں سے واسطہ تھا ان کی زبان کیسی تھی۔

> سر جون سری اکاد . فی اسرة . عشتار العیلامیة ثانٍ (له) ومماهر لا ایسوا صَلَمَة علی البلاد یجا کون طمطام الا باب فی مطلع الشمس عبروا . سنة ۱۱ ارض مغرب الشمس آذُ قاتیه قصْد (ذاتُ) فیه علی اسطون اوقِ صالموه فی مغرب الشمس اسوا سلالت سو نو فی الامم اشروا طمطام الابان الذی هو مغرب الشمس عبرو . سنة ۳ (اذُ) ناتیه فی مغرب الشمس قصْد لیس اصل میں لا ایس تھا دیکھو لسان العربی
>
> اکاد کے رئیس سرجون کا عیلام والی عشتار کے گھرانے میں کوئی نظیر اور کوئی حریف نہیں رہا اس کے سرگنوں نے ملکوں پر دھاوا مارا پانی کے سمندر کو مطلع الشمس میں عبور کیا ۱۱ھ میں مغرب الشمس کے ملک کو خدام کی قوت نے شکست دی اس کے منہ کی بات اوق کے ہونٹوں پر سے اس کے سرہنگ مغرب الشمس میں مقرر ہوئے سونوی نسل قوموں کے درمیان معزز ہوئی پانی کے سمندر کو جو کہ مغرب الشمس ہے پار کیا ۳ھ میں اس کے اقدام کی قوت نے مغرب الشمس میں شکستیں دیں۔

اس کتبہ کی مات عرب شمسی کا نام مختصر ہو کر عرب بنا ہے۔ مطلع الشمس خلیج عمان و فارس کو کہتے تھے، قرآنی ذوالقرنین کی بحث میں اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں اسے میں نے ثابت کیا ہے۔ مغرب الشمس بحر احمر کا نام تھا۔ بحر روم کو طمطام علیس (بالائی سمندر) کہتے تھے۔ بحر ہند کا نام طمطام سفلیس (زیریں سمندر) تھا۔

سرجون کا پہلا سال عام طور پر ۲۷۵۰ق م کو قرار دیا جاتا ہے مگر بنودوس (۵۵۰ - ۵۳۱ ق م) نے نارام سن کو اپنے زمانہ سے ۳۲۰۰ برس پہلے بتایا ہے اور نارام سن اس کے ۲۷ برس بعد گزرا بایں ہمہ سرجون کا پہلا سال ہم بھی عام خیال کے مطابق ۲۷۵۰ق م ہی فرض کریں گے۔ اس کتبہ کے مطابق سرجون کی فوج نے

جن میں سندھی مہریں لے جانے والے بھی شامل خیال کیے جاسکتے ہیں اور اگر میری قرات تسلیم کرلی گئی تو امکان کو واقعہ سمجھ لینا پڑے گا۔ ۲۷۴۰ اور ۲۷۳۰ ق م کے درمیان بحراحمر اور خلیج فارس کے درمیان ایک حکومت قائم کی تھی۔

اس لیے اگر ہم کو سندھی مہروں پر عربی حروف میں عربی زبان ملتو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ پیش آریا زمانہ میں سند، ایران، عراق، عرب، عمان، یمن اور حبش کے سمیر میں ایک قوم بستی تھی اور ہند کہلاتی تھی۔ ان اقوام کی زبانیں بنیادی طور پر ایک تھیں۔

میں نے سندھی مہروں کو اس تصور کے ساتھ پڑھنا شروع کیا تھا کہ عربوں نے جیسا کہ تبا بعہ کی طرف منسوب بعض اشعار سے ظاہر ہے کبھی ہند کو فتح کیا تھا۔ لیکن وہ تصور بالکل بدل گیا یہ ممکن ہے کہ ہند پر عربوں نے کبھی حملہ کیا ہو اور فتح کیا ہو لیکن ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے لیکن اس کا ثبوت مجھے اپنی تشفی کی حد تک مل گیا ہے کہ ہمارے پاکستان قدیم ہی سے ایک زمانے میں کچھ لوگ عرب میں گئے اور معین وسبا اور حضرموت وقتبان اور حمیر وہمدان بن کر عرب کہلائے۔

سندھی مہریں

مولانا ابوالجلال ندوی

فروری ۱۹۵۲ء کے ''ماہ نو'' میں اتفاق سے موئن جودڑو کی چند مہروں کے چند عکس دیکھنے میں آئے، نظر پڑتے ہی دل نے کہا:

دوستاں گوئند وید دے یا پرانے رانجواں
سندھیاں لیکن ہتھ اند حرف تازیاں

ایک سرسری مضمون لکھا جو ''انجمن ترقی اردو پاکستان'' کے رسالہ ''تاریخ و سیاست'' میں اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوا کہ ''یورپ کے بے لاگ اہل تحقیق اس کی تصدیق یا تردید فرمائیں تو بات مستند ہوگی۔''

تین ''بے لاگ اہل تحقیق'' نے میری تجویز مسترد کردی۔ ہاتھی کی تصویر پر [illegible] مکتوب تھا۔ دیکھنا چاہیے تھا کہ اسے ''فیل'' پڑھنے کا امکان ہے یا نہیں، لیکن اس پر توجہ نہیں فرمائی۔ اس مضمون میں بعض مہروں کو میں نے (اب معلوم ہوا کہ) غلط پڑھا تھا، ان کی غلط خوانی بھی نہیں دکھائی۔ حسب ذیل دلائل سے قرأت مسترد کردی۔

۱۔ دو صاحب یقین نہیں کرتے کہ زبان عربی ہوگی۔ ایک صاحب کو یقین ہے کہ زبان عربی نہیں۔
۲۔ ایک صاحب فرماتے ہیں: قاعدہ یہ نہیں ہے کہ ادھر اُدھر سے پرانے حروف جمع کیے اور قدیم تحریر پڑھ دی، لیکن قدیم نوشتوں کو حل کرنے کا ٹھیک قاعدہ بھی واضح نہیں کیا۔
۳۔ انہی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ہمیں یقین نہیں ہے کہ صاحب مضمون اس میدان کو سر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا، حالانکہ دیکھنا یہ چاہئے تھا کہ تشریح درست ہے یا نہیں۔

قبل ازیں میں سمجھتا تھا کہ پہلے سے ایک قوم کی تشخیص کرکے اس کی زبان میں مہروں کو پڑھنا ضروری اور مناسب نہیں، حروف و نقوش اپنی آوازیں اور اپنی زبان آپ بتائیں گے، لیکن اب معلوم ہوا کہ جب تک یہ کام انجام نہ دے دیا جائے، حروف و نقوش پر غور ہی نہ کیا جائے گا اس لیے۔

باز می باید زسر گیرم رہ دہ را

داستان انکشاف:

۱۸۵۶ء میں لاہور اور ملتان کے درمیان ریلوے پٹڑیاں دوڑائی جارہی تھیں پٹڑیوں کے تلے ٹھوس

چیزیں بجانے کی ضرورت تھی۔اس کام پر ویلیم برٹمن مامور تھے۔لاہور سے ایک سو میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں ایک قدیم بستی کا خراب ایک تو دہ کی شکل میں دیکھا گیا۔مقام وقوع کا نام ہڑپا ہے۔غالباً یہ وہی "ہری یو پیا" ہے جس کے پاس "ورچیوز" قوم کے راجہ "ابھیاوارتن چیامانے ورچی منتون" کو جو کہ "وراسکھا کی" "نفس (اولاد) سے تھا، اندرا کی مدد سے نیست ونابود کر دیا تھا۔(رگ وید VI ۲۷: ۴ تا ۸)اس تو دہ کو کھود کر ویلیم برٹمن نے اس قدر اینٹیں اکھیڑیں کہ آج ایک سو میل تک، ایک سو برس سے حال کے انجن اس یادگار پاستان پر آگ اگلتے ہوئے دندناتے رہتے ہیں۔ان دنوں کراچی رجمنٹ کے جیشدار، جنرل الگزینڈر کننگھم تھے۔ان کو پاستان جوئی کا خدا نے خاص مزاق عنایت کیا تھا۔بھولے بسرے ماضی پر دل بے رحم کی یلغار دیکھنے کو ہڑپا میں آئے، مزدوروں نے ان کو چند نوادر ہدیتاً پیش کیے، ان میں سے ایک دو مہریں تھیں جن پر بیل کی تصویریں اور نا معلوم رسم الخط میں کچھ تحریریں تھیں۔ معلوم ہو گیا کہ اس خرابے میں ایک ایسے تمدن کی یادگاریں مدفون ہیں، جس کے پابند فن تحریر کو ایک حد تک ترقی دے چکے تھے۔داستان پاستان کا اشتیاق غالب آیا اور قدیم ثقافت کا نشان مزار نابود ہو جانے سے بچ گیا۔۱۸۶۱ء میں جنرل کننگھم کو حکومت ہند نے پیمائش آثار کا مہتمم مقرر کیا۔نصف صدی کے قریب انھوں نے انہماک کے ساتھ مفید خدمات پاستان انجام دی۔لیکن ان کی توجہ زیادہ تر بودھی عہد اور بعد کی یادگاروں میں الجھی رہی، بیسویں صدی کے آغاز تک ہڑپا تو دہ پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔انھوں نے جو مہریں پائی تھیں، معلوم نہیں وہ کیا ہوئیں، لیکن سندھی مہروں کو جن لوگوں نے پڑھنے کی کوشش کی ان میں ایک صاحب ہنٹر ہیں۔انھوں نے جو مہریں بحث و نظر کے لیے چنیں، ان میں سے دو "جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی" ۱۹۱۴ء کے حوالہ سے نقل کی ہیں۔غالباً یہ کننگھم کی مہریں ہوں گی۔

ایک قدیم مہر:

ان دو مہروں میں سے ایک پر مکتوب ہے افسوس ہے اس مہر پر جو منظر ہے اس کا ہنٹر نے ذکر نہیں کیا۔کئی مہروں پر کبھی تنہا اور کبھی لفظوں کے ساتھ مکتوب ہے۔سندھی مہروں پر وغیرہ نقوش پائے جاتے ہیں۔ سینائی رسم الخط کا حرف عین ہے اور دراصل کی بدلی ہوئی صورت ہے۔اس لیے کا مل میں Ken پڑھا جا سکتا ہے کا مل زبان میں "مین" Meen پڑھا جا سکتا ہے۔ریورینڈ ایچ ہیر اس کے نزدیک ان مہروں پر تامل زبان مکتوب ہے۔ایک مہر کو انھوں نے (Meen Keen) پڑھا ہے۔ترجمہ اس کا "چشم ماہی" ہے۔عربی میں اس کو یوں پڑھ سکتے ہیں:

نون	عین

آنکھ کو مصری قدیم میں "عانی" کہتے تھے اور اس کو یوں تحریر کرتے تھے:

اب ہم اس تحریر کو یوں پڑھیں تو بے جا نہ ہوگا:

Meen		Ken
ماہی		چشم
نون		عین
ن	ی	ع

عربی زبان میں عین جنگلی گائے کو کہتے ہیں۔ ہڑپا، موئن جودڑو، چانہوں دڑو کے مہر نویسوں نے اس لفظ کو پالتو بیل کی تصویر لکھا ہے۔ اشباہ اور نظائر کی رو کے بغیر اس کو اس طرح سے پڑھنے کے ساتھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ زبان کی تحریر عربی ہے، کم از کم اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ تحریر او تصویر کی ہم آہنگی اگر اتفاقی ہو تب بھی قابل توجہ ضرور ہے، لیکن اہل علم نے خبر نہیں میری اس قرأت کو پہلے سے کیوں کر جان لیا اور ہم کو اس طرح پڑھنے سے یہ ارشاد فرما کر منع کر دیا کہ:

"اس بات کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ مہروں پر جن چیزوں کی تصویریں ہیں، تحریریں بھی ان ہی کی بابت ہیں (Pre-Historic India, Page180) ایک ہی جانور کی تصویر پر بالکل مختلف نوعیت کی تحریریں ہیں، اس لیے ہو نہیں سکتا کہ تحریروں کا اپنے ساتھ کی تصویروں سے کوئی واسطہ ہو۔"

(Vedic Age, Page 191)ایک مہر کو بھی پڑھ سکنے سے عاجز ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے یہ قطعی رائے جو سنائی گئی ہے اس کی وجہ خود ایک راز ہے، جس تک رسائی حاصل کرنا سندھی مہروں کو پڑھ سکنے سے زیادہ دشوار ہے۔

تحقیق مارشل:

۱۹۲۰ء/ ۱۹۲۱ء میں سر جان مارشل کی زیر ہدایت دیا رام سا ہنی نے ہڑپا، اور ۱۹۲۲ء/ ۱۹۲۳ء میں موئن جودڑو میں جناب آر۔ ڈی۔ بنرجی نے باقاعدہ آثار کاوی شروع کی، دونوں کو کافی تعداد میں مذکور قسم کی مہریں ملیں۔ ان مقامات کی یافتوں کا حال جب علمی رسالوں میں شائع ہوا تو عراق اور عیلام کے پاریں دانوں نے ایسی کئی مہروں کے سراغ دیے جو ہیں تو سندھی مگر پائی گئیں عیلام اور عراق کے قدیم متروکوں میں۔ ۱۹۲۴ء/ ۱۹۲۵ء میں ان مہروں کا معائنہ کر کے سر جان مارشل نے ثابت کیا کہ یہ مہریں جس تمدن کا نشان دیتی ہیں، اس کی قدامت

عراق کے اتحادی دور تک پہنچتی ہے۔ ۱۹۳۱ء تک موئن جودوڑو میں بہ اوقات مختلف آثار کاوی ہوتی رہی۔ پھر موصوف نے "موئن جوڈرو اور سندھی کلچر" کے نام سے تین جلدوں میں یافتوں کے عکس اور چربے دئے ہیں۔ پہلی دو جلدوں میں انھوں نے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

یہ کتاب بے حد قیمتی ہے۔ مجھے پہلی دو جلدوں سے صرف سرسری استفادہ کا موقع مل سکا ہے۔ سر جان مارشل نے چند نہایت اہم کام انجام دیے ہیں۔ سب سے اہم یہ ہے کہ معقول دلائل سے ثابت کر دیا کہ نوشتے عام طور پر دائیں جانب سے شروع ہوتے ہیں اور دوسری سطر کبھی دائیں سے اور کبھی بائیں سے شروع ہوتی ہے۔ اس بات کو میں یوں کہوں گا کہ بے تصویر مہر پر نوشتہ دائیں سے شروع ہوتا ہے، با تصویر مہروں پر جانور کے سر کی طرف سے۔ بائیں جانب جانور کا رخ بہت کم ملتا ہے۔

موصوف نے حروف اور نقوش پر بھی اچھی خاصی بحث کی ہے۔ چند نقوش کو براہمی جیسے قرار دے کر ان کی آوازیں براہمی کی سی مقرر کی ہیں۔ چند نقوش کو "سومیری" جیسے قرار دے کر "سومیری" جیسی آوازیں ان کو دی ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے، اور بجا فیصلہ کیا ہے کہ نوشتے قطعاً غیر سومیری ہیں۔ کسی محقق کی ساری باتوں سے خصوصاً جب کہ وہ میدان تحقیق کا پہلا مرد ہو، حرف بہ حرف متفق ہونا ذرا مشکل ہی ہے۔ تصاویر کے ذریعے انھوں نے سندھی لوگوں کا جو مذہب تصنیف کر دیا ہے اس پر بحث کی جا سکتی ہے، لیکن یہ بات نہایت واضح اور موثر دلائل سے ثابت کر دی ہے کہ زبان کی تحریر جو بھی ہو، سنسکرت یا کوئی اور آریائی زبان نہیں ہو سکتی، کیوں کہ یہ تمدن ہندوستان میں آریوں کے زمانہ ورود سے مدتوں قبل کی چیز ہے، باوجود محنت شدید وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ زبان تحریر معلوم نہیں ہو سکی، مگر گمان غالب یہ ظاہر کیا کہ "دراوڑی" زبانوں میں سے کوئی ایک ہو تو عجب نہیں ہے۔ ایک مہر پر بیل کی تصویر ہے، اس کے آگے [نشان] ایسا ظرف ہے۔ اکثر مہروں پر یہی منظر ہے۔ اس مہر پر [نشانات] مکتوب ہے۔ زبان تحریر سے ناواقف ہونے کے باوجود اسے بطور نمونہ پڑھ کر دکھایا ہے اور حسب ذیل طریقے سے پڑھا ہے۔

نشان	قرأت
[نشان]	ایک دیوتا کا نام، تلاش کرو ہندوؤں کی دیومالا میں۔ تلفظاً اس کا حروف کی بحث میں "Ra"
[نشان]	پو۔ کیونکہ.........سبائی B ہے
[نشان]	تر (یہ لفظ سنسکرت ہے بمعنی ۳)
[نشان]	

فرض کیجیے کہ یہ قرأت جائز اور ممکن ہے، لیکن کیا مہر پر کوئی قرینہ اس کی صحت کا موجود ہے؟ یہ تو قرأت نہیں بلکہ تصنیف قرأت ہوئی۔ اگر مارشل نے ان تمام مہروں کو ایک جگہ رکھا ہوتا، جن پر [نشانات] مکتوب

ہےتو فوراً معلوم ہو جاتا کہ یہ تین لفظوں کا مجموعہ ہے۔

I '/ UIII اور ♠ بہت ممکن ہے کہ زبان تحریر میں پڑھ سکنے سے پہلے یہ بھی جان لیتے کہ IIUU کے معنی ہیں ''ظرف''۔ اور UII کے معنی ہیں ''بھرا ہوا'' بشرطیکہ تحریر او رتصویر کو ہم آہنگ سمجھتے۔

حیرت کی بات:

حروف و نقوش پر بحث کرتے ہوئے ◊X٢ ┴) کو مارشل نے سبائی رسم الخط کے حروف ف، ت، ح، س، قرار دیا ہے۔ سبائی حروف کی بابت ان کا علم کچھ واجبی ہی سا تھا، ورنہ اتنے ہی نقوش پر اکتفانہ کرتے۔ بہر حال انہوں نے پانچ نقوش سبائی دکھائے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ سر جان مارشل کی اس سراغ دہی کے باوجود ہمارے ہندوستانی اہل علم نے سندھی رسم الخط کے اشباہ اور نظائر پر بحث کرتے ہوئے ایشیائے کوچک کے ''مناتی'' رسم الخط کا جایزہ لیا، کریٹ کے ان پڑھے نقوش حاصل کیے، مصر کی ہیروغلافی نقل کرلائے، پھر عرب کو پھاند کر ہندوستان آئے اور براہمی نقوش سے سندھی کا مقابلہ کیا، چین کے نقوش حاصل کیے، پیسفک کے ''جزائر ایسٹر'' کے نقوش حاصل کیے، مگر دریائے سندھ جس سمندر میں گرتا ہے، اس کے دوسرے ساحل پر جو رسم الخط اس زمانے سے، جسے سندھی کلچر کا آخری زمانہ کہا جا سکتا ہے، ظہور اسلام کے زمانے تک رائج تھا، اس کا نام تک لینا گوارا نہیں کیا۔ حالانکہ اس رسم الخط کا نام ''مسند'' ہے۔ ''سند'' ''اسناد'' اور ''مسند'' میں وہی رابطہ ہے جو عرب، اعراب اور مغرب میں ہے! بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

سندکی عراقی مہریں:

سر جان مارشل نے اپنی کتاب میں پانچ مہروں کے نقوش نقل کیے ہیں، جن میں سے ایک ''علیم'' (بائبل کے عیلام) کے پایۂ تخت سوسا، تین لغاش اور ایک کش میں ملی ہے۔ ان مہروں پر جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھنے کے لیے تمام نقوش کو پہچان لینا ضروری ہے۔ حرف شناسی کی جدوجہد ہم بعد میں کریں گے، ان مہروں اور دوسری سندھی چیزوں کا عراق اور عیلام میں پایا جانا سندھ اور عراق کے درمیان گہرے رابطے کا پتہ دیتا ہے۔ اس رابطے کو صرف تجارتی قرار دیا جاتا ہے، لیکن کیا واقعہ بس اسی قدر ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی اور نوعیت نہیں ہو سکتی؟ سیاسی روابطے کا بھی تو امکان ہے؟

سوسا میں جو مہر پائی گئی ہے اس کا زمانہ سر جان مارشل نے اٹھائیسویں صدی قبل مسیح قرار دیا ہے اور ان کا یہ فیصلہ مسلمات میں داخل ہو چکا ہے۔ کش میں جو مہر پائی گئی ہے اس کی بابت بتایا گیا ہے کہ ایک مندر کے

ایک کمرے کی بنیاد میں پائی گئی اوران چیزوں کے ساتھ پائی گئی جن سے بنیاد بھری گئی تھی۔اس بنیاد کا نام ’’بنیاد شمسوا ایلونا‘‘ ہے۔شمسوا ایلونا نے ۲۰۴۲،۲۰۸۰ق م میں حکومت کی تھی۔یہ مہریں بتاتی ہیں کہ ۲۲۵۰ق م سے ۲۰۵۰ ق م تک سندھ اور عراق کے درمیان آمدورفت رہی ہے۔یہ زمانہ عراق کے اندر سومیریوں کے روزافزوں اور سامیوں کے روزافزوں عروج کا زمانہ ہے۔ان دنوں عراق میں دو زبانیں بولی جاتی تھیں:

۱) ایمےگا: (مردانہ زبان) تورانی زبانوں جیسی، جسے سومیری مرد بولتے تھے۔

۲) ایمےسل: (زنانہ زبان): سومیریوں کی عورتیں اور سامی لوگ یہ زبان بولتے تھے اور یہ زبان عربی، عبرانی اور حبشی کی ہم نسل، مگر تورانی آمیز تھی۔

اہل سندھ کا ان دونوں زبانوں والوں سے واسطہ تھا۔ان دونوں زبانوں کو نہیں تو ان میں سے ایک کو وہ ضرور جانتے تھے اور یہ امکان اسے خارج نہیں ہے کہ خود اپنے وطن سندھ میں بھی ان میں سے ایک زبان بولتے اور لکھتے رہے ہوں، لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ چودہ پندرہ ہندوستانی اور فرنگی عالموں نے سندھی تہذیب کے آفریدگاروں کی تشخیص اور زبان تحریر کو معلوم کرنے کی کوشش کی، ان لوگوں نے ویدوں کے اندر ڈھونڈ کر آریا اور ان آریا اقوام کا خیال کیا، دراوڑی لوگوں کے بارے میں سوچا، عراق کے سومیریوں کا بار بار ذکر کیا، لیکن شمسوا ایلونا کی قوم اور اس کی زبان یعنی کلدانی عربوں کی موجودگی کی تصویر تک سے اپنا دامن بچایا ہے، حالانکہ سندھی مہریں ایمےسل بولنے والوں ہی کی یادگاروں میں پائی گئی ہیں۔

ایک بات اور قابل لحاظ ہے کہ عراق میں جس قدر کثرت سے سندھی نوادر ملے ہیں، اس کے مقابلہ میں کہا جا سکتا ہے کہ سندھ میں عراقی نوادر اتنے کم ملے گویا ملے ہی نہیں۔یہ حالات بتاتے ہیں کہ رفت زیادہ ہوئی، آمد کم۔سندھ میں سومیری رسم الخط کی ایک بھی تحریر نہیں ملی ہے، لیکن سندھی رسم الخط کی تحریریں عراق میں کافی ملی ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ سندھی رسم الخط نے دیار عرب تک ضرور سفر کیا اور سومیری رسم الخط نے ہندوستان تک قدم رنجہ نہیں فرمایا۔موئن جودڑو کی ایک مہر پر منظر تو سومیری ہے، لیکن نوشتہ سندھی ہے، یہ مہر عراق سے آئی ہوگی۔سندھ میں عراق کے سومیری رسم الخط کے واقف کار نہیں تھے، اس لیے یہ چٹھی ایک سمیری منظر کے ساتھ عراق میں سندھی رسم الخط میں لکھی گئی تھی، پھر یہاں بھیجی گئی تھی، لیکن اس بات سے کوئی فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔سندھی رسم الخط نے عرب تک سفر کیا، اور عرب کے رسم الخط قبل قرآن کا نام ’’مسند‘‘ تھا۔ اس نام کے نقوش اور خود یہ نام سندھ سے اپنا رابطہ ظاہر کرتے ہیں۔لغاش میں جو مہریں پائی گئی ہیں ان میں سے ایک پر یہ مکتوب ہے۔اس کے پہلے اور آخری نقش کو ہم بعد میں سمجھیں گے۔درمیان کے چار نقوش جنوبی عرب میں رائج مسند کے حروف ج، ح، ز، رہیں اس مہر کی بدولت مناسب تھا

کر جنوبی عرب میں سندھی کے کا شیا دو نظائر تلاش کر کے سندھی کو مسند کی مدد سے پڑھا جاتا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام غور کرنے والوں نے کسی خاص وجہ سے عیلام و عراق کے سامی باشندوں، ان کی زبان اور حروف مسند سے چشم پوشی کی ہے۔ کسی نے اس رسم الخط کی مدد سے سندھی مہریں پڑھنے کی کوشش نہیں کی، جس حروف ایسے ہوتے ہیں۔ 𐩮𐩠𐩬𐩤 𐩣 𐩯𐩰𐩸 یہ تمام حروف سندھی رسم الخط کے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی شخص نے مسند کی مدد سے سندھی کو پڑھنے کی کوشش کی ہو، لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔ کیا ہوتا پڑھ بھی لیا ہوتا۔

تختۂ گڈ:

سر جان مارشل نے اپنی مہروں کے ساتھ مسٹر گڈ کا مرتب کیا ہوا ایک تختہ بھی دیا ہے۔ اس تختہ میں انھوں نے ہر نقش کے سامنے ہر اس مہر کے نوشتے نقل کیے ہیں، جس وہ نقش آیا ہے۔ انھوں نے مارشل کی مہروں کے علاوہ بھی ڈیڑھ سو تحریریں نقل کی ہیں۔ غالباً یہ وہ مہریں ہوں گی جو ۱۹۲۰/۱۹۲۱ء میں ہڑپا کے مقام پر دیا رام ساہنی کو دستیاب ہوئی ہوں گی۔ آئندہ ان مہروں کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے اعداد کے ساتھ گڈ کا نام دیا جائے گا۔ مارشل کی مہروں کا حوالہ مارشل کے نام سے دیا جائے گا۔

تختۂ مادھو:

۱۹۳۳/۱۹۳۴ء میں دوبارہ ہڑپا میں آثار کاوی ہوئی۔ ان دنوں کے آثار اور نتائج تحقیق پر ''مادھو سروپ وتس نے Excavation at Harappa میں تبصرہ کیا ہے۔ انھوں نے ان مہروں کے ساتھ ایک تختۂ نقش دیا ہے، لیکن اس تختہ پر مہروں کے حوالے اپنے نمبروں کے مطابق نہیں دیے ہیں۔ معلوم نہیں تختہ کا مصرف کیا سمجھا ہے۔ جن نوشتوں کو ان کی مہروں میں تلاش کر سکا، ان کا حوالہ ''مادھو'' کے نام سے اور جن کو تلاش نہ کر سکا، ان کا حوالہ ''تختہ'' کے نام سے دیا جائے گا۔

میرا تختہ:

تختۂ گڈ کے آخری نقش کا شمار نمبر ۳۹۶ ہے، تختہ مادھو کے آخری نقش کا شمار نمبر ۴۵۰ ہے، لیکن اس میں اتنے نقوش نہیں ہیں۔ انھوں نے تختۂ گڈ کو سامنے رکھ کر اپنا تختہ بنایا ہے۔ نمبر ۳۹۶ تک ہر نقش کو ''گڈ'' کا شمار دیا ہے۔ انھیں جو نقوش گڈ کے نہیں ملے ان کی جگہوں پر چلیپا ئیں رکھی ہیں۔ ان دونوں تختوں میں عیب یہ ہے کہ کبھی تو ایک نقش کی بدلتی ہوئی صورتوں کو متعدد شماروں کے تحت دیا ہے اور کبھی کئی کئی شماروں کے تحت دکھایا ہے۔ حرف مکرر کو جدا حرف خیال کیا ہے۔ نقوش کی ترتیب یہ ظاہر کرتی ہے کہ مرتب نقشہ فن تحریر کی ارتقائی صورتوں کا تصور

تک کرنے سے عاجز تھا۔ سر جان مارشل نے حروف پر بحث کرتے ہوئے گڈ کی تعداد بہت گھٹا دی ہے، چند زاید نقوش ایسی مہروں کے حوالے سے دیے ہیں جن کی تحریریں میری نظر سے نہیں گزریں۔ میں نے حرف مکرر اور نا دیدہ نقش کو اپنے تختہ میں نہیں رکھا ہے۔ ان اصحاب نے جس بے فکرانہ ترتیب سے نقوش کو پیش کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اہل علم نے آنکھ بند کر کے یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ سندھی رسم الخط ایک مرحلہ کا پایا جاتا ہے، موئن جو دڑو کی آبادی صدیوں کے دوران میں حروف و نقوش میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ پھر سے ایک تختۂ نقوش، عہد بہ عہد تبدیلیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے بنایا جائے۔ تغیرات نقوش کا تختہ میں نے تیار کر لیا ہے۔ مگر مہروں کا حوالہ دینا باقی ہے۔ اس میں میکے وغیرہ نے بہت سے نقوش کا اضافہ کیا ہے۔

سندھی رسم الخط:

سندھی رسم الخط ابتداء میں تشکیلی تھا۔ یعنی الفاظ اور عبارتوں کے بجائے خیالات و تصورات کو دید و فہم کے مطابق ''صورت'' میں قلم بند کیا جاتا تھا۔ ایسی مہریں زیادہ تر مسٹر میکے کی Further Excavation at Harappa میں ملتی ہیں، جن کا حوالہ میکے کے نام سے دیا جائے گا۔ حیرت ہے کہ یہ مہریں میکے کے بیان کے مطابق بالائی طبقہ میں ملیں، حالاں کہ رسم الخط ان کا قدیم تر ہے۔ تشکیلی نقوش بتدریج بدلتے بدلتے ایسے ہو گئے، جو معلوم ابجدوں میں ہم کو مل سکتے ہیں۔ بہت سی مہروں پر صرف ابجدی نقوش کے نوشتے ہیں۔ زبان تحریر انھیں سے معلوم ہوگی۔ مثال کے لیے ذیل کی مہروں کو دیکھیے۔

تشکیلی: میکے۔ یک سنگھے بیل کی تصویر جس کے آگے [علامت] ہے۔
سماقی: مارشل نمبر ۱۱۹............. یک سنگھے بیل کی تصویر جس کے آگے یہ ہے [علامت]
[علامات]
اندر ظرف سے پانی اور گھاس
ابجدی: میکے نمبر ۱۰۳............ [علامات]
اندر ظرف رپانی [علامت] کا

ایک ہی مفہوم کو تین رسوم خط میں لکھا گیا ہے۔ تشکیلی، سماقی، ابجدی۔ پہلی کو سمجھنے کے لیے زبان کا علم ضروری نہیں ہے۔ دوسری کے نقوش کا مطلب، مقابلۂ نقوش سے معلوم ہوگا۔ تیسری کو پڑھے بغیر آپ سمجھ نہیں سکتے، مگر مہر نویسوں نے کچھ اس طرح مہریں لکھی ہیں اور کچھ اتنی مہریں ہمیں ملی ہیں کہ نوشتوں کے مطالب سمجھانے کے لیے ان کو ترتیب خاص سے پیش کرنا کافی ہے۔ مثلاً ایک سندھی لفظ [علامت] کا مطلب یوں سمجھایا ہے۔

(۱) ''مجمعا'' ۸۶۵۳
(۲) ''میکے''(۱۱) نمبر۲ دو طرف درختوں کے تلے، ایک طرف جانور کے منہ تلے
(۳) ''مارشل'' نمبر ۱۱۵۰ ایک سنگھے بیل کی تصویر جس کے آگے ہے
مطلب سمجھیے — فاعل فعل مفعول

اس طرح تین مہر نویسوں نے مل کر کے معنی بتا دیے، حالانکہ ہم نے زبان تحریر میں ان کو پڑھنے سے اجتناب کیا ہے۔

اس طرح مہر نویسوں نے ہم کو بہت سے نقوش اور الفاظ کے معنی سمجھا دیے ہیں اور متعدد مہروں کے مطلب ہم زبان تحریر جانے بغیر معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن اتنی کثیر مہروں کے ہوتے ہوئے ہم کو یقین دلایا گیا ہے۔

''اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مہروں پر جن چیزوں کی تصویریں ہیں، تحریریں بھی انھیں کی بابت ہیں۔'' اس لیے۔ ''ایک شخص بوجہ معقول یہ فرض کر سکتا ہے کہ مہروں پر شخص، اسماء اور شاید القاب مکتوب ہیں۔''[1]

یہ تمام مفروضات، نتائج ہیں اُس غلط اور بے ڈھنگی ترتیب کے، جس کے مطابق مہریں شائع کی گئی ہیں، سندھی مہروں کو پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ:

(۱) مہروں کو ایسی ترتیب سے مدون کیا جائے کہ معمولی غور سے آدمی دیکھے تو اجمالی مطلب سمجھ لے اور یہ ممکن ہے۔
(۲) عہد بہ عہد بدلتے ہوئے نقوش کا تختہ مرتب کیا جائے۔ مثلاً

(۳) مختلف تختے اشباہ و نظائر کے مرتب کیے جائیں، پھر ان اشباہ و نظائر کی مدد سے زبان معلوم کی جائے۔

مہریں زیادہ تر تعلیمی کارڈ کی نوعیت رکھتی ہیں۔ ان کا منشا ہی حروف و نقوش کو پہچاننے میں مدد کرنا ہے۔ مصور مہروں پر مہر نویسوں نے الفاظ کے معانی سمجھائے ہیں، پھر سمجھائے ہوئے نقوش و الفاظ بے تصویر مہروں پر منقوش کیے ہیں۔ یہ بے تصویر مہریں میرے خیال میں قلم کا کام دیتی تھیں یعنی ان کے ذریعے عبارتیں چھاپ کی جاتی تھیں۔ طویل نوشتے ہم کو نہیں ملے۔ مجھے ان کا انتظار ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ہندوستان میں ملیں ہی نہیں، بلکہ یہاں کے قدماء پر جب آخری قیامت آئی، اپنے قیمتی نوشتے اپنے ساتھ لے کر کہیں اور چلے گئے، یا تاتاریوں کے ہاتھوں ''بیت الحکمت'' پر جو گزری وہی نقشہ یہاں بھی پیش آیا ہوگا۔

---

[1] یہ بے حد معقول مشورہ اڈنبرا یونیورسٹی کے پروفیسر ''آ کارگل تاریخ'' نے دیا۔

قدیم باشندے:

چوں کہ نقوش اور حروف پر غور ہی نہیں کیا جائے گا جب تک "بے لاگ اہل تحقیق" کو قائل نہ کر دیا جائے کہ سندھی لوگ ہمیشہ وہیں رہے جواب ہیں، بلکہ ایک زمانہ میں عرب تھے، اس لیے چند قرائن اس اثبات کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

آسٹریلی:

اس بات کے متعدد قرائن ہیں کہ قدیم نو آبادکار اس علاقے کے لوگ تھے جن کو "آسٹریلی گروہ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کالے کالے گرد کاسر، خوردسر لوگ، ہندوستان کی نیچ جاتیوں میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ یہ کہنا آسان ہے کہ اب کی طرح شاید تب بھی یہ لوگ ایسے ہی رہے ہوں۔ لیکن یہ آسان اور سمجھ میں آجانے والی بات غالباً حقیقت سے دور ہی ہے۔ دنیا میں صرف ارتقا ہی کی نظیریں نہیں ملتی ہیں، تسفل کی نظیریں بھی ملتے ہیں۔ ہزاروں برس کے جبر و ظلم نے ایک بلند مقام قوم کو اس کی تمام صلاحیتوں سے محروم کر دیا ہو اور بلند کو پست بنا دیا ہو تو کیا عجب ہے لیکن اس گروہ کو سندھی تہذیب کے آفریدگار ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس معقول دلائل نہیں ہیں۔

بحرشامی:

موئن جودڑو میں جو کھوپڑیاں پائی گئی ہیں ان سے اندازہ کیا گیا ہے کہ اس دیار کے باشندے کم از کم چار نسلوں کے تھے۔ جن میں سے ایک کا ذکر کیا گیا، ایک کو بحر شامی[1] (Mediterrainian) گروہ کا نام دیا گیا ہے اور یہ گروہ یہاں کی غالب آبادی تھا۔ زمانے کی یہ ستم ظریفی ہے کہ تحقیق و تفتیش کا ذوق اور شوق جسے نصیب ہوتا ہے اسے تکمیل شوق کے اسباب میسر نہیں ہوتے۔ سندھی مہریں پڑھنے بیٹھا ہوں، مگر پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں جو آثار کاویاں ہوئی ہیں، ان کے حالات جاننے کے لیے جن مستند تر کتابوں کی ضرورت ہے ان کو مہیا کرنے میں میرے حالات مانع ہیں اور رکھتے ہیں۔

"دہیلے غارت زن و یک دو خدائے زر بیار"

اکتشافات سے متعلق میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ ایک مختصر سی کتاب The Pre-Historic India میرے سامنے ہے۔ جس کی تصنیف اڈنبرا یونیورسٹی کے فاضل پروفیسر "آثار قبل تاریخ" جناب اسٹوارٹ پگاٹ فرماتے ہیں:

---

1. یہ بےحد معقول مشورہ اڈنبرا یونیورسٹی کے پروفیسر "آثار قبل تاریخ" نے دیا ہے۔

''جس قدر کھوپڑیاں[1] قسم وار تقسیم کی گئی ہیں، ان میں بقدر نصف کم و بیش ایک ایک ہم جنس گروہ سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ اکلوتی کھوپڑی، جو بخوبی سالم ہے اور بلوچستان کے مقبرہ نل میں پائی گئی ہے، وہ بھی اس جنس کی ہے۔ اس گروہ کو، بحر شامی نام دیا گیا ہے۔ موجودہ زمانے میں یہ لوگ اسپیریا سے ہند تک بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس جنس کے خصوصی نمونے فلسطین کے اندر نطوفی دور میں ملتے ہیں۔ یہ گروہ شمالی افریقہ کے جنوبی ڈھلوان اور ایشیا کے اندر ایک دوسرے سے متاز ہوا ہوگا۔ مصر قبل فراعنہ (Pre-Dunastic) کے لوگ اسی جنس سے تعلق رکھتے تھے اس گروہ کے خالص ترین نمائندے، عرب کے جزیرہ نما میں ملتے ہیں یہ لوگ ہندوستان کے اندر شمال کی آبادیوں میں، نیز دوسرے مقامات کی بلند جاتیوں میں بھی ملتے ہیں یہ میانی قد بھی ہوتے ہیں، بلند وبالا بھی رنگ سانولا بھی، زیتونی قسم کا بادامی بھی، کھوپڑی اور چہرہ لمبوترا، اٹھے بانسے کی ستواں ناک، بال کالے، آنکھیں بڑی بڑی کشادہ، کالی بھی اور بادامی بھی۔ بدن کی ساخت نحیف۔ اثری شہادتیں ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لمبوتری کھوپڑی والے بحر شامی لوگ سیالک، انادہ، العبید علی شہر وغیرہ مغربی ایشیا کی قدیم ترین کاشتکار آبادیوں میں ہر جگہ موجود تھے، ''العبید'' کی کھوپڑیاں ''موئن جو دڑو'' کی کھوپڑیوں سے نمایاں قربت رکھتی ہیں۔ (ص نمبر ۱۴۵۔۱۴۶) (Pre-Historic India) اس بحر شامی گروہ میں دراوڑ بھی داخل ہیں۔ ہمارے اہل علم کے ایک گروہ نے ان ہی کھوپڑیوں کی دلیل سے سندھی کلچر کو دراوڑ کا ساختہ فرض کیا ہے۔ لیکن جن کی کھوپڑیاں سندھی جیسی ہیں، جن کے ساتھ ان کے باہمی تعلقات تھے، ان کے دیس میں آرجار کے باوجود خود ان کے وطن میں سندھی مہروں کے پائے جانے کے باوجود، بحث و نظر تک کے لیے اور رغرض تردید کے ساتھ بھی، ان کا نام تک زبان قلم پر نہیں آنے دیا گیا ہے!!

الپائنی گروہ:

موئن جودڑو میں جو کھوپڑیاں ملی ہیں اور پہچانی گئی ہیں، ان میں سے یقین کے ساتھ ایک کو اور شبہہ کے ساتھ تین اور کو، الپائنی قرار دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ لوگ اصل باشندے تھے یا آفاقی لوگ تھے، جو موئن جودڑو کے ایام زوال میں یہاں آئے۔ ہڑپا میں دو مدفن برآمد ہوئے ہیں۔ (R-۳۷) ہڑپا کی بھرپور آبادی کے زمانہ کا ہے۔ مدفن (ایچ) کی بابت ثابت کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنھوں نے زوال ہڑپا کے دنوں میں آ کر اس تمدن کو خاک میں ملایا۔ اول الذکر مدفن کی قبروں کا حال ایسا نہیں چھپا ہے کہ آبادکاروں کی نسل کا سراغ دیا جا سکے۔ مدفن (ایچ) کی دو کھوپڑیوں کو لراور فریڈرکس نے ''ارمنی گروہ'' سے متعلق بتایا ہے۔ ارمنی گروہ، الپائنی

---

[1] بحر روم کا نام محدثوں میں بحر شام آیا ہے۔ ہم نے اپنی قدیم اصطلاح پر جدید نام کو ترجیح دینا پسند نہیں کیا۔ (ابوالجلال)

گروہ کی ایک شاخ تھے۔ اور الپائنی و بحر شامی گروہ کے "ہند ایرانی" حصہ کے امتزاج سے وجود میں آیا۔ اس مدفن میں ان کھوپڑیوں کا ملنا یہ قرینہ پیدا کرتا ہے کہ قدیم آباد کاروں کے بجائے بعد میں وارد ہونے والے تباہ کاروں میں ان کا شمار کیا جائے تو حق بجانب ہوگا۔

اس مدفن (ایچ) میں ایک قبر کے اندر لکڑی کا ایک تابوت اور اس کے اندر ایک لاش ملی ہے، جسے چٹائی میں لپیٹ کر تابوت میں رکھا گیا تھا۔ یہ طریقۂ دفن و کفن جنوبی عراق کے اندر ۲۸۰۰ ق م سے ۲۰۰۰ ق م تک رائج تھا۔ اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مدفن (ایچ) والے جنوبی عراق کے تمدن سے متاثر تھے اور غالباً ادھر ہی سے آئے۔ ایک قلعہ کا خرابہ ملا ہے، جس کی بابت مختلف چیزوں کی دلیل سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اس قلعہ کو ان ہی مدفن (ایچ) والوں نے تباہ کیا اور اس پر قابض ہو گئے۔ اس قلعہ کے بالائی خرابہ میں مٹی کے بنے ہوئے "مے نوان" مٹکے ایسے ملے ہیں جن کی بناء پر اسٹون نے اس کا زمانہ ۱۲۰۰ ق م کے قریب قرار دیا ہے۔

ہم عراق کی تاریخ پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں ۲۰۴۹ ق م کے قریب اشور میں ایک ایسا شخص فرماں روا ہے، جس کا نام آریا ہوا بتاتا ہے۔ وہ ۱۲۰۰ ق م میں جنوبی عراق پر ایک آریا قوم، جس کا پہلا فرماں روا گن داس تھا، قابض ہو جاتی ہے۔ اس کے ایک سو برس بعد ہم کو ہڑپا کی بربادی دکھائی دیتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ الپائنی گروہ یا تو آریوں کے ہمراہ، یا ان کے آگے آگے داخلِ ہند ہوا۔ اس گروہ کا سندھی تمدن کا آفریدگار تسلیم کرنا دشوار ہے۔

نارایکی لوگ:

اس برصغیر پر دو تمدنوں کی گہری چھاپیں نظر آتی ہیں۔ ایک تو اسلامی تہذیب ہے، اس کو دوسری قدیم تہذیبوں کے مقابلے میں ابھی کل کی چیز کہا جا سکتا ہے۔ دوسری "نارایکی" تہذیب ہے، جس سے وید، پران، اور اپنشد منسوب ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کو آریہ کہہ لیجیے۔ "ویدک ایج" میں جناب پوسلکر نے دس اقوام کا ذکر کیا ہے کہ اہلِ علم نے ان میں سے ایک نہ ایک کو سندھی کلچر کی ایجاد و تشکیل کا ذمہ دار بتایا ہے۔ ان میں سے چھ قومیں ویدی زمانہ کی آن آریا اقوام ہیں۔ ان کے تذکرہ کو یہ فرما کر خارج از بحث کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی کو کسی معلوم نسل سے تطبیق نہیں دی جا سکتی۔ ان نامعلوم لوگوں میں ایک ناگا قوم تھی۔ ایک گروہ نے سومیریوں کا نام لیا ہے۔ ان کی بابت انہیں تسلیم ہے کہ واقعی ان کا سندھ سے گہرا تعلق تھا، یہ بھی تسلیم ہے کہ شاید وہ موئن جودڑو کی آبادی کا ایک حصہ بھی تھے۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ سندھی تمدن ۲۷۵۰ ق م کے سومیری تمدن سے نمایاں مشابہت رکھتا ہے، یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے باوجود فرماتے ہیں کہ سندھی تمدن کی کچھ جداگانہ خصوصیات بھی ہیں، اس لیے:

''کوئی بات نہیں جس کی بناء پر ان کو سندھی تہذیب کے مصنف ہونے کا شرف دیا جائے۔''

اس بحث کے موقع پر سمیریوں کے ہم وطن سامیوں، یا بلفظ دیگر، عربوں کا ذکر بھی برائے تردید ہی سہی، ضروری تھا، لیکن ان کا نام تک نہیں دیا گیا۔ ایک جماعت نے ڈراویڈ کا نام لیا ہے۔ ان کو جس دلیل سے مسترد کیا وہ یہ ہے کہ وادئ سندھ کی شام تہذیب کا جنوبی ہند کی صبح تمدن سے ناتا جوڑتا ہے، تو پہلے جنوب میں آثار کاوی کر کے وہاں سندھی تمدن کے آثار برآمد کرنے چاہیئے۔ ایک جماعت کے نزدیک سندھی تمدن کے موجد وہ دراوڑ تھے جن کے خلف بلوچستان کے براہوی ہیں۔ ان کو یہ کہہ کر مسترد کیا ہے کہ لسانی حیثیت سے وہ ضرور دراوڑ ہیں، مگر نسلاً تو نہیں ہیں، حالاں کہ زبان تحریر جاننے کے لیے ہم کو نسلی گروہوں سے زیادہ لسانی گروہوں پر غور کرنا چاہیے۔ بہرحال دس میں سے نو کو مسترد کر کے رائے دی ہے کہ

آفتاب مطلع اقبال را ساز افسرے
وایں کلاہ کبریا برتارک خاقان بند

ان کے اقرار کے بموجب سومیری موئن جوڈرو میں موجود تھے اور ان کے تمدن سے نمایاں مشابہت سندھی تمدن کو حاصل ہے، مگر چونکہ سندھی تہذیب میں غیر سومیری عناصر پائے جاتے ہیں، اس لیے ''کوئی بات نہیں کہ ان کو سندھی تہذیب کی تصنیف کا شرف دیا جائے'' لیکن آریوں کے حق میں یہ دلیل دوسرا ہی روپ بدل لیتی ہے۔ وہ یہ کہ سندھی آثار کے زمانے میں سندھ کے اندر آریا لوگوں کا موجود ہونا بعض کے نزدیک کھوپڑیوں کی شہادت سے ثابت ہے، اور چونکہ سندھی تمدن ویدی اور غیر ویدی تمدن، کا آمیزہ ہے، اور چونکہ ایک جماعت کہتی ہے کہ سندھی تہذیب اس تہذیب کا منطقی نتیجہ ہے اور صلبی نسل ہے، جس کا بیان رگ وید میں آیا ہے، اس لیے

کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو!

لیکن یہ تو ایمان اور عقیدہ کا ارشاد گرامی ہے، اب ذرا قیاس اور قرینہ سے بھی پوچھیے:

بلوچستان کے مقام تربت کے پاس شاہی تمپ نام کا ایک ٹیلہ ملا ہے جس کی آثار کاوی ہوئی ہے۔ اس کی زمینی سطح طولاً اور عرضاً ۹۰ اور ۸۰ قدم ہے، یہ دو آبادیوں کا خرابہ ہے۔ زیریں آبادی کے متروکات میں ایسے ظروف اور ایسی چیزیں ملی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی آبادکار کلوہ (بلوچستان) اور ہڑپا کے ہم تہذیب تھے۔ ایک نئی قوم نے آ کر یہاں کی اصلی آبادی کو ختم کر دیا اور اس کے کھنڈر پر خود آباد ہو گئی۔ اس کی بالائی آبادی کی یادگار میں ایک مدفن ملا ہے، جس کے اندر ایک انسانی کھوپڑی ملی ہے۔ اس کھوپڑی کے ساتھ ایک خاص نوعیت کا نیزہ اور ایک خاص ساخت کا ظرف ملا ہے، جو اس بات کی خبر دیتا ہے کہ:

چلا رن کی طرف اپنا سپاہی

لیے ہاتھوں میں دشمن کی تباہی

یہ چیزیں بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے لیے بالکل نئی ہیں۔ یہاں کے قدماء کی یادگار میں ایسی آدم کش چیزیں نہیں ملتیں۔ ''شاہی ٹمپ'' کا طرز جہاں سے آیا اس کا سراغ طبرستان کا نام دے سکتا ہے۔ اس طرز کے نمونے سیکوپ کے مدفون سے برآمد ہوئے ہیں۔ یہ جنوبی روس کا ایک مقام ہے، جہاں ہند ایرانی آریوں، کے مشترک اسلاف مدفون ہیں۔ ''شاہی ٹمپ'' میں چند منقوش مہریں ملی ہیں جن کے نقوش، حروف الفاظ نہیں ہیں۔ ایسی مہریں روسی ترکستان (ترکمانستان) کے اندر اشک آباد کے قریب اناؤ میں، بحیرہ قزوین کے جنوب مشرقی گوشہ میں تل خطار کے اندر جسے ایرانی روایات کے مطابق جمشید کے پہلے مقام ورود سے تطبیق دی جا سکتی ہے، اور سوسا یعنی عیلام کے پایہ تخت میں، جو کہ ۷۰۰ ق م کے قبل سے آریوں کا مقام رہ چکا ہے، پائی گئی ہیں۔ یہ آثار بتاتے ہیں کہ رگ ویدی آریا براہِ ایران، بلوچستان میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کھوپڑی کی بابت بتایا گیا ہے کہ مخلوط نسل کی ہے، نارو کی یا قزوینی گروہ کے لوگوں جیسی۔ ایسی مہریں آگے بڑھ کر بلوچستان کے مقام نل کے پاس شہر ڈمب میں ملی ہیں، شہر ڈمب وغیرہ، کئی بلوچستانی مقامات میں ایسے آثار پائے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آگے آگ، پیچھے خاکستر لیے اگنی دیوتا کے بھجن گاتی ہوئی ایک قوم آ رہی ہے، پھر یہ قوم موئن جو دڑو پہنچی ہے، کیونکہ موئن جو دڑو میں بھی کسی حد تک شاہی ٹمپ جیسی آدم کش چیزیں مسٹر کیلے کو دستیاب ہوئی ہیں۔ کچھ ایسے ہی دلائل کی بناء پر جناب وہیلر کی رائے ہے کہ ''تمام قرائنی شہادتوں کے مطابق ''اندرا'' ملزم قرار پاتا ہے۔''

منگولی لوگ:

موئن جو دڑو میں ایک قبر ایک منگولی کی بھی ملی ہے۔ اسٹوارٹ پگاٹ کے بیان کے مطابق یہ کھوپڑی موجودہ زمانے کے ناگا لوگوں کی سی ہے اور اس کی قبر میں ایک ایسا ظرف پایا گیا، جو کہ ہڑپا کے مدفن (ایچ) میں ملا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ یہ قبر حملہ آوروں میں سے ایک کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ غالباً حملہ آور لوگ ملے جلے لوگ تھے اور یہ شخص غالباً ''بھاڑے کا'' ایک گورکھا تھا۔ آثار نے ہمیں پانچ نسلوں کے وجود کی شہادت مہیا کر دی، جن سے تین کے تباہ کار ہونے کے قرائن موجود ہیں۔ ایک نسل ایسی ہے کہ اس کو ہڑپا کے تمدن کی تصنیف و تشکیل کا شرف دینا بہتوں کو تمسخر آمیز تبسم کی دعوت دیتا ہے۔ لے دے کے ایک قوم رہ جاتی ہے، وہ جس کی کھوپڑیاں مصر قدیم، فلسطین کی وادیٔ نطوف، عراق کے تل العبید اور موئن جو دڑو کے مدفون میں اور عرب کے اندر چلتی پھرتی گردنوں پر پائی گئی اور پائی جاتی ہیں، لیکن کہا جا سکتا ہے کسی دو ملکوں کے باشندوں کا ہم نسل ہونا ان کے ہم لغت ہونے کا پکا ثبوت نہیں ہے۔ پھر بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ تعلقات باہمی کے ثبوت کی صورت میں جو

قطعاً غیر مشکوک ہے، اس کا امکان زیادہ ہے۔ دیگر اقوام سے بہت زیادہ اسی قوم کا حق ہے کہ سندھی آثار اس کے متروکے سمجھے جائیں۔

ایک پرانی کتھا:

فرض کرو عرب میں ایک کتے کی تصویر پر (Dog) مکتوب ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کتے کی تصویر پر انگریزی حروف، اور انگریزی زبان میں "کتا" لکھا ہے۔ ایک پروفیسر اس کی تردید کرتا ہے، کہتا ہے کہ:

(۱) مجھے یقین نہیں کہ یہ شخص اس تحریر کو پڑھ سکتا ہے۔

(۲) مجھے یقین نہیں کہ عرب میں جو چیز ملی ہے اس پر انگریزی لکھی ہوگی۔

(۳) یہ طریقہ نہیں کہ ادھر ادھر سے حروف جمع کیے اور ایک نوشتہ پڑھ دیا۔

فرمایئے کیا رائے ہوگی آپ کی اس پروفیسر کی بابت؟ جرمنی کے تین "بے لاگ تحقیق" نے یہی تو کیا ہے۔ خیر جانے دیجیے ان باتوں کو۔ ایک پرانی کتھا سنیے۔ شاید آپ کی رائے بدل جائے۔

ایک راجہ تھا، اس کا نام یوؤ ناشرا (یُون اشر) تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام "منڈھاتری" تھا۔ اس نے "یادو" قوم کے راجہ ششا بندو کی بیٹی بندومتی سے بیاہ کیا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا، اس کا نام "پوروکتسا" ہے۔ ناگا قوم کے لوگوں نے اپنی راج پوتری، نرمدا اس پوروکتسا کو بطور نذر کی، اور یہ نذرانہ دے کر انھوں نے اس سے درخواست کی کہ "مئون یا" (Mauneya) نامی قوم کو ہلاک کر دے، جن کو "گندھروا" بھی کہا جاتا تھا۔ پوروکتسا نے ان کی فرمائش پوری کر دی۔ جناب پوسلکر کے نزدیک یہ کتھا دریائے نرمدا تک آریائی اثر کے پھیلنے کا بیان ہے۔ یہ ہے وہ منطق جسے کہتے ہیں "مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ!"

گندھروا:

پوروکتسا نام کا ایک راجہ ویدوں کے دس راجوں کے یدھ (مذہبی لڑائی) میں شریک تھا، لیکن جناب پوسلکر فرماتے ہیں کہ یہ وہ نہیں ہے۔ ہوگا ایسا ہی، ہم کو نفس قصہ سے بحث نہیں ہے۔ صرف یہ دیکھنا ہے کہ ایک قوم تھی جو گندھروا کہلاتی تھی۔ اور "مئون یا" بھی۔ ایک نام کی قومیں اگر مختلف ممالک میں پائی جاتی ہیں تو اس کا امکان ہے کہ وہ اصلاً نسلاً ایک ہی ہوں۔ اس لیے آیئے ان ناموں پر پہلے غور کر لیں:

گندھروا نام کی قوم کا "اوستا" میں بھی ذکر ہے اور ویدوں میں بھی صفحہ (Vedic Age ۲۲۴) رگ وید (ے۔۱۲۶۔۱) میں بندھاری بھیڑوں کی عمدہ اون کا ذکر ہے (ص نمبر ۲۴۸ Vedic Age) اتھروید

میں گندھاریوں کا ذکر موجاونتوں، عباورشوں اور بھلیکوں کے ساتھ بہت دور بسنے والوں کی حیثیت سے ملتا ہے (ص نمبر ۲۵۸ Vedic Age) بھلیکوں کو اہل بلخ گچھیے۔ گندھروا کا نام اب قندھار ہے۔ گندھروا کہلانے والی قوم مئونیا بھی کہلاتی تھی۔ یہ قوم، یعنی گندھروا کہلانے والے لوگ زمر (Zimmer) کے خیال میں وید کے زمانے میں، دریائے کابل کے جنوبی ساحل پر، اس کے دریائے سندھ سے ملنے کی جگہ تک اور کچھ دور، دریائے سندھ کے پورب تک، بستے تھے۔ گندھروا کے نام میں ہمیں اہل معین کے پیشے "خوشبو فروشی" کی "سوگندھ" (خوشبو) محسوس ہوتی ہے۔

مئون یا:

"مئون یا" کے نام کو ایک ہندوستانی قوم کے نام سے کھلی مناسبت ہے۔ ایلیٹ نے اپنی "تاریخ ہند بقلم مورخین ہند" میں چند ہندوستانی اقوام کا، جو غیر ممالک میں آباد تھیں، ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "جب ہم ان تمام اقوام کو ایک دوسرے سے متصل پاتے ہیں تو ہم کو خود اپنے مینا (Minas) آبھی (Abhis) کیب (.Kebs) کھیو () میڈ (Meds) اور بھٹ (Bhatis) یاد آتے ہیں، جو ایک وقت میں وادیٔ سندھ کے پاس بستے تھے۔ (ص نمبر ۵۱۷) اراولی پہاڑوں اور کاٹھیاواڑ کے میروں (Mers) بمعنی "پہاڑ" سے مشتق خیال کیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ گروہ مینا (Mena) یا "مھینا" (Maina) کی ایک شاخ ہیں، جو ہند کی بوم زاد نسلوں میں سے ایک تھے۔" (ص نمبر ۵۳۰)

یہ مھینا یا مینا اور مئون یا گندھروا ایک ہوں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ موئن جودڑو میں العبید والوں جیسی کھوپڑیاں ملی ہیں۔ اس لیے مئون یا اور مینا کے نسلاً عرب ہونے کا امکان ہے۔

معئوم وانوم:

سندھ کے آس پاس اور افغانستان میں ان شہادتوں کے مطابق ایک عربی قوم "اہل معین" کی ہم نام ہم کو ملی، جو پہلے مئون یا گندھروا کہلاتی تھی، پھر مھینا اور مینا کہلائی۔ اب سندھ سے پچھم کی طرف چلو، بلوچستان میں پہنچو، اس علاقہ میں منڈ نام ایک قوم بستی تھی، جس کو ناڈ نے مھینا کی مورث قرار دیا ہے، یا کم از کم ہم نسب۔ خود بلوچستان میں بھی اس قوم مئون یا کا پتہ چل جائے تو عجب نہیں ہے۔ اکاد کے بادشاہ "نارام سن" ۲۶۷۸ ق م

کی تحریروں میں ایک مقام مغاں (Magan) کا ذکر ہے۔ بعض اہل علم نے اس کو خلیج عقبہ کے ''معان'' سے تطبیق دی ہے۔ فریڈ اسٹارک نے ٹھیک لکھا ہے کہ ''سمیری نام، مغاں، خلیج فارس کے لیے مستعمل ہوا ہے اور یہ معین سے متعلق ہوسکتا ہے''۔ (دی سدرن گیٹس آف عربیا صفحہ ۲۰۷)

واقعتاً یہ خلیج فارس کے شرقی یا مغربی ساحل کا نام ہے۔ میخی تحریروں کے مطابق نارام سن نے یہاں معنوم وانوم کے راجان۔ ن (غالباً نون) اور رایک (غالباً افریقیا یعنی بحراحمر) کے بادشاہ ریش رموں ادو سے جنگ کی تھی اور ان دونوں کو زندہ گرفتار کیا تھا۔ ریش رموں کا ذکر الرایش کے نام سے عربی کہانیوں میں بھی ہے نیز اس کا ذکر ایک سندھی مہر پر بھی ہے۔ اس لیے ہم ان دونوں بادشاہوں کے مفصل ذکر کو مہریں پڑھنے تک ملتوی رکھیں گے۔ معنوم وانوم یقیناً خلیج عمان یا خلیج فارس کے ایک ساحل کا نام تھا۔ اس کا فیصلہ ابھی مشکل ہے کہ کس ساحل کا نام تھا، لیکن ہندی کتھا کے منون یا، اور راڈ کے حینا اور ان معنوم وانوم کا اصلاً اور نسلاً ایک ہونا قطعاً قرین قیاس ہے۔

اہل معین:

جنوبی عرب کی ایک نہایت قدیم قوم کا نام معین ہے۔ ایک زمانہ میں یہ قوم پورے عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ عرب مؤرخین اور اہل انساب نے اس کا ذکر اس نام سے نہیں کیا ہے، لیکن براقش ومعین نام کے قصر بہت مشہور تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

احل بحا جر جدی غطیف	معین الملک من بین البنینا
و ملکنا براقش دون اعلیٰ	وانعم اخوتی و بنی ابینا

''اپنے مورث غطیف کی اولاد میں سے اکیلے میں ہی اس کے شاہی قصر معین میں رہتا ہوں، اعلیٰ کے قریب، براقش کا اس نے ہم کو مالک بنایا اور میں اپنے بھائیوں پر احسان کرتا ہوں''۔

۱۸۷۰ء میں وادیٔ نجران میں پہنچ کر ہالوے نے بہت سے معینی کتبے حاصل کیے۔ اریاتو ستھی نس (المتوفی ۹۲ ق م) کے زمانہ تک یہ قوم زندہ تھی۔ اس کے بیان کے مطابق معین کا شاہ نشین قصر قرن تھا۔ ہالوے کو جو کتبات حاصل ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ معین تو قوم کا نام تھا، شاہی قصر کا نام قرنان تھا، براقش کا نام یثیل تھا۔ قرآن کا ذوالقرنین اسی قرنان کا ایک فرد ہوگا۔ ایک کتبہ جو ہالوے کو ملا، اس کے کاتب کا نام عمار عشور تھا، اس کے کتبہ میں شاہ شمال اور شاہ جنوب کی باہمی جنگ اور ''مادی'' اور ''مصر'' کی جنگ یعنی شاہ ایران، کمبوجیا عرف کمبیس کے مصر پر حملہ کا ذکر ہے، جو ۵۲۵ ق م کا واقعہ ہے۔ ''معینی کتبات کی جو ترتیب دی گئی ہے اس کے مطابق اس قوم کی قدامت چودھویں صدی قبل مسیح تک پہنچتی ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قدیم تر کتبے ابھی برآمد

ہونے باقی ہیں۔" (دی سدرن گیٹس آف عربیا صفحہ ۲۷)

اگر ہم نارام سن کے شاہ معنوم وانوم بادشاہ مغاں کو اہل معین میں سے ایک مان لیں تو اس قوم کی قدامت ۲۷۰۰ ق م تک پہنچتی ہے۔ ہالوے کو جو نام شاہان معین کے معلوم ہوئے ہیں، ان میں سے ایک کا نام "تبع کرب" تھا یہ قدیم ترین تبع ہے جس کا نام ہم کو معلوم ہوا ہے۔ قرآن پاک نے جس قوم کا ذکر قوم تبع کے نام سے کیا ہے، غالباً وہ یہی ہے۔ مزید برآں "حضر موت کے جس پہلے بادشاہ کا نام ہم کو معلوم ہوا ہے وہ معین کے بادشاہ ابی یدع شیخ کا رشتہ دار تھا۔" (سدرن گیٹس آف عربیا صفحہ ۲۱۶)

یہ بادشاہ ۵۲۵ ق م میں زندہ تھا اور یہی معین کا وہ آخری فرماں روا تھا، جس کا نام ہم جانتے ہیں۔

"اس بات کا سراغ کئی طرح سے لگایا جا سکتا ہے کہ معینی کتبات کے زمانہ میں مدتوں سے ہندوستان کے ساتھ تجارتی روابط قائم تھے۔ اس کے متعدد قرینے ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ یمنی عمارتوں میں ساگوان مستعمل ہوتا تھا۔" (سدرن گیٹس آف عربیا)

معونیم:

معین اور معون ایک ہی نام کے عربی اور عبرانی تلفظ ہیں۔ غالباً یہ "عین" (دیکھنا) کا اسم مفعول (م۔ع۔ی۔و۔ن) تھا، بعد تعلیل، عربی میں معین اور عبری میں معون بنا۔ مئون یا گندھروا دراصل معون یا (خدا کا منظورِ نظر) ہوگا۔ معون یا معین نام کی قوم نہ صرف یمن کی سرزمین اور جنوبی عرب میں تھی، بلکہ شمالی عرب میں بھی تھی۔ خلیج عقبہ پر ایک مقام معان ہے، جس کا ذکر سفر سوئیل میں معون کے نام سے آیا ہے۔ بائبل: کتاب: عدد: ۳۲: ۳۸ و یوشع ۱۳: ۱۷ میں بیت بعل معون نام کے ایک مقام کا ذکر ہے، جسے حضرت موسیٰ نے فتح کرکے بنو روبن کو دیا تھا۔ یہ نام بتاتا ہے کہ پندرہویں صدی قبل مسیح تک معونیم کہلانے والے، فلسطین میں بھی بستے تھے۔ پلائنی (Pliny) نے ایک دلچسپ بات ایسی بھی لکھی ہے جو ان کو جزیرۂ کریٹ کے "منوآن" (Minoan) سے ہم رشتہ بتاتی ہے، مگر یہ بات صرف برسبیلِ تذکرہ کہی گئی ہے۔ (سدرن گیٹس آف عربیا)

معونیم کا جدور:

حضرت یوشع نے جن بادشاہوں سے جنگ کی تھی، ان میں سے ایک شاہ جدور بھی تھا۔ (یوشع ۱۲: ۱۳) "جدور" ایک بستی کا نام ہے جہاں کے بسنے والے معونیم تھے۔ بنو شمعون کے ذکر میں سفر ایام کا مولف لکھتا ہے:

''اور یہ لوگ اپنی بھیڑوں کے لیے چارہ کی تلاش کے لیے جدور کے پھاٹک تک وادی کے پورب تک گئے۔ اور ایک اچھا چرب دار مرغزار پایا اور وہ زمین کشادہ دست، آرام دہ اور راحت بخش تھی، کیونکہ سدا سے وہاں کے باشندے بنو حام تھے اور یہ لوگ، جن کے نام لکھے گئے بادشاہ یہودحزقیاہ کے زمانہ میں یہاں آئے اور ان کے خیموں اور ان کے معونیم پر ٹوٹ پڑے، جو وہاں پائے گئے اور آج تک کے لیے ان کو نابود کر دیا اور ان کے بجائے خود بس گئے، کیوں کہ وہاں ان کی بھیڑوں کے لیے چارہ تھا۔'' (ایام ۴: ۳۹ تا ۴۱ بائبل)

موئن جودڑو:

بستی اور قوم کے نام ملا کر بولو۔ معون جدور کا نام ہمارے موئن جودڑو کا سا ہو جاتا ہے حزقیاہ بادشاہ یہود کا ذکر کر کے اس عبارت کو پڑھو، پھر موئن جودڑو کے آثار سے پوچھو تو زبان حال سے جواب دیں گے کہ

صورت بہیں عال میرس

پھر کہانی سنائیں گے کہ:

یکے آمد و خیمہ ھار ابسوخت	یکے رفت جائے و گر خیمہ دوخت
بریں خیمہ نو تنارد گر	قیامت بر انگیخت بارد گر
قفیا لدنیا کہ غارت گر است	حذرز آدمی زادہ آدم دراست

موئن جودڑو کے نام کو بہتوں نے موہن جودڑو لکھا ہے۔ اس نام کی مختلف تشریحیں کی گئی ہیں۔ ہر تشریح میں دڑو کے معنی ٹیلا بتایا گیا ہے اور جو کو حرف اضافت۔ لفظ ''موئن'' میں بحث ہے۔ اکثر نے اس کا ترجمہ ''مُردوں'' کیا ہے۔ لیکن اسے ''مینا''، معینا اور مُنیا (Mauneya) کی بدلی ہوئی صورت کیوں نہ سمجھا جائے، بالخصوص جب کہ موئن جودڑو میں وادیٔ نطوف کے معونیم، العبید کے قدماء اور چلتے پھرتے عربوں کی سی کھوپڑیاں ملی ہیں، تو پھر کیوں نہ ان کو مئون یا گندھروا کی بستی اور مئون یا کو ایک عرب قوم کہا جائے؟ ہوسکتا ہے کہ بستی کا حقیقی نام معون جدر ہی زبانوں پر موئن جودڑو ہو گیا ہو۔ موئن جودڑو اگر مئون یا کا شہر ہے تو مدفن (HR) کا نا گاہی ہے جو پورہ کتا کو چڑھالایا تھا۔

بیت بعل معون، معونیم کا جدور، فاران کا معان، حجاز کا بر معونہ، یمن کے معین، خلیج فارس کے معنوم وانوم، وادیٔ سندھ کے مینا، قدیم ہندو لٹریچر کے مئون یا گندھروا، اگرچہ بہت دور دور واقع ہیں لیکن یہ بات یاد رکھیے کے اہل معین ایک تجارت پیشہ لوگ تھے، ان کی منڈیاں دور دور واقع تھیں، ان کے تجارتی راستوں میں جابجا ان کی چھاؤنیاں تھیں، اس لیے بعد مسافت کی وجہ سے ناموں کی یکسانی سے چشم پاشی نہیں کی جاسکتی۔

ہند وعرب کے یون:

عرب اور ہند کے تعلقات باہمی کی حقیقت جاننے کے لیے ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ دونوں ملکوں میں ہم ناموں کو تلاش کریں۔ قوموں کی ہمنامی گمشدہ، بھولی بسری تاریخ کو اجاگر کر سکتی ہے۔ حضرت حزقیل، جو کہ ۵۹۵/۵۷۵ ق۔م میں نبوت کرتے تھے، فنیقیوں کے شہر صور کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ''یون توبل اور مسک، تیرے بازاروں میں انسانی جانیں اور پیتل کے برتن لاتے تھے۔ (۱۳:۲۷)
> ودان، یون اور اوزال آتے تھے اور آب دار فولاد اور رج اور تج پات تیرے بازار کو دیتے تھے (۱۹:۲۷) ودان تیرے سوداگر تھے، سواری کے چار جامے تیرے ہاتھ بیچتے تھے۔ (۲۷۔۲۰) عرب اور قیدار کے سب امیر تیرے ساتھ تجارتی رابطہ رکھتے تھے'' (۲۱:۲۷)

''قیدار'' حضرت رسول خدا ﷺ کے ایک مؤرث کا نام تھا۔ مسک ایک قوم کا نام ہے، جسے بنویافث میں شمار کیا گیا ہے، لیکن حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں یہ قوم خلیج عقبہ کے کنارے معون (معان) میں قیدار کے ساتھ بستی تھی۔ سموئیل ۲۳:۴ اور ۲۵:۱۱ کے مطابق حضرت داؤدؑ کچھ دنوں یہاں قیام پزیر تھے، زمانہ قیام میں خدا سے عرض کی:

> (۱) ''اے خداوند مجھے جھوٹے ہونٹوں اور دغاباز زبانوں سے نجات دے۔
> (۴) مجھ پر واویلا کہ میں مسک میں سکونت کرتا اور قیدار کے خیموں میں بستا ہوں۔
> (۵) میں تو صلح جو ہوں، لیکن جب بات کرتا ہوں تو وہ لڑنے پر تل جاتے ہیں۔ (۷)
> (زبور ۱۲۰)

یہ مقام دراصل اہل معین کا ایک شہر اور ان کا تجارتی پڑاؤ تھا، لیکن ۱۰۰۰ ق۔م میں ان کے اس پڑاؤ پر قیدار اور مسک نے قبضہ جما لیا تھا۔ توبل بھی مسک کی طرح بنویافث کے ایک گروہ کا نام ہے۔ اس کی بھی ایک شاخ عرب میں بستی تھی۔ جرش اور تبالہ دو یمنی مخلاف تھے جہاں کے باشندوں نے ۱۰ھ میں اسلام قبول کیا۔ تبالہ، جو کہ توبل کے نام کا بدلا ہوا تلفظ ہے، مکہ سے ۸ یوم کی مسافت پر بیشہ اور طائف کے درمیان واقع تھا۔ توبل کے نام نے عربوں کو توابل نام دیا، جو مسالے کا مرادف ہے۔ توابل ہندوستان سے عرب جاتے تھے۔ ودان، مدینہ کے قریب ابواء کے پاس مکہ کی راہ میں واقع ہے، یہ بھی ایک قبیلہ کا نام تھا۔ اوزال یمن کے صنعاء کا قدیم نام ہے۔ یون کہلانے والے تجار صنعاء سے مال تجارت لے کر تبالہ آتے، پھر یہاں سے توبل کے ساتھ ودان پہنچتے، پھر معان میں پہنچ کر مسک کو ساتھ لے کر اور شمال کی طرف جاتے تھے، پھر صور ہوتے ہوئے یونان پہنچتے تھے۔ یونان کو

ان ہی یون نے اپنا نام دیا۔ یون کو توراۃ میں مادی بن یافث کا بھائی بتایا گیا ہے۔ دانیال باب ۱۲ میں یہ یونان کا نام ہے۔ اصفہان کے پاس یوان ایک گاؤں تھا جہاں محمد بن حسن بن عبداللہ بن مصعب بن کیسان الشعی ، المتوفی ۳۲۲ھ بستے تھے۔ (یاقوت)

ایک قوم اس نام کی ہند میں بھی تھی، جس کی بابت جناب پوسلکر فرماتے ہیں:

''اس بات پر حجت قائم کی جا سکتی ہے کہ روایتی تاریخ میں جن راج گھرانوں کا ذکر ہے ان میں سے کئی ایک اَن آریا خانوادے تھے.... اس زمانہ (یعنی تریتا) میں ان آریا لوگوں کے موجود ہونے کا آسانی سے پتہ لگایا جا سکتا ہے، کیونکہ منو کی سنتان (اولاد) کے علاوہ جنھوں نے سارے ہند میں حکومتیں قائم کیں روایتی تاریخ میں راکش، اسُر، دیت، دانو، ناگ، مانتاو، دسیو، داس، ساکون، یون، کمبوجیا وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے...... ساکا، یونا کمبوجیا پاردا[1] اور پہلوا وغیرہ بیرونی قبائل تھے، مغرب سے آئے ہوئے، مگر وہ بظاہر چھتریوں میں مدغم ہو گئے۔ (ویدک ایج، ص ۳۱۲۔۳۱۳)

ہندوستان کی کسی قوم کو بیرونی کہنا محض خیالی بات ہے۔ ایک زمانے میں آریا لوگ بھی بدیشی تھے۔ ان سے پہلے ڈراویڈ (دراوڑ) لوگ تھے، وہ بھی بدیشی تھے۔ ہندوستان کی ہر قوم کبھی نہ کبھی باہر سے آئی۔ جب تک فن زراعت ایجاد نہ ہوا تھا، دنیا کی ہر قوم جہاں گشت تھی۔ فن زراعت کے رائج ہونے کے بعد مستقل آبادیاں قائم ہوئیں۔ زراعت ایک زمانہ میں دریاؤں کے کنارے یا قدرتی تالابوں کے پاس ہی ممکن تھی۔ چاہ کنی کا فن وجود میں آنے تک قومیں اس دیس سے اس دیس کا سفر کرتی رہتی تھیں۔ ان سفروں نے بعض کا پیشہ ہی تجارت بنا دیا۔ یون اور معین تجارت پیشہ لوگ تھے۔ ہندوستان کے یون یہاں سے یہاں کی چیزیں مثلاً فولاد، تج، تج پات اور مسالے لے کر براہ سمندر یا براہ بلوچستان، بحرین، عمان، حضر موت، اوزال، حبالہ، ودان، معان ہوتے ہوئے فلسطین، پھر صور، پھر یونان تک جایا کرتے تھے۔ اس قوم کا زیادہ سابقہ عربی کی ہم نسل زبانیں بولنے والوں سے تھا، اس لیے اس کی زبان عربی رہی تو کچھ عجب نہیں ہے۔

اسُر یا اشور:

جناب پوسلکر نے جن دس قوموں کے نام گنائے ہیں ان میں سے ایک نہ ایک کو کسی نہ کسی سندھی کلچر کا آفریدگار بتایا ہے، ان میں سے ایک کا نام اسُر ہے۔ اسر ایک عجیب لفظ ہے۔ انسانی گروہوں کو بھی اسر کہا جاتا تھا اور عالم بالا کی ارواح کو بھی۔ ابھی پوروکتسا کا ذکر کیا جا چکا ہے، جس کے دادا کا نام ''یوون اسُر''

---

[1] ایک قدرتی مٹرٹ ''پارڈ'' کا نام۔

(Yuvanasura) تھا۔ یہ نام ''یون'' اور ''اسر'' کا مجموعہ ہے۔ یون وہی یون ہے۔ یون کو بھی اسر کہا جاتا تھا۔ انسانوں کو جب اسر کہا گیا تو ہمیشہ ان کو آریوں اور ان کے دیوتاؤں کے دشمن بتایا گیا ہے، لیکن عالم بالا کی لابشر ہستیاں جب ان سے موسوم ہوئی ہیں تو قدیم تر ''ویدی'' عبارتوں میں مقدس دیوتا ہیں۔ بعد کی عبارتوں میں اکثر و بیشتر وہ شیاطین و ابا سرہ ہیں: ''بھنڈارکر کی یہ تجویز ہے کہ جن بھجنوں میں دیوتاؤں کو یہ لقب دیا گیا ہے، وہ اسر لوگوں کی جا ئیں ہیں جنھوں نے آریائی ملت قبول کر لی تھی۔ مخالف عبارتیں آریا رشیوں کی تصنیف ہیں، جو اسروں سے چڑتے تھے۔ رگ ویدی زمانہ کے بعد آریوں اور اسروں میں دشمنی بڑھ گئی........ بنرجی شاستری کی تجویز ہے کہ اسر لوگ اسرا کو ماننے والے مہاجرین اسیریا تھے، جو آریوں سے پہلے ہندوستان آئے تھے، اور سندھی کلچر کے آفریدگار یہی تھے۔'' (ویدک ایج) بنرجی کے اس خیال کو سامنے رکھتے ہوئے ایک کہانی کو جانچیے: (The Ancient History) کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اشور کے اولین فرماں روا کا نام نی نس (Ninus) تھا۔ اس کی ملکہ کا نام تھا ''سمیرامس (Somer-Amis) اس نے تین ملین (تیس لاکھ) فوج لے کر ہند پر چڑھائی کی تھی، مگر ذلیل ہوا اور شکست کھا کر لوٹا۔ یہی بات یونانی مؤرخین کے حوالہ سے صاحب ''مخطوف الزہور مقطوف الزہو'' نے بھی نقل کی ہے۔ اپنی موجودہ صورت میں یہ کہانی غلط ہے۔ مگر محض بے بنیاد بھی نہیں۔ نی نس نام کا کوئی بادشاہ اشور میں نہیں گزرا، ایک اشوری بادشاہ تھا، سلمانسر اول، اس کا زمانہ ''انسائکلوپیڈیا بریٹانیکا'' طبع یازدہم نے ۱۲۹۰/۱۳۱۰ ق م قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس بادشاہ کی ایک تحریر کے مطابق اس کے زمانہ سے ۵۸۰ برس پہلے ''تل کابی'' کا بیٹا ''شمسی ہدو'' اور اس سے ۱۵۹ برس پہلے ''اری سوم'' کاہن اعظم، اشور کا گورنر تھا۔

شمسی ہدو کا زمانہ ۱۸۹۰ ق م یا ۱۸۷۰ ق م فرض کیا جا سکتا ہے۔ اس کا نام ہم کو ایرانی روایتوں کا ''درفش'' کا بیان یاد دلاتا ہے۔ کہانی یہ ہے کہ جمشید نے ایران پر قبضہ کر کے ۳۳۰ برس حکومت کی، پھر اس سے ضحاک تازی نے حکومت چھین لی اور ۱۰۰۰ برس حکومت کرتا رہا، پھر ایک شخص کابی نے ضحاک کو مار ڈالا اور فریدوں کو تخت حکومت دلا دیا۔ تل کابی، جو کہ گورنر اشور کا تھا، اس کہانی کا ہیرو ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو فریدوں کا زمانہ ۱۹۰۰ ق م، ضحاک کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م اور جمشیدی زمانہ یعنی ایران میں آریوں کے ورود کا زمانہ ۲۳۰۰ ق م قرار دیا جا سکتا ہے۔ اری سوم کے نام کا ترجمہ ہے ''میرا نام آریہ ہے''، اشور کے جس قدیم فرماں روا کا نام ہم کو معلوم ہے وہ یہی ہے اور یہی وہ قدیم ترین آریا بھی تھے، جن کے تاریخی وجود کی شہادت ہم کو ملتی ہے۔ اس کا زمانہ ۲۰۲۹/ ۲۰۴۹ ق م قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس زمانہ سے پہلے ہم کو اشور کا نام نہیں ملتا، لیکن ممکن ہے کہ اس زمانہ میں کچھ باشندگان اشور، ہند میں آئے ہوں، مگر سندھی یادگاریں اس زمانے سے قدیم ہیں۔

اس اشوری بادشاہ کا نام تھا ''اشوری بل نبی سو'' اس کا ترجمہ ہے ''اشور، آقا ہے اپنے لوگوں کا'' اس کا پہلا سال ''انسائکلوپیڈیا بریٹانیکا'' طبع یازدہم کے مضمون نگار نے ۱۴۵۰ ق م قرار دیا ہے۔ اس سے پہلے اشور اپنے لوگوں کا آپ آقا نہ تھا، بلکہ ایری سوم کے لوگوں کا ماتحت تھا۔ اس کے پہلے حسب ذیل نام شاہان اشور کے اور بھی دکھائے ہیں:

ا۔ زولیلو: اسے بانیٔ حکومتِ اشور قرار دیا ہے۔ اس کا یہ نام اسے جنوبی عرب کا ایک شخص ظاہر کرتا ہے۔

۲۔.....نام نامعلوم

۳۔ اشورارنی: لیکن ایک اور چھپی ہوئی انسائکلوپیڈیا میں، جس کا سال طباعت معلوم نہیں، اشورارنی (عربی) مکتوب ہے۔

۴۔ چھٹا نام اور

اگر ہم فی پشت ۲۰ برس فرض کریں تو اشورعربی کا زمانہ ۱۵۷۰/۱۵۹۰ ق م قرار دے سکتے ہیں۔ اور زولیو کا زمانہ ۱۶۱۰/ ۱۶۳۰ ق م قرار دے سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ۲۱۰۰ ق م میں ایک آریہ خاندان نے اشور پر قبضہ جما لیا، اشوریوں کی تالیف قلوب کے لیے اشور کے مؤرث دیوتا کو اپنے خداؤں میں داخل کر لیا، پھر، اور اشوری دیوتاؤں کو اس نام سے موسوم کرنے لگے۔ ۱۶۵۰ ق م ایک عربی خاندان نے، جس کا نام رئیس زولیلو تھا، اشور میں ایک ریاست قائم کی۔ ۱۴۰۰ ق م میں یہ ریاست خودمختار ہوئی، لیکن ۱۲۷۰ ق م تک چو طرف سے آریوں کے درمیان دبی رہی۔ شمال میں متانی آریا، مغرب میں حتی آریا، جنوب میں کسی آریا، مشرق میں جمشیدی آریا۔ ۱۲۷۰ ق م دوآبۂ خابور و فرات سے حتیوں کو بھگایا۔ ۱۱۷۰ ق م میں جنوبی عراق سے کسیوں کو نکالا، اس کے بعد کی تاریخ بہت واضح ہے۔ ۶۰۰ ق م میں ایرانیوں نے بابل کے کلدانیوں کو سازش میں لے کر اشور کا خاتمہ کر دیا۔ ۵۳۸ ق م میں کلدانیوں کو ایثوں سے غداری کا انعام یہ دیا کہ ان کو بھی چالبازیوں اور سازشوں کے زور سے فنا کر دیا، اور ظہور اسلام کے زمانہ تک کے لیے اس قوم کو ناقابل ذکر، ہیچ میرزا اور وحشی قوم بنا کے رکھ دیا۔ جو قوم.....۵ ق م سے برابر تہذیب و تمدن کو ترقی دے رہی تھی، اشور میں بسنے والے اشوریوں کی بابت یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے کبھی ہند پر چڑھائی کی ہوگی، پھر بھی یونانی قصہ بے بنیاد نہیں ہے۔

اگرچہ تاریخ عالم میں وہی اشور مشہور ہیں جس کا ذکر قرآن میں قوم یونس کے نام سے آیا ہے، اور جن کا شاہ نشین شہر نینوی تھا۔ لیکن اشور صرف وہی نہ تھے۔ اشورعربی کا نام بتاتا ہے کہ جن لوگوں نے دیار نینوی میں پہنچ کر اشوری راج قائم کیا وہ دراصل ایک عرب خاندان تھا۔ زولیلو کا نام ان کو جنوبی عرب کے مہاجرین ثابت کرتا ہے۔ معین کے ذکر میں ''تسار عشورماں راشور'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک اشور بھی جنوبی عرب

میں تھی۔ ''یقطان بن قطورہ'' کے ایک پوتے کا توراتی نام اسورم بن ودان ہے۔ (بائبل: کتاب تکوین: ۲۵:۳) ان کی ایک قرابت مند قوم کا نام ''سبا بن یقطان'' ہے۔ خلیج عمان کے ساحل کو عربوں کے بیان کے مطابق ''عمان بن سبا بن یقطان'' کا وطن ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ (یاقوت) ٹی لس ہم کو اس اشور میں نہیں ملتا جس کا بادشاہ ''اشورنسر پال'' تھا۔ ''فریڈ اسٹارک'' نے اپنے سفرنامے میں دو حمیری کتبے نقل کیے ہیں جو مسجد حریزہ کے اندر ایک چٹان پر انھوں نے دیکھے۔ وہ ان کتبوں کو پڑھ نہ سکے، مگر نقل کرلیا۔ وہ کتبے حسب ذیل ہیں:

ᚢᛟᛚᛋᚢᛜᛩᛗ			
صدق	بن	عد	
[illegible]			
ضر	ہمود	نبی	سین تنس

دوسرے کتبے کا ترجمہ، تنس کے چاند (دیوتا) کا نبی ضر ہموب۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنوبی عرب میں تنس کا ایک مقام یا قبیلہ تھا۔ عربی اسمائے قبائل کی اصل مورث قبیلہ کا نام ''ہوتی'' ہے۔ عرب اشور کے مورث تنس کا قصہ یونان میں جا کر کچھ سے کچھ ہوگیا۔ شمیر عمیس نہ صرف یہ کہ اشوری کوئی ملکہ نہ تھی، بلکہ یہ لفظ تک اشوری نہیں ہے۔ اب اس نام کو یوں سمجھئے:

ا۔ SEMIR	[illegible]	[illegible]	شمر	محافظ	
۲۔ A M=عم	[illegible]	עם	عم	قوم	اپنی قوم کا پاسبان
۳۔ iS س	[illegible]	[illegible]	س	اپنی	

جنوبی عرب میں کئی شمر گزرے ہیں، جن کی داستانوں کو شخص واحد کی داستانیں بتا دیا گیا ہے۔ ایک شمر کی بابت ایک شاعر کہتا ہے:

ایہا السائل الحوادث جہلا ہل سالت الزمان عن شمر عش
ملک الحد الجبال فذلت و اطاعند حین یمسی و یمشی
فکاد بالصین من تہمہ حیی ترک الہند بین نہش ولہش

(اے وہ جو ان جان بن کر حوادث پوچھتا ہے، کیا تو زمانے بھر سے شمر رعش کو پوچھتا ہے۔ ایک بادشاہ تھا، جس نے پہاڑوں کو روندا، وہ اس کے مطیع ہوئے، جہاں اس نے شام گزاری یا چلا۔ تہامہ سے چین کے لیے فوج لے کر چلا اور ہند کو اس نے خلفشار میں چھوڑا) ''رگ وید'' میں ایک شیمبرا کا ذکر ہے جس سے راجہ دوداس نے جنگ کی تھی اور اسے شکست دی تھی۔ یہ دس راجوں کی جنگ سے پہلے کا ذکر ہے۔ ویدوں کے مطابق دوداس

نے اسے لڑکر شکست دی تھی، لیکن عربی روایت یہ ہے کہ ہند کا راجہ، بظاہر مطیع ہو گیا تھا۔ پھر راہبر بن کر اس کے ساتھ چین کو چلا، پھر ایک بے آب و گیاہ میدان میں فوج کو لے جا کر چھوڑ دیا اور شمر کی فوج، پانی نہ ملنے سے پیاسوں مر گئی۔

کا دلفیر حسین کا وہ دلی ترک الحبش بین قفر و عطش

ہم کو اس سے بحث نہیں کہ یونانی افسانہ سچا ہے یا ویدک کہانی سچی ہے۔ بہر حال ہند پر شمر عمیس کے حملے کی کہانی میں صداقت ضرور ہے۔ اس شمر عمیس کو جنوبی "نی لس" کے "اشورم" میں سے ایک سمجھا جا سکتا ہے۔ جنوبی عرب کے اشورم ممکن ہے ہندوستانی اسُر ہی ہوں۔ یہ بات شاید ہم نہ معلوم کر سکیں کہ ہندوستان سے عرب میں اسر جا کر اشورم یا اشور بنے یا عرب سے اشور ہند میں آ کر اسر بنے، لیکن دونوں کے ہم جنس ہونے میں شبہ کی گنجائش کم ہے۔ جناب ای۔ پی۔ ہاول کے نزدیک بھی ویدوں کے اسر اور تاریخ کے اشور دونوں ایک ہیں۔ لیکن ان کے خیال میں ہندوستان میں اسر نہیں آئے بلکہ اسروں اور دیوتاؤں کی کہانی آئی۔ وہ کہتے ہیں، ٹاڈ کے بیان کے مطابق:
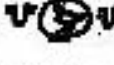
"اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہندو واقعہ نگاروں نے اپنے عرب دشمنوں کا ذکر اسی لغت اسرا سے کیا ہے، جس سے وہ عراق میں اپنے دشمنوں کا مذکر تے تھے۔ اس طرح انھوں نے عربوں کو ان کے سامی اسلاف، اسیریوں سے تطبیق دی"۔ (دی ہسٹری آف آرین رول ان انڈیا۔ ص نمبر ۲۶۳) محمد بن قاسم اور ان کے ساتھی، ٹاڈ کی کتاب "اینلز آف راجستھان" کے مطابق، معاصر ہندوؤں کی نظر میں "اسورا" تھے۔ یہ نام عربوں کو گالی کے طور پر نہیں دیا گیا تھا، بلکہ ہندو جانتے تھے کہ آریوں نے جن اسروں سے ہندوستان کو چھین کر انھیں یہاں سے نیست و نابود کر دیا تھا، وہ عرب تھے اور محمد بن قاسم کی فوجوں کا سندھ میں ورود ان کی نظر میں ویدک زمانے کے اسروں کی جدوجہد تھی، اگرچہ عربوں کو اس حقیقت کا علم نہ تھا، مگر واقعہ یہی تھا۔ ویدوں کے اندر جس دیوتا کو خصوصیت کے ساتھ اسرا کہا گیا وہ ورونا ہے۔ ورونا ان چار دیوتاؤں میں سے ایک ہے، جن کا ذکر "ستاویز لوغاز کوئی" میں ہے۔ چودھویں صدی قبل مسیح کے حتی۔ متانی آریا مانتے تھے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) الیوان دارا خاوندا اندرا

(۲) ایلانی می ات ترا اسیل خداوندان خاندان مترا

(۳) ایلانی نا ساتے اسیل خداوندان خاندان اساتاس

(۴) ایلانی اورونا اسیل خداوندان خاندان ورنا

یہ نام ظاہر کرتے ہیں کہ ان دارا تو چودھویں صدی قبل مسیح میں خود ایک ایلو تھا مگر مترا، ناساتی اور ورونا دراصل خانوادے تھے، لیکن ویدک رشیوں نے ان کو خدائی عطا کر دی۔ ورنا جس کے نام کی قدیم صورت اورونا ہے، ایک

عرب خاندان کا نام ہے۔ ۲۰۷۰ ق م میں ایک "موحد عرب" "ایلوما ایلوم لوگل ششکو" نے بزمانہ ہموا یلوما ایک نئی حکومت خلیج فارس اور فرات کے پچھم قائم کی، جابعد میں "شارانی پالی ششکو" کہلائی۔ اس کو حکومت پر کچھ عرصہ بعد ایک تورکی مان نے قبضہ کرلیا، پھر ۱۷۰۰ ق م میں کسی آریوں نے قبضہ کرلیا تھا، اس بادشاہ "ایلوما ایلوم لوگل ششکو" نے جس مقام کو اپنا پایہ تخت بنایا اس کا نام رکھا تھا وریا یعنی یا خداوند کی بستی۔ اپنے خدائے واحد کے لیے جو معبد بنایا تھا اس کا نام رکھا تھا

ای گل کا اوروتا گھر بڑا زمین ورنا کا

"اوروتا" یا "ورنا" اس قوم یا خاندان کا نام تھا جس کا یہ شخص فرد تھا۔ جب آریوں نے ان دنوں جب یہ اشور و بابل وغیرہ سامی علاقوں پر حکمراں تھے، ایلانی اور ورنا اسیل کو اپنے خداؤں میں شامل کرلیا۔ آگے چل کر یہ "ایلانی اورنا اسیل" حرف "اوروتا" اور "ورنا" ہو کے رہ گیا اور ویدی رشیوں کا ایک دیوتا بن گیا، جس سے درخواست کی جاتی تھی:

> اے ورنا ایک عادل بادشاہ کی طرح ہم پر مہربانی فرمایئے...... اے اسر ہم کو
> اپنے ان اسلحہ سے ہلاک نہ کیجیے جن سے آپ گناہ گاروں کو ہلاک فرماتے ہیں
> ("ویدک سانچ" بحوالہ "رگ وید")

ویدوں میں جن دیوتاؤں کو اسرا کہا گیا ہے وہ دراصل اشور وعراق سے آئے ہوئے آریوں کے دیوتا ہیں جن کو آریوں نے اشوریوں اور عراقیوں سے مستعار لیا تھا اور اسر کہلانے والی جن قوموں کا ذکر ملتا ہے وہ ہندوستانی اشورم تھے جو آریوں کے دور سے پہلے یہاں آبسے تھے۔ سندھی تمدن کی تشکیل کا شرف بٹرجی نے جن اسروں کو دیا ہے انھیں مہاجرین اشور کے بجائے جنوبی عرب کے ہم نسب لوگ خیال کرنا چاہیے۔

قرات وڈل:

جن لوگوں نے سندھی مہروں کو پڑھنے کی کوشش کی ان میں ایک صاحب ہیں ایل اے وڈل انھوں نے سندھی مہر نویسوں کو ماروت قرار دیا ہے۔ ماروت پر ہم بعد میں روشنی ڈالیں گے پہلے ان کی قرأت کے دو نمونے پیش کرتے ہیں۔ ایک مہر پر یک سنگھے بیل کی تصویر ہے اور اس کے سامنے ▪ ایسا ظرف ہے اور اس پر ▪ ▪ ▪ مکتوب ہے۔ عموماً مہروں پر یک سنگھے بیل کو ایک لفظ قرار دے کر اسے gu پڑھا ہے۔ اس مہر پر بیل کی قرأت چھوڑ دی ہے۔ ▪ کے تین اجزاء ▪ ▪ ▪ کو مختلف مہروں پر مختلف نظریں دے کر مختلف لفظ پڑھے ہیں۔ چنانچہ اس مہر کو یوں پڑھا ہے:

۱			Sab, Sag, Sa
۲			tar, Kud,
۳			matu
۴			gin
۵			den - as

سبتار ماتو گن (تم) ایدن اس (سا وتر کی مرگی عدن میں جلا لیجیے)

ایک مہر پر یک سنگھے بیل کی تصویر ہے۔(مارشل نمبر ۹۳) اس پر مکتوب ہے عام مہر
وں پر بیل کے آگے ایسا ظرف ہے۔ اس مہر پر اس کے بجائے مکتوب ہے۔ اس کے نیچے
مکتوب ہے۔ اس کو یوں پڑھا ہے:

		gut	
		dama	
		gu	gut dama
		ti	guti mar
		mar	Dax gut
		dax	
		gut	

ہر نقش کے اور بھی تین تین چار چار تلفظ بتائے ہیں لیکن منقولہ تلفظ کو ترجیح دی ہے۔ وجہ ترجیح بتائے بغیر اس طرح انھوں نے چند مہروں پر ویدک رشیوں اور سومیری حکام کے نام تصنیف کیے ہیں۔ ان کی قرات نا مقبول ہوئی، اس لیے تنقید پر وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس نقش کو "داما" بتایا ہے اس کی نظیر کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔ سندھی مہروں کو جس قوم نے منقوش کیا ہے اس کو، اس کے رسم الخط کو، اس کی زبان کو پس پشت ڈال کر کسی بھی زبان میں پڑھنا چاہیں اسی طرح کی قراتیں کرنا پڑیں گی۔

ماروت:

وڈل نے اپنی قرأت کی تمہید میں لکھا ہے کہ "ویدوں میں سندھو کے نام سے انڈس کا ذکر ماروتوں (اموریوں) کے مسکن کی حیثیت سے بار بار آیا ہے۔ اور ان کو سندھو کے محافظ بتایا ہے۔ وڈل کے نزدیک یہی

ماروت سندھی کلچر کے جنم داتا قرار دئے جا سکتے ہیں ۔لیکن ان کوا موریوں سے تطبیق دینے کے باوجود ان کو آریا قرار دیا ہے۔

ہم کو اس سے بحث نہیں کہ وڈل نے موریوں کو یا ماروت کو کس بناء پر آریا قرار دیا۔غور طلب امر یہ ہے کہ جناب پوسلکر نے ''ویدک ایج'' میں ان اقوام کے نام گناتے ہوئے جن میں سے ایک نہ ایک کو، کسی نہ کسی سندھی کلچر کی تصنیف کا شرف دیا ہے، ماروت کے ذکر کو جس وجہ سے چھوڑ دیا ہے وہ کیا ہو سکتی ہے؟ ماروت ایک ایسا نام ہے جو تین مقدس کتابوں میں آیا ہے ۔غالباً وجہ ترک وہی ہے جس کی بناء پر سومیریوں کے تذکرہ کے باوجود سامیوں کے ذکر سے احتراز کیا گیا ہے ۔بائبل کے اندر ہے کہ ''ماروت کے بسنے والی بھلائی کو ترستی ہے کیونکہ یروشلم کے پھاٹک پر برائی نازل ہوئی ۔(کتاب میکہ ا۔۱۱) ۔قرآن پاک میں ہے کہ جب ان (یہودیوں) کے پاس تصدیق کے لیے جو جو ان کے پاس ہے اللہ کے پاس سے ایک رسول (محمدؐ بن عبداللہ) آیا تو جن کو الکتاب (یعنی بائبل) دی گئی ہے ان کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو تو اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا ایسے جیسے کہ وہ جانتے ہی نہیں اور اس چیز کے پیچھے ہو لیے جسے (ملوک ۱۱۔ ا تا ۴۱ میں) شیاطین حکومت سلیمان کے خلاف پڑھتے ہیں، حالانکہ سلیمان سے کفر سرزد نہیں ہوا تھا، البتہ یہ شیاطیان خود کافر ہیں، لوگوں کو جادو اور وہ چیز سکھاتے ہیں جو بابل میں دو فرشتوں، ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا۔(بقرہ ع ۱۲)ان مقدس کتابوں کے علاوہ ماروت کا ذکر وید مقدس میں بار بار آیا ہے ۔بائبل کے اندر ماروت ایک جغرافی نام ہے ۔قرآن میں ہاروت اور ماروت دو شخصوں کے القاب ہیں ۔یہ داغ اور امیر جیسے نام نہیں ہیں بلکہ میر میرزا جیسے عرف ہیں ۔اپنے ماننے والوں کی نظر میں یہ دونوں مجسم فرشتے تھے اور جو تعلیم دیتے تھے وہ ان کے معتقدین کے خیال میں منزل من اللہ تھا ۔خدا نے طنزاً عرف عام کے مطابق ان کا ذکر ''دوفرشتوں'' کے لقب اور ان کے ''علم'' کا ذکر (ماانزل) کے لقب سے کیا ہے ورنہ وہ ایسی بات سکھاتے تھے جس کے سیکھنے سکھانے کو خدا نے کفر و بے دینی کا ثبوت قرار دیا ہے ۔ایک یہودی جب ان سے ان کا ہنر سیکھنے جاتا تو وہ صاف کہہ دیتے تھے کہ ہم تو فتنہ ہیں، سو کافر نہ ہو جانا ۔ہو دیوں کے ماروت بھی قرآنی ہاورت کی طرح اپنے ماننے والوں کی نظر میں فرشتے یا ہندو تصور کے مطابق دیوتا تھے۔

ماروت دراصل ایک قومی نام ہے ۔پرانے زمانے میں ''لوگ خیال کرتے تھے کہ ہمارے گھر ابد تک قائم رہیں گے اور ہمارے مسکن پشت در پشت، اس لیے وہ اپنے نام اپنی زمینوں پر رکھتے تھے۔''(زبور ۔۴۹۔۱۱) اس دستور کے مطابق ایک زمانے میں اس سرزمین کا جس میں یروشلم واقع ہے، ماروت نام تھا۔اس طرح ہاروت بھی ایک قومی نام تھا۔پھر جغرافیائی نام بن گیا۔''ہاروت.....واسطہ کے نیچے ایک گاؤں کا نام ہے جس کی طرف ابوالبقا ہاروتی منسوب ہیں۔'' (معجم البلدان) ۔قرآنی ہاروت و ماروت ان ناموں والی قوم کے افراد تھے اور وہ

فرشتے کہلاتے تھے۔ ویدوں کے ہاروت دراصل اس زمانے کے چند برہمن تھے جنہوں نے خود کو آریوں سے مجسم دیوتا منوالیا تھا۔ چناں چہ "برہمنوں نے گیت گا گا کر اندرا کو ابھارا کہ وہ آہی کو قتل کر دے (رگ وید ۵۔۳۱)۔ اندرا ان برہمنوں کی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔ کہنے کو اندرا کو "ماروت ونت" (ماروتوں کا آقا) کہا جاتا تھا عملاً یہ ماروت اندرا کے حکم تھے۔ جب گیت گا کر اندرا آمادہ کرتے تھے تو وہ حق ناحق کی پرواہ کیے بغیر آریا کو ان آریا پر غلبہ دلاتا تھا۔ جب ان گیت گانے والے برہمنوں کی بدولت ان آریا لوگوں کو مار لیتے تو پھر اندرا کی ضیافت ہوتی تھی اور عرض کیا جاتا تھا کہ "اے جناب اندرا، لیجیے سوما پیجیے اور یہاں اپنے ساتھ ماروتوں کو بھی شامل کر لیجیے جنھوں نے آپ کا کسیلا اور آپ نے انہی کو قتل کر دیا۔" (رگ وید ۳۔۷۳)

عراق میں دو قومیں بستی تھیں۔ ایک کو سومیریوں کا نام دیا گیا ہے۔ اس قوم کے بادشاہوں سے ایک کا نام (.....) تھا۔ یہی نام بعد میں جودی بنا، جو کہ قرآن میں اس پہاڑ کا نام ہے جس پر کشتی نوح ٹکی تھی۔ اس پہاڑ کا تورانی نام "ارارات" ہے جو کہ "اورآرتو" کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اس کا ترجمہ ہے "آرتو کا شہر یا مسکن"۔

کئی سومیری اشخاص کے ناموں کا خاتمہ آرتو پر ہوتا ہے۔ یہی آرتو بدل کر "ھاروت" بنا۔ اگر "اورنِ آرتو" کا ذکر عربی کہانیوں میں ہوتا تو "سرزمین ہاروت" کے نام سے ہوتا۔ آرتو یا ہاروت سومیری قوم کا نام تھا۔ عراق میں اور آس پاس عربی، عبرانی اور حبشی کی ہم نسل زبانیں بولنے والے جو بستے تھے ان کو سومیری مارتو کہتے تھے، حالانکہ وہ خود کو اموروکہتے تھے جو عربی میں عمرو بنا۔ مارتو کا لفظ منقلب ہو کر ماروت بنا۔ عیلام کا ایک راجہ تھا حضرت ابراہیمؑ کا معاصر، اس کا ذاتی نام تھا "کدرنان ہندی"۔ اس کا ایک لقب تھا "کدر ماگ" (کدر ہی بھگوان ہے) یہ ایک لقب تھا۔

کدرا کورماتو کدر بادشاہ ملک ماروت

اس کے دیس کا نام ہند اور کورماتو یعنی ملک ماروت تھا۔ اب غور کیجیے۔ فلسطین، بابل، عیلام اور سندھ میں ہم کو مارتو یا ماروت ملے۔ اس بات کا قرینہ نہیں ہے کہ سندھی کلچر کے آفریدگاروں کی زبان ماروتے ہو سکتی ہے۔

وڈل کے سندھی مہروں کے صناعین کو ماروت قرار دینے اور ان کو اموریوں سے تطبیق دینے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ لیکن ان کو آریا قرار دے کر غیر مشکوک اور محقق واقعہ کو بدل دیا ہے۔ ویدوں کے ماروت دراصل سندھ کے قدیمی باشندوں کے بقایا تھے۔ جنھوں نے اپنی قوم سے کٹ کر غالب حملہ آوروں سے ناتا جوڑ لیا تھا اور اپنی چالاکیوں سے "برہمن دیوتا" بن بیٹھے تھے۔

سبا:

موین، یون، شمر، اشور اور ماروت کے ہم ناموں کو آپ نے اس سرزمین دیکھ لیا جس کے آثار پر غور کررہے ہیں۔ اب ایک اور نام پر غور کر لیجیے اور وہ "سبا" کا نام ہے۔ توراۃ میں شبا بن کوش، سبا بن اعمہ بن کوش، سبا بن یوقن اور سبا بن نقشان چار صوبوں کا ذکر ہے۔ لیکن ان چار کو ایک دوسرے سے جدا پہچاننا سخت مشکل ہے۔ بات یہ ہے کہ سبا ایک عظیم الشان قوم تھی۔ مختلف قومیں اس قوم میں بہ اوقات مختلف بطور دخیل کے شامل ہوئیں۔ عربوں میں نامولعم زمانے سے یہ دستور تھا کہ بعض اوقات معاہدوں کے ذریعے خاندان غیر کے افراد کو حلیف، مولی، یا دخیل کی حیثیت سے اپنی جماعت میں داخل کر لیتے تھے۔ یہ دخیل قومیں کچھ دنوں تو اپنے انساب کو یاد رکھتیں لیکن پھر اس قوم میں اس طرح گم ہو جاتیں کہ اصیل و دخیل میں فرق نہ ہو سکتا تھا۔ زبان ان چاروں کی ایک تھی۔ اس لیے ہم ان چاروں کو ایک ہی قوم خیال کریں گے۔ عربوں نے چاروں میں کوئی فرق نہیں کی ہے۔ عربی روایات کا ایک سردار "دالراش" تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے صاحب بنجان نے وھب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے۔

"اس سے پہلے براہ خشکی جہاں حران کی طرف اور ارض تبت کی طرف سے ہند پر تین اور بادشاہوں نے حملہ کیا تھا۔ عبدشمس سبا، وائل بن حمیر اور سکسک بن وائل۔" (بنجان ص نمبر ۷۵)

بلوچی آثار:

اب ہم کو غور کرنا ہے کہ اس بیان میں کہاں تک صحت ہے۔ "الراش" کم از کم تین تھے۔ لیکن کہانیوں نے تینوں کو اختلاف ازمنہ اور اختلاف انساب کے باوجود ایک ہی میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ ایک الرائش کو ہم نارام سن کا رس اموں قرار دے سکتے ہیں۔ اس کا زمانہ ۲۷۰۰ ق م تھا۔ عبدشمس سبا کو اس سے قدیم قرار دینا مشکل ہے۔ لیکن یہ ناممکن نہیں ہے۔ سبا کہلانے والے لوگ اہل معین کی طرح تاجر تھے۔ ان کا تجارتی قافلوں کی صورت سے کسی ملک میں بھی ورود باور کیا جا سکتا ہے۔ ان کو فاتحوں کی حیثیت سے کسی ملک میں دکھانے کے لیے جس قدر دلائل کی ضرورت ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ تبت کی طرف سے ہند پر سبا کا حملہ آور تسلیم کرنے سے پہلے تبت میں ان کا ورود ثابت کرنا ہوگا اور اس کے ثابت کرنے کا یہ محل نہیں ہے ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ہند میں سبا کا سراغ ملتا ہے یا نہیں ملتا ہے۔ اس روایت کے حران کو پہلے سمجھ لیجیے۔

> "سبائی اور حمیری عربوں کی انجینئری میں کمال کے دو قابل توجہ نمونے اب تک یمن میں موجود ہیں۔ ایک ان میں سے قرمار کے قریب حران میں ہے جسے ہیرس نے توراتی حران خیال کیا ہے......دوسرا سد مارب ہے"۔ (انسائکلوپیڈیا برٹانیکا طبع نمبر ۱۱)

حیران سے براہ خشکی ہند میں آنے کے لیے فوج یا قافل کو خلیج عمان یا خلیج فارس کے عربی ساحل تک اتر نا پڑے گا۔ جنوبی عرب میں ہر جگہ آپ کو سبا کے آ سار ملیں گے۔ خلیج عمان یا خلیج فارس کے ساحل پر پہنچ کر ضرور ہے کہ سمندر کو براہ خشکی عبور کر کے جنوبی ایران یا بلوچستان کے ساحل پر قافلہ اترے۔

ابھی ابھی بحرین میں میں تازہ انکشاف ہونے کی اطلاع ملی ہے اور زونگی کے زمانے کے ایک ایسے تمدن کا انداز ملا ہے جو مصر وعراق کے ہم عصر تمدنوں سے فرو تر نہیں تھا۔ مٹی اور پتھر کے ایسے ملون ظروف ملے ہیں جنھوں نے سندھی تمدن سے اس کا ناتا جوڑ دیا ہے۔ خلیج عمان وفارس کے عربی سواحل پر اور رواسط کے آس پاس کھدائی ہوتو شاید معاملہ اور صاف ہو جائے گا۔

> ''اب بلوچستان میں اتر کر غور کیجیے۔ وہ کلاسیکل ریکارڈوں اور قدیم کتبوں سے شمال اور مغرب میں حمیری عربوں کے اثرات پھیلنے کا کافی اندازہ کیا جا چکا ہے لیکن مشرق میں ان کی دوڑ دھوپ کی بابت بہت کم کہا گیا ہے۔ لیکن حال میں ہندوستان کے پیانکدوں نے بلوچستان کے اندرونی مقامات پر اور سواحل مکران پر ایسی شہادتیں برآمد کی ہیں جن سے انداز ہوتا ہے کہ جس طرح بحر احمر کے مغرب میں ان کا اثر پھیلا تھا، اسی طرح خلیج فارس کے مشرق میں بھی کافی دور تک عربوں کی حکومت نہیں، تو ان کا کاروبار ضرور پھیلا تھا۔'' (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع نمبر ۱۱ ذکر عرب)

افسوس کہ مضمون نگار نے جس پیانکدوں کی تحقیقات پر اپنے اس بیان کا مدار رکھا ہے، ان کی تحریروں تک ہم جیسوں کی رسائی مشکل ہے ورنہ اس مضمون کو اور وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت تھی۔

> ''پانی کو تالابوں میں جمع کرنے کا نظام اور اس کی قدامت کے بہترے ثبوت جنوبی عرب میں موجود ہیں اور یہ شہادتیں مکران اور جنوبی بلوچستان کی ایسی ہی عجیب تعمیروں کا راز بتا سکتی ہے۔'' (ایضاً)

ویدوں سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ جن دنوں ایران اور بلوچستان ہوتے ہوئے شاہی تھمپ میں پائی جانے والی کھوپڑی تیزہ بطرلے کر آگے آگ اور پیچھے خاکستر کا تماشا دکھاتی آئی۔ اس زمانی میں ان کی راہ میں ایسے لوگ بھی بستے تھے جنہیں بر سائی نالے ندیوں کو قید کر لینے سلیقہ آتا تھا۔ چناں چہ ایک رشی کہتا ہے ''اے جناب اندرا، آپ نے آہی کو قتل کر دیا جس نے سات دریاؤں کو قید کر لیا تھا۔ آپ نے سب کولا بھ (فائدہ) دینے والے دریاؤں کو آزاد کر دیا۔'' (ویدک ایج ۔۴) اس کا تو خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ''سپت سندھو'' کے دریاؤں کو قید کیا گیا

تھا۔ان دریاؤں کو سمندر میں جا ملنے سے روکا نہیں جا سکتا تھا۔ابھی تک ایسے مصانع نہیں ملے ہیں، لیکن بلوچستان میں ایسے آثار ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں بے آب دیس اچھا خاصا ترو تازہ ملک تھا، یہاں جنگلات تھے بارش اچھی خاصی ہوتی تھی، برساتی ندیاں زور سے بہتی تھیں، قدمائے بلوچستان نے ان برساتی ندیوں کو کئی مصانع بنا کر قید کر لیا تھا۔سوال یہ ہے یہ لوگ کون تھے۔

''سارے مکران میں خصوصاً پنج گر اور کلوہ کے اضلاع میں نہایت موٹی اور بعض اوقات بلند دیواریں ملتی ہیں جن کو مقامی لوگ ''گوربستہ'' یا ''گبربستہ'' کہتے ہیں۔مطلب اس کا صرف اس قدر ہے کہ اسے ''سورج بنسیوں'' یا ''بندگان خورشید'' نے تعمیر کیا۔ان لوگوں کے پاس تاریخ تو کیا افسانہ بھی نہیں ہے۔اب کے بلوچی ان سے کوئی اپنا واسطہ نہیں بتاتے۔لیکن ان کی ساخت اور بناوٹ سے ظاہر ہے کہ ان کے بانی اور معمار وہی لوگ تھے اور اسی نسل کے تھے جنھوں نے اس قسم کی صناعی کے ساتھ پہاڑوں کو توڑا اور زمین کو قابل زراعت بنایا تھا۔''
(بحوالہ مذکورہ)

یونانی گواہ:

''ہیرو ڈوٹس نے جنوبی بلوچستان میں جن ایشیائی ایتھوپین لوگوں کو ۵۰۰ ق م میں دکھایا ہے وہ کب کے نابود ہو گئے۔اس سرے سے اس سرے تک عربوں کا جو اثر اب پھیلا ہوا ہے وہ بعد کی چیز ہے اور اس کی بنیاد کچھ اور ہے۔لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ سانولے عربوں یعنی حمیر و سبا نے جس مخصوص ڈھب سے، افریقہ معاون زر کے گرد حصار بندی کی، جنوبی عرب میں پانی محفوظ رکھنے کو بہت سے آب گیر بنائے، خلیج فارس کے مشرق میں بھی انہوں نے اپنے مخصوص انداز و اصول کے مطابق ویسے ہی مصانع بنائے۔''(بحوالہ مذکورہ)

عمارتوں کے انداز تعمیر، اشیاء کے نقش و نگار اور چیزوں کی یکسانی کے ذریعے ایک قوم کی دوسرے ملک میں موجودگی پر استدلال عربوں کے دستور میں داخل نہ تھا۔اوپر عربوں کا جو بیان نقل کیا گیا ہے وہ ان فرنگی دلائل پر مبنی نہ تھا، ان کا بیان پشت ہا پشت سے مروی واقعات پر مبنی تھا۔ممکن ہے کہ وہ بیان کسی نہ کسی کی تحریر پر مبنی ہو جو ''وہب بن منبہ'' کو معلوم تھی۔بہر حال اس فاضل مضمون نگار کا یہ بیان ثابت کرتا ہے کہ وہب بن منبہ کا بیان بے بنیاد نہیں ہے۔

''ہیرو ڈوٹس ایشیائی ایتھوپین کا ذکر تو کرتا ہے لیکن جیسا کہ بعض مؤرخین کا مفروضہ ہے، ایشیا اور افریقہ کے درمیان غلط ملط نہیں کرتا۔سکندری حملہ کے مؤرخین عطریات کی تجارت کا ذکر کرتے ہیں جو عرب تاجروں ہی کا عمل ہو سکتا ہے۔بطلیموس نے جنوبی جدروشیا (بلوچستان) کے باشندوں کا ذکر کرتے ہوئے (Arabitae) (عربی طائی)، Pardidae یا Parsirai (پارسی رائی) اور Rhamanai (رحمانائی) کا ذکر کیا ہے۔یہ نام عرب، پارسی

تاجک کا اور زراوندی آبادی کا سراغ دیتے ہیں۔" (بحوالہ مذکورہ)

مضمون نگار نے نہ معلوم کس بنا پر (Rhmanai) کو دراوڑ خیال۔ ایلیس کیلوس، کے واقعہ نگاروں نے جنوبی عرب میں رحمانی طائی کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال تعبیرات کی یکسانی اور یونانی مؤرخین کے بیان اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ بلوچستان پر ایک زمانے میں جنوبی عرب کے لوگ چھائے ہوئے تھے۔ اگرچہ ۵۰۰ ق م اور ۳۰۰ ق م میں سبائی لوگوں کے وجود کی شہادت ملتی ہے۔ لیکن اس کا اصلی زمانہ خود اس کے زمانہ (۵۵۰ ق م) سے پہلے ہی باور کیا جاسکتا ہے۔ اس زمانہ میں عرب اس دیار سے بالکل بے دخل ہو چکے تھے۔

ایک یمنی کتبہ:

فارسٹر نے تاریخی جغرافیۂ عرب میں حمیری تحریروں کی تو تحریف کی ہے۔ ان میں سے ایک کتبہ "لقب الحجر" ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ دیگر یورپی قاریوں نے اسے کیا پڑھا ہے۔ ذیل میں اس کتبہ کی قرأت نقل کرتا ہوں۔ چار نقوش کے علاوہ تمام نقوش کی آواز مسلمات میں داخل ہے۔

۱) صرف اس کتبہ میں اور ایک سبائی تحریر میں ہے۔ اسے الٹ کر دیکھو بن جاتا ہے۔
۲) الٹ کر دیکھو بن مدیم کے ورقہ "بیت الحکمت" میں "ل" ہے۔
۳) سندھی نقوش کے تختہ میں کی بدلی ہوئی صورت جو بن کر سبائی ق بن گئی۔
۴) کھڑی لکیر عام کتبوں میں دو لفظوں کے درمیان کا خط فاصل، مگر اس کتبہ میں، نیز کتبہ حصن غراب میں "ا" حرف عطف اور ہم آواز ہمزہ او رالف۔

اب کتبہ دیکھیے:

ہاء اجبل مظہب امام بن ہاجل الم یفت وہل

فا آن مفتح مبلل بجت الل ہھھ جل

اث انحا اوس وال جناب ال خد قلا

(لغات) ہاء بمعنی لے لو۔ یفت بمعنی مبدع (عبرانی)۔ وہل۔ بمعنی دھر۔ فا بمعنی فاہ۔ مفتح، مصدر انفتح بمعنی سلک الحجاج کا۔ مبلل م بمعنی من۔ جلل مصدر جلک اللہ اپنا کا۔ بجت بمعنی قدوس۔ الل عبرانی

ایل معبود۔ صیحجل، الذ یحتجل بمعنی متبدع وموحد ساث، کتر اتخاتیا ساعد د۔ خد جماعت رایت خدا من الیا۔

مطہمت امام بن ہا بجل الم کی پہاڑیاں لے لو۔ زمانے کے موجد نے فرمایا آگیا وقت سفر۔ خداوند خلاق کی اولاد بخشی سے زیادہ ہوگئی تعداد انسانوں کی۔ روانہ ہوں کمانے والے بڑے بڑے طرف جماعت قلات کے۔

اس تحریر سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ کسی زمانہ میں یمن سے "بڑے بڑے کمانے والے" قلات کے پاس آئے۔ اطراف قلات میں تلاش کیا جائے تو بہت ممکن ہے XYD4 جیسے ام والوں کی تحریریں کہیں نہ کہیں مل جائیں گی اور اس کی تصدیق ہو جائے گی کہ واقعی اس دیار میں عبد شمس سبا کی (جیسا کہ روایت بتاتی ہے) ایک جماعت ضرور آ بسی تھی۔

ہندوستانی سبا:

رگ ویدی زمانہ میں ایک شخص "اوسی نارا" گزرا ہے۔ (ویدک انڈیکس ص نمبر ۳۲۸)۔ یہ نام "نارؔ" تو غالباً ناری کا مذکر ہے۔ اگر ہم اس نام کا عربی میں ترجمہ کریں تو امراءالقیس کے انداز میں یہ نام امرءالاوس بن جائے گا۔ اوس عرب کے "مرغوب" ناموں میں سے ہے۔ انصار مدینہ کے ایک قبیلہ کا نام اوس تھا۔ یہ قبیلہ یمن، دیار یمن سے حجاز میں آیا تھا۔ حضرت موت کے حصن غراب ایک کتبے کے نیچے ‍mOh کا نام مکتوب ہے۔ یاقوت نے مختلف مقامات پر لکھا ہے کہ عراق والے اشخاص و قبائل کے ناموں میں "آن" بڑھا کر اسے موضع کا نام بنا لیتے تھے۔ غالباً یہ دستور جنوبی عرب میں بھی تھا۔ جنوبی عرب کی ایک ریاست کا نام اوسان تھا۔

> "وادی بیحان کے جنوب میں سمندر اور رقتبان کے درمیان اوسان کی حکومت تھی، جس کے ہم کو کتبے ملے ہیں۔ مگر اس نے اپنا نام مشرقی افریقہ کے اوسانی ساحل کو نیز زیلع کے پاس ایک جگہ کو دیا جسے صومالی لوگ اوسال کہتے ہیں" (دی سدرن گیس آف عربیا۔ ص نمبر ۲۱۲)

اس ریاست کے قریب ایک ریاست اور تھی جسے ریاست جبان کہتے تھے۔ اس ریاست کے اندر ایک قوم انصاری طائی بستی تھی۔ یہیں سبا کا مشہور قصر بھی واقع ہے جسے "ریدان" کہتے تھے اور ایک دور کے شاہانِ سبا "ملک سبا وذو ریدان" کہلاتے تھے۔

انصار مدینہ کی شاخ اوس کے ایک اطم کا نام بھی ریدان تھا۔ افسوس عربی کتبات کا حاصل کرنا میرے لیے دشوار ہے۔ ورنہ یہ بیان مزید تشریح کا متقضی ہے۔ بہر حال مدینہ کے اوس ریاست اوسان کے قبائل

اور حضر موت کا اوس، یہ سب ایک خاندان کے لوگ تھے۔ ویدک زمانے کا اوسی نا را بھی ایک امر عالاوس رہا ہو تو کیا عجب ہے۔ لیکن چوں کہ یہ خاندان کلچرل حیثیت سے آریا ہو گیا تھا اس لیے عربی اوس قرار دینے کے لیے مزید دلائل کی ضرورت ہے۔ مہا بھارت میں کوروں کی حمایت میں پانڈوں سے جو لوگ لڑے تھے ان کے نام جمع کیے جائیں اور ان ناموں کو عرب میں تلاش کیا جائے تو تاریخ کے ایسے راز پر روشنی پڑے گی جس کو معلوم کر کے آپ متحیر ہو جائیں گے۔ یہ کام بذات خود ایک مستقل مضمون ہے۔ اس کے لیے کافی ریسرچ کی ضرورت ہے۔ ایک قوم جس نے کوروں کا ساتھ دیا تھا "شیبی" تھی۔ پنجاب کے ضلع جھنگ میں شورکوٹ میں ایک قدیم تحریر ملی ہے جس میں ایک "شیبی پورا" کا ذکر ہے۔ اس سے جناب پوسلکر نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شیبی لوگ جھنگ کے ضلع میں شورکوٹ کے آس پاس بستے تھے۔ "پاتنجلی" میں ایک مقام "شوا پورا" کا ذکر ہے۔ جناب پوسلکر نے اسے "شیبی پورا" سے تطبیق دی ہے۔ یہ تطبیق اگر درست ہے تو شیبی اور رویدک مہا بھارت یعنی دس راجوں کی یدھ (جنگ) میں شوا نام کا جو راجا یا قبیلہ شکست یافتہ جماعت میں شریک تھا دونوں ایک ہوئے، سنسکرت واؤ اور "ب" کی صورت ایک ہے۔ شوا کو ہم شبا بھی پڑھ سکتے ہیں۔ شیبی کی بابت بتایا گیا ہے کہ وہ اوسی نا را کا فرزند تھا۔ عربی اوس فرزندان سبا میں سے تھا، ہندی اوس کو شیبی کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ عربوں میں عام دستور تھا کہ دادا کا نام پوتے کو دے دیتے تھے۔ اوسی نا رایا امر عالاوس نے پنجاب میں ایک حکومت قائم کی تھی جو اس کے پانچ بیٹوں میں تقسیم ہوئی۔

۱) شیبی اوسی نا را: اسے رگ وید (۴۷ x۱) کا مصنف مانا جاتا ہے تخت ملتان کا وارث

۲) ورگا: منٹگمری اور بیکانیر کے شمالی حصوں کا فرماں روا

۳) نوا: راجگان نوانگر کا مؤرث

۴) کرمی: فرماں روایان کرمیلہ کا مؤرث

ہم معان کا تذکرہ پڑھ آئے ہیں جو معین یعنی "موئن جوڈو کے موئن" اور موئن یا گندھروا کی ہم نام ایک قوم کا شہر تھا۔ یہاں حضرت داؤد نے نابال سے ملاقات کی تھی جو کرمل کا باشندہ تھا، کرمل فلسطین میں واقع ہے۔

۵) سوویرا: شیبی اوسی نا را نے شمال مغربی حصہ کو چھوڑ کر پورا پنجاب فتح کر لیا تھا۔ اس کی سلطنت اس کے چار بیٹوں میں تقسیم ہوئی تھی۔

۱) مدرا کا: اس کا پایہ تخت "سکالا" تھا جسے اب سیالکوٹ کہتے ہیں۔

۲) کیکیا: اس کی نسل جہلم اور چناب کے درمیان اضلاع گجرات و شاہ پور میں حکمراں تھی۔

۳) ورشادربھا: وارث ملتان، اسے شیبی بھی کہا جاتا تھا۔

۴) سومرا: اسے "سندھوسومرا" کہاجاتا تھا۔اس کی حکومت سندھ میں تھی۔یہ بھی کورووں کی طرف سے مہا بھارت کی جنگ میں شریک تھا۔

"مہابھارت" میں شکست یافتہ فریق کا مقتدائے اعظم راجا کرن تھا۔حیرت تو ہوگی،اس کام کا ترجمہ عربی میں کر کے دیکھیے۔ملک قرن بن جاتا ہے۔عربوں کی کہانی تبع اقرن کو بھی ہندوستان میں فاتحانہ داخلہ ملا ہے!۔استادمحترم علامہ سیدسلیمان ندوی (مرحوم) نے اپنی کتاب "ہندوعرب کے تعلقات" میں "ستیارتھ پرکاش" کے ایک قدیم ایڈیشن کے حوالہ سے آریہ سماجی فرقہ کے بانی سوامی دیانندسرسوتی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کورووں نے جب لاکھ کا ایک گھر بنا کر اس کے اندر پانڈووں کو پھونک دینے کا عزم کیاتو وِدُر جی مہاراج نے عربی زبان میں اس کی خبر پانڈووں کے رئیس کو دی تھی۔"مہابھارت" کے زمانے تک ہندوستان میں عربی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔

ہندوسند:

ہندوسند جغرافی اسماء ہیں۔جغرافی اسماء کے مصداق تاریخی انقلابات کے تحت ہمیشہ بدلتے رہے ہیں۔میری تحقیق میں چوتھی صدی مسیحی تک جنوبی عرب کے ایک حصہ کا نام ارض ہند تھا۔۱۶ھ تک اُبلہ اور بصرہ کے مقام وقوع کا نام ارض ہند تھا۔وستائی زمانہ میں موجودہ ایران کا جنوبی حصہ یوم ہندواں تھا۔"جلمش" آریا زمانے میں پورا ایران،ارض ہند تھا۔عیلام (عراق) کے بادشاہ، "کدرادا کورماکو" (جوکہ بائیسویں،اکیسویں صدی قبل مسیح میں گزرا) کدربان ہندی کہاجاتا تھا۔ان باتوں کا اثبات بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے۔

حیرہ اور اُبلہ کے درمیان ایک نہر تھی جس کے ساحل پر ایک قصر تھا جسے "قصر وذشرفات" کہاجاتا تھا۔ اس قصر کا بانی ایک شخص سنداد تھا اس لیے اس قصر کو قصر سنداد بھی کہاجاتا تھا اور اس نہر کو بھی سنداد کہتے تھے۔یاقوت نے حمزہ اصفہانی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ ایک فارسی مرزبان (عالم) تھا۔مگر اس کا زمانہ نہیں معلوم لیکن سندآد کا نام "آد" (طاقت ور، توانا) اور "سند" کا مجموعہ ہے۔سنداد کے معنی ہیں "سند کی توانائی"۔اس کے پاس ہی ایک قدیم،مگر اب نابود بستی تھی۔سندان،جس کے معنی ہیں "سندھیوں کی بستی" کسی زمانہ میں سندھیوں کی ایک جماعت اس دیار میں جابسی تھی۔یہ سندھی اگر سوویرا کی نسل سے ہوں تو عجب نہیں۔

ہند اور سند کے متعلق عربوں کی روایتیں تھیں۔وہب بن منبہ نے ہندوسند کو "کوش بن حام" کے بیٹے بتایا ہے، لیکن ابن جریر نے پوری سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ "عرب اور فارس اور نبط اور ہند اور سند بیٹے تھے سام بن نوح کے"۔اس قول کے راوی محمد بن السائب الکلبی کا اپنا قول ہے کہ "ہندوسند" بیٹے

تھے نوقین بن یقطن بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح کے ۔ ابن اثیر کی ''تاریخ الکامل'' میں نوقین کی بجائے توقیر چھپا ہے ۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ''ہندوسند دو بھائی تھے ۔ توقیر بن یقطن بن حام بن نوح کے'' ۔ اس میں حام کا نام غلط ہے ۔ طباعت کی غلطی نے سام کو حام بنا دیا ۔ نوقین ، توقیر ، بوقیر اور بعض دیگر کتابوں میں نوفیر اور نفیر ۔ یہ سب دراصل یوفیر کی تصحیفیں ہیں اور یوفیر توراتی سبا بن یقطن کے بھائی اوفیر بن یقطن کے نام کی عربی صورت ہے ۔ عربوں کی ایک جماعت قدمائے ہندوسند کو جنوبی عرب کے ہم جنس و ہم نسب خیال کرتی تھی ۔

ایک قصاص شاعر ایک تبع کی زبان سے کہتا ہے!

لنا الهند والسند والاريسون واهل الشروق واهل الغرب

(ہند بھی ہمارا تھا سند بھی ہمارا تھا ، اریسون بھی ہمارے تھے ، مشرق والے بھی ہمارے تھے ، مغرب والے بھی ہمارے تھے) ''اریسون'' کی بابت میں نہیں جانتا کہ شاعر کی مراد کیا ہے ۔ حضرت رسول خدا ﷺ نے رومی بادشاہ ہرقل کو لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی تھا کہ اگر تو نے حق کو نہ مانا تو علیک اثم الاریسیین ۔ اریسیوں کا گناہ تجھ پر ہوگا'' ۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ارض روم یعنی ایشیائے کوچک وغیرہ کا نام اریسون تھا ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ''اری سوم'' کی بدلی ہوئی صورت ہو جو کہ ۲۰۴۹ ق م میں اشور پر حکومت کرتا تھا ۔

اب ایک ذرا ٹھہر کر خلاصۂ بحث سن لیجیے ۔

(۱) آپ نے سطور زیر نظر میں میٔون یا گندھروا ، میینا ، موئن جو دڑو ، یون ، اسُر ، شم برا ، ماروت ، اوسی ، ناراوشیبی سے ملاقات کی ، جو عربی اقوام معون ، معین ، جدور معونیم ، یون ، اشوم شمر ، ماروت ، اوس اور سبا کے ہم نام ہیں ۔ عربوں کا دعویٰ آپ نے پڑھ لیا کہ ہند اور سند عربوں کے ہم نسب تھے ۔ آپ نے یہ بھی پڑھ لیا کہ عربوں کے خیال میں سبا نے ہند کو فتح کیا تھا ۔ بلوچستان میں سبائی قسم کی تعمیرات بھی آپ نے دیکھیں ۔ آپ نے یونانی شہادت پڑھی کی اس علاقہ میں ایشیائی ایتھوپین ، عربی طائی اور رحمانائی لوگ بستے تھے ۔ موئن جو دڑو کی غالب آبادی ، جیسا کہ قدیم کھوپڑیوں سے معلوم ہوتا ہے ، وادیٔ نطوف او حل العبید کے مُردوں اور عرب کے زندوں کی ہم جنس تھی ۔ مہابھارت کے زمانہ تک اس دیار میں عربی زبان کے بولے جانے کا ثبوت مل گیا ہے ۔ اب ایک اور بات قابل غور ہے :

ہندوستان میں بحر شامی گروہ کے جو لوگ ملتے ہیں ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ ایک قسم کو (Semetic) بتایا جاتا ہے ۔ سندھ میں اور پنجاب میں اس جنس کے لوگ موجود ہیں ۔ علاوہ بریں اہل سندھ کا اہل عراق سے ارتباط ثابت ہے ، جہاں دو زبانیں بولی جاتی تھیں ۔ ایک زبان کلدانی عربی تھی ، یا کم از کم اس عربی کی اصل ، کسی اور زبان کے بارے میں ، مثلاً دراوڑی یا سنسکرت کے متعلق یقین کے ساتھ کسی معقول دلیل کے

ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ۲۸۰۰ ق م سے ۱۶۰۰ ق م تک کے پنجابی اور سندھی اسے جانتے تھے۔ مگر عراق کے سومیری اور سامی کے بارے میں پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سندھی لوگوں کا ایک طبقہ ان میں سے کم از کم ایک سے ضرور واقف تھا۔ سندھی رسم الخط نے دیارِ عرب میں سفر کیا۔ ایک عربی رسم خط کا نام مسند ہے۔ اس نام کا ترجمہ ''سندھی'' ہو سکتا ہے۔ اگر ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے سندھی مہروں پر ہاتھی، کتے، بیل اور چیتے کی تصویریں دیکھیں حروف مسند میں ان چیزوں کے عربی نام مکتوب ہیں اور اس کی قرأت کو ''یورپ کے بے لاگ اہل تحقیق'' کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں بتاتے کہ قاری نے غلطی کیا کی ہے۔ بس حسب ذیل دلائل سے اسے رد کر دیتے ہیں کہ (۱) صاحب مضمون ہم جیسا عالم نہ ہو گا۔ (۲) زبان تحریر کے عربی ہونے کا ہم اہل علم کو یقین نہیں ہے۔ (۳) اِدھر اُدھر سے حروف جمع کر کے پُرانے نوشتے نہیں پڑھے جاتے۔ اس لیے صاحب مضمون کی تجویز کو کوئی سائنٹیفک قیمت نہیں دی جا سکتی۔

چند معقول مطالبے

ان تین دانشمندوں میں سے ایک خاتون ہیں۔ ان کو اس زبان کا عربی ہونا تسلیم ہے کہ مہروں کو عربی میں پڑھنا جائز ہے۔ لیکن انھوں نے چند معقول اعتراض کیے ہیں:۔

۱) بے شبہ بعض سبائی نقوش جیسے ہیں، مگر سب تو نہیں۔

۲) مضمون نگار نے جنوبی اور شمالی عربی کا فرق نہیں رکھا۔

۳) مضمون نگار کو چاہیے کہ دوسری شرقی زبان کو آزما کر دیکھے۔

تیسرا مطالبہ بجا ہے۔ عربی زبان بہت وسیع زبان ہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ایک بار سیٹھ یعقوب حسن مرحوم (مدراس) نے چند مہریں مجھے دکھائی تھیں جن میں سے ایک پر بیل کی تصویر تھی اور اس پر [illegible] مکتوب تھا۔ میں نے کہا یہ ''عین'' لکھا ہوا ہے۔ اس پر انھوں نے ایک لطیفہ سنایا کہ ایک فارسی نوشتہ ملا۔ ''وزیرک بمرد'' یعنی ''چھوٹا وزیر مر گیا''۔ ایک عربی داں نے کہا اسے ''وزیرک تمرد'' پڑھنا چاہیے جس کا مطلب ہے ''تیرا وزیر باغی ہو گیا!''۔ اس لیے میں نے خود اس بات کی کوشش کی ہے کہ چند ابجدی مہروں کو عربی کے علاوہ دیگر زبان میں پڑھنے کی کوشش کروں۔ اول تو اس میں دشواری محسوس ہوئی۔ پھر مجھے پورا یقین ہو گیا کہ یہ زبان عربی کے سوا کسی اور زبان میں پڑھی ہی نہیں جا سکتی۔ اس لیے میں نے اس مشورہ کی تعمیل چھوڑ دی۔ لیکن اوروں کو ضرور مشورہ دوں گا کہ وہ دوسری شرقی زبان کو بھی آزما کر دیکھیں۔ مگر ساتھ ہی میں یہ پیش گوئی بھی کروں گا کہ محنت برباد جائے گی۔ کیوں کہ تحریر اور تصویر کو ہم رشتہ ماننے کی صورت میں صرف عربی یا اس کی ہم نسل کسی اور زبان ہی کی مدد سے یہ

مہریں پڑھی جا سکتی ہیں۔ البتہ مکتوب کو اسمائے اشخاص قرار دینے کی صورت میں کسی قوم کے افراد کے نام فرض کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً میکے کی مہر نمبر ۱۵۶ کو لیجیے:

کو ک، ش، ن، فرض کر لیجیے تو اسے آپ کشن پڑھ سکتے ہیں مگر ان آوازوں کو ہر مہر پر برقرار رکھتے ہیں تو ایسے نام تصنیف کرسکنے سے آپ قاصر ہوں گے۔ لیکن اسے ھنڈ پڑھ کر ترجمہ کیجیے۔ ھ (عربی حرف تعریف) فد، عربی فدان (ہل جوتنے والے بیل کی جوڑی) کا مجرد ھند (the bull) اور نقوش کی ان آوازوں کو ہر مہر پر برقرار رکھ کر غور کیجیے۔ ہر مہر کو آپ عربی میں پڑھ سکیں گے اور تحریر تصویر سے واسطہ بھی رکھے گی، بشرطیکہ آپ یوں پڑھیں:
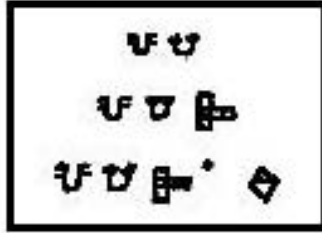
اس کا مطلب آپ کو تیسری مہر بتائے گی۔ ان میں سے ہر لفظ کا مطلب زبان تحریر جانے بغیر ہم مہروں کا مقابلہ کر کے مشخص کر سکتے ہیں۔ مطلب کے مشخص ہو جانے کے بعد اشباہ و نظائر کی مدد سے تلفظ بھی جانا جا سکتا ہے۔ اس طریقہ سے (۱۵۰۰) مہریں میں نے پڑھ لی ہیں۔

لیکن میں اپنی اس قرأت کو بآسانی پیش نہیں کر سکتا کیونکہ مہروں کو حاصل کر کے اس طرح پیش کرنے کے لیے کافی مالی مصارف درکار ہیں جو میرے امکان سے باہر ہیں۔ البتہ گاہ بہ گاہ چند نمونے اپنی قرأت کے پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ کوئی پرچہ مستقل طور پر صحت کے ساتھ اور مہروں کا مقابلہ کر کے شائع کرنے پر تیار ہو۔ اس طریقہ سے پڑھنے کے بعد زبان خود بخود متعین ہو جاتی ہے۔ اس لیے کسی اور زبان میں محنت کرنا بے سود محض ہے۔

دوسرا مطالبہ بھی بجا نہیں ہے۔ جب سندھی مہر نویسوں کو میں عربی ثابت کرتا ہوں تو عربی نوشتوں اور عرب کی عہد بہ عہد اور جا بجا بدلتی ہوئی زبانوں کا فرق دکھانا ضروری ہے۔ لیکن اس کے لیے اصل نوشتوں اور ان کے قارئین کے خیالات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

خود سندھ، پنجاب اور بلوچستان کے انکشافات سے متعلق جو لٹریچر شائع ہوا ہے وہی میرے سامنے نہیں۔ عربی نوشتوں کو حاصل کرنا دشوار ہے۔ اپنے دماغی کتب خانے کا حوالہ دینے سے تو رہا! اس لیے اس معقول مطالبہ کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے میرا جواب یہ ہے:

إنّ الله لا يكلف نفساً الا وسعها — اللہ کسی کو اس کی سکت سے زیادہ مجبور نہیں کرتا۔

پہلی بات کا جواب دینے کے لیے اپنے پورے تختۂ نقوش کو پیش کروں گا۔ ۵۰۰۰ ہزار سے زیادہ

نقوش ہیں جن کو اب تک "۱۴۸" صلوں میں تحلیل کر سکا ہوں ۔ لیکن خیال ہے کہ چند مہریں اور مل جائیں تو تعداد اور گھٹائی جا سکتی ہے، جو غیر سبائی نقوش ہیں ان کا رشتہ بھی سبائی نقوش سے میرا تخمینہ نقوش جوڑ دے گا۔

چند غلط مفروضے:

اہل علم کے بڑے گروہ نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ (۱) سندھی رسم الخط میں عہد بہ عہد ارتقا نظر نہیں آتا ۔ (۲) رسم الخط ایک مرحلہ کا پایا جاتا ہے (۳) کسی نوشتہ کا ابجدی ہونا غیر ممکن ہے (۴) مہروں پر جو نوشتے ہیں ان کا اپنے ساتھ کے منظروں سے کوئی تعلق نہیں ۔ (۵) حروف و نقوش میں کسی معلوم و قدیم رسم الخط سے ان کا ناتا نہیں ہے۔

یہ تمام مفروضے محض غلط اور چشم نظر کے عدم استعمال یا دانستہ تکذیب پر مبنی ہیں ۔ سندھی نوشتوں کو ان ہی غلط مفروضات نے معما اور نا قابل حل بنا دیا ہے ۔ ان مفروضات کے سونے پر سہاگہ یہ کہ تمام بحاثوں نے سندھ اور عراق کے باہمی تعلقات کے باوجود عربی کا تلفظ دے کر عراق کی سامی زبان اور رقوم اور عربی رسم الخط کے ذکر تک سے گریز کیا ہے۔ گیارہ عالموں نے مل کر "ویدک ایج" کتاب لکھی ان کے سامنے ایک مہر تھی جس پر بیل کی تصویر ہے اور اس پر مکتوب ہے — کو "لا" فرض کرنا ہرگز ممکن نہ تھا۔ کو مارشل نے سبائی ح بتا کر گھ پڑھنے کی رائے دی ہے۔ کو فرض کیا جا سکتا ہے مچھلی کی صورت ہے جسے عرب نون کہتے ہیں۔ کو آ سانی سے ضمہ خیال کیا جا سکتا ہے مگر یہ علامت تذکیر ہے۔

اس نوشتہ کو آسانی سے نطحو پڑھا جا سکتا ہے. نطح بہ معنی سینگ مارنا، ناطح سینگ مارنے والے جانور کو کہتے ہیں ۔ ایسی ہی قرأتوں کو نا ممکن بنانے کے لیے مذکورہ مفروضات وضع کیے گئے ہیں ۔ اس لیے سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ نوشتوں کو ابجدی اور تحریر و تصویر کو ہم رشتہ ہونے کے امکان سے انکار کیا گیا ۔ میرا حسن ظن کہیے یا بدظنی، ضرور کسی نہ کسی نے "مین کن" کا ترجمہ "عین ۔ نون" کیا ہوگا ۔ جس کی تردید کے لیے یہ سب مفروضات وضع کیے گئے ہیں۔

ایک مصور کہانی:

ہم کو رائے دی گئی ہے کہ "سومیر" میں سندھی مہریں ملی ہیں، امید ہے کہ آثار کنندوں کے پھاوڑے کوئی نہ کوئی دو لغوی نوشتہ بھی برآمد کر دیں گے ۔ یہی نوشتہ سندھی رسم الخط کو حل کرنے میں مدد دے گا ۔ جب تک یہ دو لغوی تحریر نہ مل جائے کسی زبان میں بھی سندھی مہروں کو پڑھنا محض علمی ذوق کا مظاہرہ ہوگا، قرأت تسلیم نہ کی

جائے گی۔ جب تک وہ نوشتہ نہیں مل جاتا، سندھی تمدن کو ویدک رشیوں کی ساخت پرداخت باور کرنا چاہیے، کیوں کر سندھی تہذیب ویدی تہذیب اور غیر ویدی تہذیب کا آمیزہ ہے۔ سندھی تہذیب میں ویدی تہذیب کا ثبوت یہ ہے کہ شیوا کا ذکر وید میں بھی ہے اور سندھ والے شوا کے پرستار تھے۔ شو پرستی کا ثبوت تین مہروں کی تشریح کر کے دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مہر میکے (نمبر ۲۳۵) ہے، ان کی تشریح سے ابتداء میں چند دنوں تک میں بھی متاثر تھا۔ چناں چہ اس تاثر کو اپنے سابق متعلقہ موضوع مضمون میں ظاہر بھی کیا ہے۔ ایک اور مہر کے ذریعہ اہل سندھ کو پیپل کے پرستار ظاہر کیا گیا ہے۔ اس مہر پر جو منظر ہے اور اس کے اجزاء دوسری مہروں پر بھی ہیں۔ جب ان مہروں کو سامنے رکھ کر غور کیا تو ماننا پڑا کہ

سمجھے تھے جسے کمال دانش کا فریب خام پایا

ذیل میں ہم ان مہروں کو ترتیب خاص سے پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ مارشل XII نمبر ۱۴	دو شاخوں کی محراب میں ایک بے تاج مرد برہنہ۔ مہر بے تحریر۔
۲۔ مارشل XII نمبر ۳	دو شاخوں کی محراب میں ایک تاجدار مرد برہنہ۔ مہر بے تحریر۔
۳۔ مادھو نمبر ۳۰۷	ایسی ∩ محراب۔ ایک مرد برہنہ۔ ترشول Ш بر سر۔ دوسری جانب ایک تحریر ہے۔
۴۔ مادھو نمبر ۳۱۸	منظر مثل نمبر ۳ پر ایک تحریر۔ ان دونوں تحریروں کو تختۂ نقوش تیار کرنے پر پڑھا جاسکتا ہے۔
۵۔ مادھو نمبر ۳۱۶	منظر نمبر ۳، نمبر ۴ کے سامنے دست بستہ ایک انسانی پیکر۔ اس کے پیچھے یک سنگھا بیل۔
۶۔ مادھو نمبر ۳۱۷	ایک جانب منظر نمبر ۳، اور نمبر ۴ دوسری جانب [علامت] کے گرد ایک تحریر جسے میں نہ پڑھ سکا۔
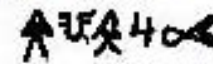
۷۔ میکے LXXXII نمبر ۱ اور نمبر ۲ ایک جانب ایک تحریر جسے پڑھنے کے لیے تختۂ نقوش کا انتظار کیجیے۔ پھر ایک جانور بائیں طرف رخ کیے ہوئے، سامنے ایک ظرف، ایک جانب ایک ہاتھی۔ بائیں جانب رخ اس کے آگے پھر ایک جانور بائیں طرف رخ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوا۔ پھر ایک درخت، پھر ایک اور جانور۔ تیسری جانب [علامت] پھر ایک سادھو۔ میکے کی مہر نمبر ۲۳۵ کا سا۔ پھر ایک جانور، پھر دو شاخوں کی الٹی محراب میں ترشول بر سر مرد برہنہ۔

۸۔ میکے III نمبر ۸ دائیں طرف رخ کیے ہوئے ایک طرف کو منہ لٹکائے ایک جانور، پھر ایک درخت کے

تلے گڑوں بیٹھا ہوا، میکے نمبر ۲۳۵ اور میکے LXXXII نمبر ۱ اور نمبر ۲ کا سادھو کیا جانور کو یہ شخص کھلا رہا ہے۔ تصویر پر ایک دو نقشی تحریر

جیسی

۹۔ مادھو نمبر ۲۵۱ سات اشخاص سر پر کلغی دار عمامے، جن کے شملے کمر تک لہراتے ہوئے، گلے میں گھٹنوں تک دراز، جس کے نیچے سطر دوم

۱۰۔ مارشل XII نمبر ۱۹ دو شاخوں کی سیدھی محراب میں ایسا تاج پہنے ہوئے ایک مرد برہنہ۔ اس کے سامنے نیم رکوع یا سجدہ کی حالت میں ایک انسانی پیکر اور ایک جانور۔ نیچے نمبر ۹ کا منظر

۱۱۔ مارشل XII نمبر ۸ اور میکے نمبر ۴۳۰ منظر مثل نمبر ۱۰ مگر محراب الٹی اور اک سنگھا بیل بے سینگ، اس سے پیپل کی پرستش ثابت کی گئی ہے تحریر یہ ہے

۱۲۔ مارشل XII نمبر ۲۲ دو شاخوں کی الٹی محراب میں نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ کا پیکر۔ اس کے سامنے ایک سر بریدہ بیل۔ اس کے پیچھے ایک انسانی پیکر مردہ پڑا ہوا۔ پھر قربان گاہ پر بیل کا سر۔ مہر بے تحریر۔

۱۳۔ مارشل XVI نمبر ۳ ایک میں اوپر ایک میں پیچھے نمبر ۹ کا منظر مگر اشخاص صرف ۶ ہیں محراب کے اندر

۱۴۔ مارشل XVIII نمبر ۱۰ تا نمبر ۱۲ کے مرد کی بجائے ایک شمع، سامنے اک سنگھا بیل، اس کے پیچھے ہاتھ میں چھری لیے ہوئے قربانی کے لیے مستعد۔ مہریں بے تحریر اس قسم کی باتحریر مہریں اور ملتی جائیں۔ ان تمام مہروں کو سامنے رکھنے کے بعد ایک شخص بآسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ قصہ قربانی کا ہے۔ پیپل پوجنے سے اس کا واسطہ ہی نہیں۔

اشخاص آٹھ تھے نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ کے وقت ایک قربانی کرتا تھا اور سات منتظر دیکھتے تھے۔ نمبر ۱۲ کے وقت ان میں سے ایک کو کسی نے مار ڈالا اور سات آدمی رہ گئے، اس لیے نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ میں ایک قربانی کر رہا ہے، سات کے بجائے اب چھ منتظر دیکھتے ہیں۔

نمبر ۷، نمبر ۱۱، نمبر ۱۲ میں محراب الٹی ہے باقی مہروں میں محراب سیدھی کا مطلب تھوڑے سے معلوم کیجیے۔ میکے نمبر ۲۳۵ مہر نمبر ۷ مہر نمبر ۸ اور نمبر ۱۱ کا شخص محراب میں نظر آنے والی ہستی کا مغضوب ہے، اس نے غالباً نمبر ۲ والے صاحب قربانی کو قتل کر دیا ہے، عین قربانی کے وقت نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ میں اس صاحب محراب کی جگہ شمع نے لے رکھی ہے۔ صاحب محراب اپنا جلوہ نہیں دکھاتا، اس لیے اس کی جگہ شمع کو دے دی گئی ہے۔

درخت جس کی شاخوں سے محراب بنی ہے وہ درخت پیپل کا نہیں ہے۔ زیتون کا درخت ہوگا۔ نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ کی دو شاخوں اور شمع کا مطلب بھی سمجھیے۔ سفر زکریا میں حضرت زکریا کا خواب پڑھیے۔ شمع یا چراغ دان کو

زیتون کی دو شاخیں روغن پہنچاتی ہیں اور مراد ان سے خدا کے دو مسیح ہیں۔ چونکہ نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ میں ترشول بسر مرد برہنہ کی جگہ شمع نے لے رکھی ہے۔ اس لیے ترشول بسر مرد برہنہ کو معبود کا نمائندہ یعنی ایک کاہن یا خود دیوتا خیال کیا جاسکتا ہے۔ آٹھ بھائیوں میں سے دو نے یکے بعد دیگرے دیوتا کے حضور قربانی پیش کی، دیوتا ایک کے سامنے جلوہ دکھاتا تو محراب سیدھی رہتی، دوسرے کے سامنے آتا تو محراب الٹ جاتی تھی، یہ دیوتا کی ناراضی کی علامت تھی، ان میں سے ایک بھائی نے دوسرے کو قتل کر دیا، اب دیوتا نے جلوہ دکھانا بند کر دیا۔

زبان تحریر:

3(۔ یہ دونوں نقوش سبائی رسم الخط کے حروف ش، ر، س ۔ شارالرابتہ دامتھا کی روشنی میں اس کا مطلب سمجھیے: ''جانور کو سدھلیا''

یہ عجیب بات ہے کہ ''مادھوسروپ'' کے تحت میں نمبر ۱۹ کا نوشتہ نہیں ۔ ''گڈ'' نے نقش نمبر ۲۸۹ اور دوسرے نقوش کے تحت اس نوشتہ کو نقل کیا ہے تختہ مادھو میں نمبر ۲۸۹ کی جگہ چلیپا ہے۔

دوسری سطر دونوں میں صاف ہے ۔ گڈ کے سامنے جو مہر تھی اس کی پہلی سطر صاف نہ تھی ۔ اسے انھوں نے یوں نقل کیا ہے:

	مادھو نمبر ۲۵۱ صاف ہے:
ای ش	ب ب ب ل
ایش	بابل (ایس=عبرانی میں انسان)
. مردان	بابل

ھائے ہوز، حرف تعریف بہ معنی the ۔ معلوم ہوا کہ سندھی حروف والفاظ میں ایک بابلی قصہ مکتوب ہے ۔ اب نمبر ۱۱ کے نوشتے کو پڑھئے:

= صرف ایک او رمہر پر ۔ قیاسا میں نے ق پڑھا ہے ۔ اگر اور مہریں مل جائیں تو ممکن ہے تختۂ نقوش آواز بدل دے۔

سامی		
ن	قن نول = نوال قین =	
رومن حرف ل		

بلوچی زبان:

بلوچستان میں جو ظروف ملے ہیں ان میں سے بعض پر تحریریں ہیں۔اس کا علم اسٹوارٹ پگاٹ کے نقل کردہ چند ظروف کے عکس سے ہوا۔اس کی زبان کے بھی عربی ہونے کا اندازہ ہے لیکن ان پر میں کوئی رائے زنی نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ بلوچستان کے ظروف کے نقوش مجھے مزید درکار ہیں، جن کو حاصل کرنا میرے لیے نا ممکن ہے۔

اہل پاکستان سے:

ایک متقش پہاڑ کھودتا ہے، صرف اس لیے کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ پہاڑ کھودنے سے کوئی کام کی چیز مل سکتی ہے یا نہیں۔ شوقِ تفتیش میں صرف ایک انعام چاہتا ہے وہ یہ کہ کچھ نہ کچھ معلوم ہو جائے۔ کم از کم ایک ہندوستانی مشتاقِ علم کو اگر اپنی محنت کا کوئی اجر مل سکتا ہے تو یہی میرے جیسے انسان کے لیے جو اپنی حالت بیان کرنے کی بے غیرتی برداشت نہیں کر سکتا، مناسب نہ تھا کہ اس کام کو اٹھاتا۔ ابتداء میں یہ کام آسان نظر آیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اشیائے زیرِ غور کا حاصل کرنے کے لیے کافی سے زیادہ مالی مشکلات حائل ہیں۔

پنجاب، سندھ، بلوچستان کے بارے میں جس قدر لٹریچر شائع ہوا ہے ان سب کو سامنے رکھنا بڑا ضروری ہے۔ لیکن میں بہ آسانی یہ سامان مہیا نہیں کر سکتا۔ پھر بھی فقیر کی جھولی میں جو موتی آ گئے ہیں، ان کو فیاضی کے ساتھ نذرِ عوام کرنا ضروری ہے۔ اس مسئلہ میں اہل پاکستان سے درخواست ہے کہ ایک مدد وہ میری ضرور فرمائیں جس کے لیے ان کو کوئی رقم صرف نہ کرنی پڑے گی، صرف تھوڑی سی محنت گوارا کرنی ہوگی۔

مجومدار نے "تھرو" کی پہاڑیوں میں کچھ تنگی قبریں دیکھی ہیں۔ ان کے پاس چٹانوں پر "ہڑپا اسکرپٹ" میں کچھ تحریریں بھی ہیں۔ مجھے ان تحریروں کا عکس، یا نقل درکار ہے۔ کوئی صاحب محنت فرما کر اس کو مہیا کر دیں تو ممنون ہوں گا۔ شاید یہی وہ نوشتہ ہے جس کی بابت دعبل خزاعی نے جو عباسیوں کے زمانہ کا شاعر ہے، یوں فرمایا تھا۔

> منازل الحی من غمد ان نالجند　　　　فما رب فظفار الملک فا لنفید
>
> وما لقیر و ان و باب العین قد کتبوا　　　　و باب مروو باب الصغدو الھند

یعنی قوم تبع کی بستیاں تھیں، غمدان، جند، مارب، بادشاہ کا ظفار پھر نفید علاوہ بریں انھوں نے قیروان میں چین کے دروازے، مرو کے پھاٹک پر، سمرقند کے آستان پر اور سندھ میں کتبے لکھے۔ جس بستی میں بھی گئے وہاں انھوں نے نوشتے لکھے، جو مٹ نہیں گئے ہیں، اور نا بود نہیں ہو گئے ہیں۔

نقش سلیمانی

قدیم سندھی خط کی روشنی میں

مولانا ابو الجلال ندوی

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وادیٔ سندھ کا رسم الخط اپنا کوئی وارث چھوڑے بغیر عالم فنا کو سدھار گیا تھا۔ اس خیال کے غلط ہونے کی دلیل "نقش سلیمانی" بھی ہے۔ سات نقوش کی ایک تحریر کی بابت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ایک اسم الٰہی اور ایک مقدس جز ہے اور اشخاص و اشیاء کو ہر بلا سے محفوظ رکھنے والا نقش ہے اس کو نہ معلوم کیوں "نقش سلیمانی" کا نام دیا گیا ہے۔

۱۹۴۹ یا ۱۹۵۰ میں علی گڑھ کالج کی زیارت نصیب ہوئی مولانا عبد العزیز میمن کی بدولت کتب خانہ علی گڑھ کے بعض نوادر بھی دیکھا ایک قلمی نسخہ قاموس کے سرورق پر حسب ذیل نقوش بھی نظر آئے:
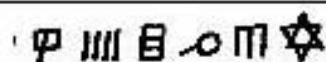
نقش سلیمانی اسی کا نام ہے اس کے پہلے نقش کے ماسوا باقی چھٹوں نقوش سندھی مہروں پر آپ کو ملیں گے۔ شاید کسی مہر پر پہلا نقش بھی مل جائے یہ نقوش اصحاب حرز و عزائم کے نزدیک جو مطلب یا آواز ادا کرتے ہوں ضروری نہیں کہ سندھی مہروں پر بھی وہی مطلب یا آواز ادا کرتے ہوں لیکن ان نقوش کا سندھی مہروں پر ہو بہو ملنا ایک ایسی بات ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

چوں کہ یہ نقوش سندھی قدیم کے نقوش ہیں اس لیے علی گڑھ سے مدراس لوٹنے کے بعد مجھے دعا تعویذ کی کتابوں کی تلاش ہوئی تا کہ ان نقوش کے معانی یا تلفظ معلوم کر سکوں۔ ایک دوست نے "مجربات الشیخ" احمد الدیرابی مطبوعہ مصر ۱۹۲۷ عطا کی۔ جناب غلام محمود صاحب بن رحمۃ اللہ (جام بازار، مدراس) نے شیخ شہاب احمد بن عبد اللطیف الشرجی الحنفی کی کتاب "الفوائد والصّلات والعوائد" مخطوطہ ۱۲۵۰ھ عطا فرمائی۔ دیربی اور شرجی دونوں بزرگوں سے میں ناواقف ہوں اور ان کی بابت تحقیق بھی ضروری نہیں خیال کی۔ دیربی نے اس نقش کو اشکال سبعہ کا مجموعہ بتایا ہے لیکن ناسخ نے ساتویں نقش کو چھوڑ دیا ہے اور اس کو یوں نقل کیا ہے:

اس کے بارے میں چند اشعار نقل کیے ہیں جن کو امیر المومنین حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی طرف سے منسوب کیا ہے لیکن اشعار کی زبان اسے کسی ایسے ہندی نژاد علیؓ بن ابی طالب کے اشعار بتاتی ہے

جو عربی سے کافی آشنا نہ تھا۔ وہ اشعار حسب ذیل ہیں:

ثلث عصی صفت بعد خاتم　　علی راسہا مثل السنان المقوم

خاتم کے بعد تین چھڑ، ان پر سیدھے کیے ہوئے، نیزہ جیسا نقش

ومیم طمیس ابتر ثم سلم　　الی کل ماموول ولیس بسلم

اور مٹی ہوئی دُم بریدہ میم پھر ایک سیڑھی ہر آرزو تک (پہنچانے والی) مگر سیڑھی نہیں

واربعہ مثلالانامل صففت　　تشیر الی اخیرات من غیر معصم

اور چار انگلیاں ایک قطار میں کلائی کے بغیر نیکیوں کی طرف اشارہ کرنے والی

وھاء شفیق ثم واو مقوس　　کانبوب حجام ولیس بمحجم

اور دو چشمی ھ پھر قوس نماز واؤ　　جیسے حجام کی سینگھی مگر سینگھی نہیں

الشرجی نے ان نقوش کے بارے میں ایک روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

وھذا الاسم وجدتہ علی ھذہ الصورۃ بخط جماعتہ من العلماالمعتبرین نفع اللہ بھم

اور اس اسم کو معتبر عالموں کی ایک جماعت کے خط میں مجھے یوں مکتوب ملا ہے:

✡ ااا م ▯ ااا ◘ ◉

وبعدہ ھذھالا سماء ھذہ الانبیات　　اور ان اسما کے بعد یا شعار ملے ہیں

الشرجی نے بھی مذکورہ بالا اشعار نقل کیے ہیں لیکن **السّنان المقوم** کی جگہ "**السنام المقدم**" لکھا ہے۔ جس کے معنے ہیں اگلی کوہان۔ اگر یہی روایت صحیح ہے تو نقش دوم کو "ااا" ایسا ہونا چاہیے لیکن نقش کو "ااا" یوں نقل کیا ہے۔

واؤ مقوس کی جگہ الشرجی کی روایت میں واو منکس (الٹا واؤ) ہے۔ لیکن اس روایت کے مطابق نقش سابع کو نسخہ قاموس کے مطابق "" "ایسا ہونا چاہیے۔ الشرجی نے ان اشعار پر ایک مزید شعر کا بھی اضافہ کیا ہے:۔

فمن احرف التوراۃ فیھن اربع　　واحرف انجیل عیسی ابن مریم

ان میں چار حروف توراۃ وانجیل کے حروف ہیں

توراۃ اور انجیل کی زبان اور رسم خط کو عبرانی خیال کیا جاتا ہے ان نقوش ✡، ااا اور اااا کا عبرانی رسم خط سے کوئی علاقہ نہیں۔ میم کی معروف صورت ایسی ◘ ہوتی ہے۔ دم کٹی میم کی صورت O ہونی چاہیے اور یہ مُجری عبرانی کا، جس کو عَیْن کہا جاتا ہے، حرف عین ہے۔

سُلم کی شکلیں ایسی ▪، ▪ اور ▪ ایسی ہو سکتی ہیں اور یہ حجری عبرانی میں حرف ح کے رموز ہیں نقش صحیح صورت ▪ ایسی ہونی چاہیے مع ترجیح آگے بیان کی گئی ہے۔

ھا شقیق کی صورت ▪ حرف قاف کی قدیمی شکل ▪ سے ملتی ہے واؤ منکس کی شکل کو قرطاسی عبرانی کے حرف ▪ سے مشابہت ہے جو طائے حطی کا رمز ہے۔ ان تشریحات کے بعد نقش سلیمانی کی ٹھیک صورت یوں ہوئی:

▪ ▪ ▪ ▪ ▪ ▪ ▪

الدیربی نے ان نقوش کی بابت جو اشعار نقل کیے ہیں ان میں یہ بھی ہیں کہ:

فهذا هو الاسم المعظم قدره	فان كنت لم تعلمه فاعلم
یہ بڑی قدر ومنزلت والا اسم ہے	تجھے نہیں معلوم تو اب معلوم کر لے
فيا حامل الاسم العظيم به اكتف	لتنج من الافات المكارة ت سلم
(اے اسم اعظم کے حامل اس پر اکتفا کر	تا کہ تو ہر آفت سے مامون رہے)

الشرجی کی روایت کے مطابق شاعر نے کہا ہے کہ:

فيا حامل الاسم الذى جل قدره	توق به كل المكارة ت سلم

تو اے اسم اعظم کے حامل اس کے ذریعہ ہر مکروہ سے بچ تو سلامت رہے گا

فذالک اسم الله جل جلاله	الى كل مخلوق فصيح واعجم
کیونکہ یہ خدا کا اسم اعظم ہے	فصیح اور غیر فصیح ہر شخص کے واسطے

شاعر کے نزدیک یہ سات نقوش خدا کا اسم اعظم ہیں اور ہر چیز اور ہر شخص کو یہ اسم اعظم ہر بلا سے محفوظ رکھتا ہے اسی تصور کی بنا پر اس کو تعویذ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

الدیربی کے بیان کے مطابق اہل علم نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ خدا نے فرمایا:۔

۱۔ میں ہوں اللہ جو واحد ہے، بادشاہ ہے زندہ ہے۔

۲۔ میں ہوں اللہ جس کی تسبیح سائے اور پرچھائیں کرتی ہیں۔

۳۔ میں ہوں اللہ جو صانع ہے اور تھکتا نہیں۔

۴۔ میں ہوں اللہ، جس کی مثیل کوئی شے نہیں۔

۵۔ میں ہوں اللہ، سننے والا، دیکھنے والا، ہر جاندار کا خالق۔

معلوم نہیں کہ یہ مطلب ان سات نقوش کا کیسے ہو گیا کہ اہل علم نے کس دلیل سے یہ مطلب سمجھ لیا۔الشرجی نے اس نقش کی بابت حسب ذیل روایت نقل کی ہے:۔کہ

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک شخص تھا جس کو ابو مذکر کہا جاتا تھا یہ شخص بچھو کا زہر جھاڑتا تھا اور خدا کے حکم سے بہتوں کو فائدہ بھی ہوتا تھا،حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا ابو مذکر اپنا منتر تو سناؤ،تو انھوں نے سنایا:۔

شجہ فرئیہ ملحہ بحر قفطا

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں یہ تو چند عہد ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے لیے تھے۔

یہ روایت قطعاً نا قابل تسلیم ہے۔منتر کی صورت تحریر پر نقطوں کی بدنظمی سے نا قابل فہم ہے لیکن ان پر نقطے لگا کر جن بامعنی عبارتوں کی شکل میں پڑھا جاسکتا ہے ان میں سے کوئی عبارت اس بات کی تصدیق نہیں کرسکتی کہ یہ چند باتوں کہ عہد ہیں جو حضرت نوحؑ نے اپنے ماننے والوں سے لیے تھے اس روایت کے بعد اشرجی نے لکھا ہے کہ:

علماء کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ خود حضرت رسول خدا ﷺ نعوذ باللہ منتر پھونکتے تھے۔

ان علماء میں سے ایک الشیخ شمس الجزری ہیں ،انہوں نے طبرانی کی معجم اوسط کے حوالے سے یہ بات اپنی کتاب عدۃ الحصنالحصین مین لکھی ہے **بعض علماء** کہتے ہیں کہ اس اسم پر تین بار(**سلام علی نوح فی العلمین**) کا اضافہ کرنا چاہیے۔

اس کے بعد الشرجی نے ذکر کیا ہے کہ میں اس اسم کو کئی عالموں کی تحریر میں یوں مکتوب دیکھا ہے الخ یہ روایت اگر چہ بحثیت حدیث مرفوع مستو جب دوا نکار ہے،مگر اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس تحریر کو کبھی یوں بھی پڑھا گیا تھا:

6 ꟼ ШI ⊟ ᴑ ℿ ✡
شجہ فرئینہ ملحہ بحر قفطا

نقش پنجم کی قرأت بحر صاف ہے اس کو ꟿ کی بدلی صورت خیال کیا جاتا ہے لہروں کی بدلی ہوئی شکل بحر(سمندر یا دریا) پڑھنا بے جا نہیں۔ ꟼ یعنی قاف ہے۔ 𐊨 کو عبرانی ⌂ سے مشابہت ہے اس لیے چھٹے اور ساتویں نقش کو قفط یا قفطا پڑھنا جائز ہے فقط ارض مصر یا ارض مصر کے خاص مقام coptos کا نام ہے۔بحر قفط سے دریائے مصر یعنی نیل یا بحر متوسط مراد ہوسکتا ہے۔

نقش اول ✿ ستارہ کی شکل ہے۔ستاروں کی بابت قرآن میں ہے۔ **کل فی فلک یسبحون** ہرایک اپنے اپنے مدار پر تیرتا ہے ستاروں کی شکل کو **سبحة یا سبحت** پڑھنا خلاف قیاس نہیں۔

پانچ لفظوں کی اس عبارت کے تین لفظ معلوم ہوگئے اس لیے باقی دو لفظوں کو ان کے مطابق ہونا چاہیے۔

کو لہروں پر کشتی کی صورت سے ماخوذ قرار دیا جاسکتا ہے اس کا مطلب کشتی ہوسکتا ہے۔ قارب جس کی جمع قوارب ہے اس چھوٹی ناؤ کو کہتے ہیں جو بڑے جہازوں پر اس لیے ہوتی ہے کہ جب جہاز بندر گاہ تک سمندر کے اوتھلے ہونے کی وجہ سے نہ جاسکے تو مسافر اس کشتی کے ذریعے ساحل تک یا ساحل سے جہاز تک جاسکے ہوسکتا ہے کہ کبھی **قریبة** بھی قارب کا مترادف رہا ہو۔

O چوں کہ حرف عین ہے، اس لیے کلمہ کی بجائے **علجة (عن لجه)** پڑھنا چاہیے پر کو ہم نے اس لیے ترجیح دی ہے کہ کو **لجه** نہیں پڑھا جاسکتا۔ کو چوکھٹے میں لہروں کی شکل کا بدل قرار دیا جاسکتا ہے۔چوکھٹے میں لہروں کی صورت میں مصری رسم الخط میں سمندر، جھیل اور بڑے تالاب کا رمز ہے، **لجه** دریا یا سمندر کے اس مقام کو کہتے ہیں جہاں بہت گہرائی اور بہت پانی ہو، اس کا محل کے مطابق ہم منجدھار کرسکتے ہیں۔اس تحریر کو نقش سلیمانی، اسم اعظم، بچھو کا منتر اور نہ کیا کیا باور کرلیا گیا۔لیکن یہ نہ منتر ہے نہ اسم اعظم ہے اور نہ نقش سلیمانی، بلکہ یہ ایک خبر ہے: **سبحت قریة عن لجة بحر قط**: ''پار کرگئی چھوٹی کشتی منجدھار کو بحر مصر کے'' ترجمہ مجربات دیربی مطبوعہ نولکشو ۱۳۲۲ھ میں اس نقش کی بابت حضرت ذوالنون مصری کا قول منقول ہے کہ میں نے اس کو کسی کشتی میں داخل کیا جو وہ غرق ہوئی ہو ص ۱۴۲ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''ذوالنون' مصری نے اس تحریر کو کشتی کے متعلق خیال کیا تھا لیکن دعا تعویذ والوں نے اسے ہر بلا کے رد کا منتر بنادیا اس کی تقدیس کے لیے اس کو ''نقش سلیمانی'' کا لقب دے دیا اور ایک روایت وضع کرکے خود لسان نبوت پر اس منتر کی عظمت رکھ دی۔اس پر ہمارے یورپی اہل علم مسکرائیں گے لیکن۔

ایں گناہیست کہ در شہر شمانیز کنند

سندھی نوشتوں کو جو مہروں پر ملے ہیں سمجھے بغیر بہتوں نے ان کو جنتر منتر فرض کرلیا ہے۔جانوروں کو جن کی تصویروں کے ساتھ تحریریں ہیں، قدمائے سندھ کے دیوتا مان لیا ہے، قیاسوں کے انبار پر انبار جمع کرکے قدمائے سندھ کے عقیدہ، مذہب، رسم، ورواج اور تاریخ گھڑ دی ہیں۔ویدوں نے جن لوگوں کو اَدَیوا (کسی دیوتا کے نہ ماننے والے) بتایا ہے ان کو سہدایو (دیوتاؤں کے پجاری) بتادیا ہے۔ان علمائے مغرب کی خیال بازیوں کو ریسرچ اور رائق باور کرنے والوں کو خبر نہیں کہ کو اسم اعظم، بچھو کا منتر، ہر بلا سے بچانے والا حرز قرار دینے والے ناواقفوں نے وہی کام کیا تھا جو کو پڑھے بغیر ایک منتر اور جس جانور کی

تصویر کے ساتھ یہ تحریر ملی ہے اُسے دیوتا روپ قرار دینے والے مغربی محققوں نے کیا ہے لیکن ان کی خوش بختی ہے ان کے جہل مرکب کو ہم میں سے بہتیرے تحقیق کو مدقیق کی معراج سمجھتے ہیں۔

اس نقش کے اشکال سبع میں چھ شکلیں [illegible] اور [illegible] سندھی مہروں پر ملتی ہیں ضروری نہیں کہ سندھی مہروں پر بھی ان کا وہی مطلب اور وہ ہی تلفظ ہو جو اس قرأت کے مطابق ہے۔ایسا ہو سکتا ہے کہ زمانے کی طوالت نے ان نقوش کے معانی اور تلفظ بدل دیئے ہوں یا منقول بالا قرأت اس طرح محض وہمی اور خیالی افسانہ ہو۔جس طرح ان سات نقوش کو نقش سلیمانی اور ہر بلا سے بچانے والا تعویذ سمجھنا محض وہمی ہے۔ لیکن اس حرز کے نقوش کا ہو بہو سندھی مہروں پر ملنا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سندھی رسم الخط کے نقوش اپنی یادگار چھوڑے بغیر ماضی کے دھندلکوں میں زمین کے سینہ اور بڑی بڑی عمارتوں کے ملبے میں صدیوں تک کے لیے مدفون نہیں ہو گئے تھے بلکہ بہتیرے نقوش اس رسم الخط کے مدتوں رائج رہے،لیکن اپنی اصلی قدر قیمت سے بیگانہ ہو کر ان نقوش کی بیگانگی کے باوجود ان سے سندھی قدیم کے مہم میں مدد مل سکتی ہیں۔

فرض کرو اگر یہی علی گڑھ کے نسخۂ قاموس کا نقش عراق کے کسی مہرے پر ملتا تو یقیناً اس کو ہڑپا یا موئن جوڈرو کا نوشتہ خیال کیا جاتا۔

نقوشِ صحرا

مولانا ابوالجلال ندوی

عرب کے صحرائی:

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ عرب کے صحرائی اسلام سے پیشتر محض صحرائی تھے۔ان میں کسی حد تک بھی شائستگی نہ تھی۔بڑے ''نزبو دھ'' تھے،علوم وفنون تو خیر، لکھنے پڑھنے سے بھی عاجز تھے۔جہاں تک صحرائی علوم کا تعلق ہے،اس پر عربی لغت کا غایر مطالعہ روشنی ڈال سکتا ہے کہ فن تحریر سے عرب کے صحرائی کس قدر شغف رکھتے تھے۔

صحرائے عرب کے خیمہ بر دوشوں کا کسی اور ملک کے خانہ بدوشوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔اس صحرا کے پورب دو آبہ دجلہ وفرات میں نامعلوم زمانے سے،خورس کے زمانے تک سومیریوں، پھر سامیوں نے ایک عالیشان تمدن قائم کر رکھا تھا۔شمال میں فنیقیوں اور دیگر فلسطینی اقوام نے یونان وروما کے برسر عروج آنے تک عالیشان تہذیبیں قائم کر رکھی تھیں۔مغرب میں مصر واقع تھا جس کی قدیم تہذیب کی بابت کافی معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔پاکستان اور بھارت کی قدیم سبھیتا (تہذیب) ابھی حال تک محض داستان امیر حمزہ تھی لیکن وادیٔ سندھ نے اپنا سینہ چیر کر ایک نہایت قدیم اور نہایت قابل فخر شائستگی کی شہادتیں دکھادی ہیں اور ابھی مزید شہادتوں کی توقع کی جا سکتی ہے، کیوں کہ الفت ماٰفیھا وتخلت کا زمانہ ابھی نہیں آیا۔جب زمین اپنے اندر کی چیزیں نکال کر خالی ہو جائے گی،ایک ایسا ملک جو ان ممالک کے درمیان ہو اور جہاں کے باشندے جہاں گردی پر قدرتاً مجبور ہوں وہاں کے لوگ محض بے تمدن صحرائی نہیں ہو سکتے۔ملک عرب میں آثار کاوی کی جائے تو ہماری معلومات میں بڑا اضافہ ہوگا۔ہم اگر عرب کے صحراؤں میں سیر کریں تو شاید آج بھی ان آثار قدیمہ کے سراغ مل جائیں گے جن کی طرف قرآن مجید نے بار بار توجہ دلائی ہے اور یہ آثار ثابت کر دیں گے کہ یہ صحرا کسی زمانے میں ایک ہرا بھرا دیس تھا،پے در پے قدرتی انقلابات نے اس کو ریگزار بنا دیا ہے۔یہ ریگ زار آپ کے سامنے ایسی شہادتیں بھی پیش کر دے گا جو ثابت کر دیں گی کہ ان صحرا زادوں کے اسلاف کو فن تحریر سے اتنا شغف تھا جس کا تصور بھی سردست محال نظر آتا ہے۔

صحرائی خیمے:تحریر سے متعلق عربی الفاظ کو لغت کی کتابوں اور ایام جاہلیت کے اشعار میں تلاش کر کے جمع کیا جائے تو آپ کو حیرت ہوگی کہ بقول فردوسی ''شیر شتر اور سوسمار'' کھانے والے،ریتوں پر چلنے

والے یہ کیڑے، ایک زمانے میں کس قدر شائستہ اور صاحب علم رہے ہوں گے۔ غالباً دنیا کے ہر گوشے میں آپ دیکھیں گے کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے خاک پر بیٹھے طرح طرح کے گھروندے بنایا کرتے ہیں۔ عرب کے بچے بھی ایسا کرتے تھے۔ ریتوں میں گھروں کے خاکے کھینچا کرتے تھے۔ ایسا کھیل کھیلنے والے کو مفائل کہا جاتا تھا۔ ہمارے اپنے دیس کے لڑکے اپنے گھروں جیسے نقش بناتے ہیں۔ عرب کا مفائل اپنے گھروں یا خیموں جیسے نقوش بناتا تھا۔ عرب کے خیمے یا گھر جس طرح کے ہوتے تھے اس کا اندازا ایک عربی شعر سے ہوتا ہے۔ شاعر کا نام یاد نہیں، شعر غالباً ''لسان العرب'' میں دیکھا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

كان منه الارسم الرواسما
كافا و ميمين وسينا طاسما
اس کے خیموں کے نشان گویا ایک کاف دو میم ایک مٹی ہوئی سین تھے

اس شعر سے اندازا ہوتا ہے کہ عرب کا مفائل اپنی ریتوں پر کس طرح کے گھروندے بناتا ہوگا۔ سبائی رسم الخط کے مطابق اس کا گھروندا ایسا [illegible] ہوتا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے خیمے بذات خود ایک طرح کی تحریر ہوتے تھے۔ بنولوط میں سے ایک گروہ کا نام مواب تھا۔ جس کو ''کموس کی قوم'' بھی کہا جاتا تھا۔ (بائبل: عدد ۲۱:۲۹) کیوں کہ اس کے دیوتا کا نام کموس تھا بقول بالا شعر کے مطابق جو تحریر پیش کی گئی ہے اسے کمس پڑھا جا سکتا ہے، ان خیموں والا قبیلہ ہو سکتا ہے آپ جیسی کسی قوم کی نسل سے ہوگا اس لیے اس کے خیمے اس شکل کے ہوتے تھے خیمے کیا تھے خود اس قبیلے یا اس کے قدیم موتوں کے معبود کا نام تھے، ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

وَدِمنَةٍ هَيَّجَتْ شَوقِيَ مَعَالِمُهَا
كَأنَّهَا بِالهِدْمِلاتِ الرَّوَاسِيمُ

اُجڑے پڑاؤ کے نشانوں نے میرے شوق کو ابھارا وہ نشانات گویا ''ھدملات کے رواسیم'' تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عربی صحرا نوردوں کے خیمے ایک طرح کی تحریریں ہوتی تھیں۔ کوفہ اور بصرہ کے پچھم (مغرب) میں جو مستطیل ریگ زار ہے اور جو نفود کو ربع خالی سے ملاتا ہے اس کو یا اس کے ایک حصہ کو ''ھدملات'' کہتے تھے۔ رواسیم جمع ہے روسم کی، روسم اور روشم لکڑی یا دھات کی تختیوں کو کہتے تھے جن پر کچھ تحریریں کندہ ہوتی تھیں۔ ان تختیوں سے ٹھپے کا کام لیا جاتا تھا، یہ روشمیں گویا قدیم زمانہ کے قلم تھے۔ ان سے تحریریں چھاپ کی جاتی تھیں۔ زمانہ قدیم میں یہاں بکثرت ایام قدیم کے ٹھپے پر مہریں، ریتوں میں دبی ملا کرتی تھیں جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے، تلاش کی جائے تو شاید اب بھی قدیم روشمیں ایک دو اور بھی مل جائیں۔

خط زبل: عرب کے باشندے دو طرح کے ہیں اور مدتوں سے دو طرح کی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ ایک جماعت

اہل مدن کی ہے جو کہ جابجا بستیاں بنا کر بستے ہیں۔ یہ گروہ نسبتاً مختصر ہے۔ دوسرا گروہ بیاباں نورد ہے، اپنے اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ لیے یہاں سے وہاں سفر کرتا ہے۔ اسی گروہ کے فرد کا اقبالی نام "اعرابی والا گہر" ہے۔ اہل مدن بھی زیادہ تر تجارت پیشہ تھے، ان کو بھی اہل خیام کی طرح ریگزاروں سے گزرنا ہوتا تھا۔ ان قافلوں نے ایک مخصوص رسم الخط ایجاد کر رکھا تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے رستوں پر ضروری خبریں لکھا کرتے تھے، اس رسم الخط کو خط رمل کہا جاتا تھا۔ رمالوں اور جنتر منتر والوں نے اس رسم الخط کے چند نقوش ہمارے لیے محفوظ بھی کر رکھے ہیں۔ یہ رسم الخط صرف دو نقوش o اور — سے وجود میں آتا ہے۔ o بعد میں چل کر صرف ایک نقطہ بن کے رہ گیا۔ کتب رمل میں ہم کو حسب ذیل نقوش ملتے ہیں:

١	٢	٣	٤	٥	٦	٧	٨	٩	١٠	١١	١٢	١٣	١٤	١٥	١٦
ا	ب	ج	د	ه	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع

ان ہی نقوش سے ف ص ق ر ش ت ث خ ذ ض، ظ اور غ کا بھی محل تحریر کے فرق سے کام لیا جاتا ہے۔ ہم ان نقوش کو سامنے رکھ کر فرض کر سکتے ہیں کہ حسب ذیل نقوش بھی مستعمل رہے ہوں گے:

ریگستانی طرز تحریر کے نقوش محض اتنے ہی نہ ہوں گے بلکہ اور بھی ہوں گے۔ مگر ہم کو ان کا علم نہیں ہے۔ خدا جانے ہمارے زمانے کے اعرابی اس طرز تحریر کو اب بھی استعمال کرتے ہیں یا نہیں۔

سمات اہل: اگر آپ عرب میں سفر کریں، قبائل کے اونٹوں کو دیکھیں تو ان کے گالوں پر، اگلے اور پچھلے پاؤں پر سینوں پر مختلف اعضاء پر طرح طرح کے نشانات دغے ہوئے دیکھیں گے۔ ان کو سمات کہا جاتا ہے۔ عربی صرف کے مطابق "یہ سمۃ" کی جمع ہے جو کہ وسم (داغ) کی بدلی ہوئی صورت ہے لیکن یہ نام عبرانی شموت سے ملتا جلتا ہے جو کہ شم (نام) کی جمع ہے۔ بعض بعض سمات کو دیکھ کر عرب کے لوگ جان جاتے تھے کہ اونٹ کا مالک فلاں قبیلے کا فرد ہے۔ ایک شاعر اپنے اونٹ کی پہچان بتاتا ہے:

کرم" علیها سمة الغواضر	الحلقتان والشعاب الفاجر
اس اونٹنی پر بنی غاضرہ کا نشان ہے۔	دو حلقے اور شعاب

سمۃ شعاب کی صورت انگریزی V جیسی ہوتی تھی۔ اس میں دو حلقے لگا دیئے: V۔ یہ نقش بنو غاضرہ کی سمۃ تھا۔ اس نقش کو دیکھ کر سمجھ لیا جاتا تھا کہ اونٹ کا مالک بنو غاضرہ سے تھا۔

صاحب لسان نے ع ذ ر کے ماتحت لکھا ہے کہ مؤرث کے مرنے کے بعد جب موروثی اونٹ تقسیم

ہوتے تھے تو ایک وارث دوسرے سے کہتا تھا غذ رابلک (اپنے اونٹ میں شناخت بڑھادے) اور یہ دوسرا ایک مزید خط کا اضافہ کر دیتا تھا۔ اس زائد خط کو "عاذور" کہتے تھے۔ فرض کرو غاضرہ ایک مؤرث تھا اس کے اونٹوں پر نشان تھا V اس کے دو بیٹے تھے: اسد اور کلب۔ اسد نے نشان بڑھایا V تو یہ اسد بن غاضرہ کا نام بن گیا۔ دوسرے نے نشان بڑھایا V تو یہ کلب بن غاضرہ بن گیا۔ اس طرح اونٹوں پر مالکوں کا پورا نسب نامہ ہوتا تھا جس کو جاننے والے جانتے تھے۔ ہر قبیلے کا ایک ایک نشان تھا۔ ان نشانوں میں سے چند حسب ذیل ہیں:

ان نقوش کو Bent نے سقوطرہ وغیرہ مقامات کے اونٹوں سے نقل کیا ہے:

ان کو Charies M. Daughty نے شمالی عرب خصوصاً جبل شمر کے اونٹوں پر منقوش دیکھا۔

ان نقوش پر ہم ابراہیم رفعت پاشا کی مراۃ الحرمین سے حسب ذیل نقوش کا اضافہ کر سکتے ہیں:

مسز بنٹ نے اپنے شوہر کے سفرنامہ میں لکھا ہے: "سقوطرہ وغیرہ کے اونٹوں سے ان سمات کو نقل کرتے وقت ایسا جان پڑتا ہے جیسے کہ ایک شخص سبائی ابجد کی مشق کر رہا ہے۔" یہ نقوش جن کو یہاں نقل کیا گیا ہے سب کے سب مغربی ایشیا کی کسی نہ کسی ابجدی نوشتے میں ملیں گے مگر یکجا نہیں بلکہ منتشر طور پر۔

چند سماتی نوشتے:

عربی سمات محض لایعنی نقوش نہیں ہیں، بعض بعض اونٹ تو ایام قدیم کے چلتے پھرتے مواعظ حسنہ کی نوعیت رکھتے ہیں۔ عربی قبائل ان کو مطلب سمجھے بغیر اپنے روایتی نقوش اپنے اونٹوں پر داغتے رہتے ہیں۔ Charles M. Daughty نے جبل شمر یعنی ہمارے "روایتی اجا و سلمیٰ" کے پاس یا بالفاظ دیگر مشہور حاتم طائی کے علاقے میں چار اونٹوں پر حسب ذیل نقوش دیکھے:

۱۔
۲۔
۳۔
۴۔

ان نقوش کو دیکھ کر ہر ایک یہ خیال کر سکتا ہے کہ یہ چاروں نقوش چار عبارتیں ہیں۔ پہلے اور دوسرے نوشتے کی تشریح زیادہ سودمند نہ ہوگی، تیسرے اور چوتھے نوشتے کو سمجھنا ضروری معلوم ہوتا ہے، امید ہے کہ اگر یہ

تحریر کسی پڑھے لکھے عرب تک پہنچ جائے تو اسے اپنے سمات کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ روز بروز اونٹ خصوصاً متسوم اونٹ کم ہوتے جا رہے ہیں ان کے نابود ہونے سے پیشتر اگر سمات نقل کر لیے جائیں تو بہتر ہوگا۔ چونکہ مسز بنٹ نے ٹھیک لکھا ہے کہ سمات اہل نقل کرتے وقت سبائی ابجد مشق کرنے کا گمان ہوتا ہے۔ اس لیے ان نوشتوں کو سبائی رسم خط کی مدد سے پڑھیے:

٩	ا	٪	٪	١	ا	ا	١٩	٧
ی	ر	ع		٩	ی	ا	ھ	ی ط

قرآن پاک میں ہے کہ عزیز مصر کی بی بی نے حضرت یوسف پر ڈورے ڈالنے کی غرض سے کہا تھا: ھیت لک۔ مفسرین اور ائمہ لغت نے اس فقرہ کی تشریح میں عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں۔ یہ فقرہ عبرانی فقرہ ھیتی لک کا عربی روپ ہے۔ اس کے معنی ہیں "میں تیری ہوں" "ھیہ یھی" عبرانی میں وہ مطلب دیتا ہے جو عربی میں کان یکون کا مطلب ہے۔ تو راۃ میں ہے کہ:

ریو مرو الو ھیم لھی او رو یھی اور	خدا نے کہا اجالا ہو، اجالا ہو گیا

عربی اور عبرانی خصوصاً عدنانی عربی اور اسرائیلی عبرانی ہم نسل زبانیں ہیں کبھی عربی میں "ھیہ یھی" کا استعمال ہوتا تھا۔ ھی کے وہی معنی ہیں جس کو ہم اردو میں "ھے" بول کر ادا کرتے ہیں۔

آی "جمع ہے آیۃ کی۔ قرآن میں ہے: "ان فی ذلک لایت لاولی الالباب" یعنی اس میں خردمندوں کے لیے سوچنے کے لائق باتیں ہیں۔ آی کے معنی غور طلب امور۔

۲ کو ہم اقلید، مثلاً ہ، یا مفتاح پڑھ سکتے ہیں۔ یہ ایک تشکیلی لفظ ہے۔

حئ کا لفظ اب متروک ہے لیکن ایک عربی فقرہ معروف ہے: فلان لا یعرف الحی من اللی، یعنی فلاں شخص کو حق و باطل کی تمیز نہیں۔ حی کا مطلب ہے حق، اس سماتی نوشتے کا ترجمہ ہوگا۔
غور طلب امور حق شناسی کی کلیدیں ہیں۔

جس قبیلہ کے اونٹ پر یہ قدیم نصیحت منقوش ہے اس کا موجودہ نام شرارۃ ہے۔ یہ نام تو قوم کو آتش مزاج بتاتا ہے، مگر اس کے مؤرث کی نصیحت یہ تھی کہ انسان کا فرض ہے کہ غور و فکر سے کام لیکر یہ معلوم کرے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے پھر حق کو اپنائے:

ጠ	ዩ	T ll)-(	T lll	ꞁ ጠ
ح ر	عاءۃ	ذا	ءت	خ س
حری	بالآغرۃ		ذلئت	الخس
لائق ہے	ڈانٹے جانے کا		گلے کو دبانے والا	کمزور کے

ان دو سمتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کے اونٹ زمانہ قدیم کی چلتی پھرتی تختیاں ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ہم کو عرب کے اونٹوں پر چلتی پھرتی قدیم تاریخ عرب بھی دستیاب ہو جائے۔

اس موقع پر ایک اہم بات عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عراق میں ایک بادشاہ گزرا ہے، سرجون اکاوی۔ اس کا زمانہ ۲۸ویں صدی قبل مسیح میں تھا۔ ایک میخی نوشتے (Cuniformform Writing) کے مطابق اس نے ۲۷۰۰ ق م کے آس پاس، مات عرب شمسی (سرزمین معرب الشمس) کو جو تھام سیت شمسی (بحر مطلع الشمس) اور تھام عرب شمسی (بحر مغرب الشمس) کے درمیان واقع ہے، یعنی جنوبی عرب کو فتح کیا تھا۔ اس نوشتے کے ایک فقرہ کا ترجمہ یورپ والوں نے یوں کیا کہ "اور اس نے اسے ایک اقتدار کے ماتحت رکھا" لیکن یہ ترجمہ غلط ہے۔ پرانے زمانے والے مولانا روم کے بیان کے مطابق جب حقیقت نہیں سمجھتے تھے تو کہانیاں گھڑ لیتے تھے۔ ہمارے زمانے کے اہل علم خصوصاً مغربی علماء جب بات نہیں سمجھتے تو بات بنا لیا کرتے ہیں۔ وہ فقرہ حسب ذیل ہے:

منہ   اس کا   اوپر   اونٹ کے   اوکن کے

منہ سے مراد منہ کی بات۔ سرجون نے اوکن نام کے مقام یا قبیلہ کے اونٹوں پر اپنے فرامین منقوش کیے تھے۔ اگر ہم عربی اونٹوں کے سمات کو پوری تن دہی او توجہ سے جمع کریں تو ممکن ہے کہ ایام قدیم کے چلتے پھرتے شاہی فرامین اور دستور و آئین بھی مل جائیں۔

قرآن کے مقطعات:

قرآن مجید کی ۲۹ سورتوں کا آغاز چند اسمائے حروف سے ہوتا ہے بعض لوگ ان کو ایسے اسرار و رموز قرار دیتے ہیں جن کے مطالب خدا ہی کو معلوم ہیں۔ لیکن یہ اسمائے حروف بھی، جن کو مقطعات کہا جاتا ہے قرآن کی آیات ہیں۔ اگر یہ نقوش نا قابل فہم ہوتے یا ان کا سمجھنا دشوار ہوتا تو مومن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے مطلب پوچھتے اور کفار قرآن پر مہمل گوئی کا الزام لگاتے۔ لیکن نہ تو کسی مومن نے ان مقطعات کے مطلب پوچھے اور نہ کافروں نے ان پر کوئی اعتراض کیا۔ مقطعات درحقیقت سماتی کتبے ہیں جن کے مطلب اس زمانے کے عرب اسی طرح سمجھتے تھے جس طرح ہم معمولی عربی جملوں کے مطلب سمجھتے ہیں۔ ایک مقطعہ طٰسٓمٓ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس کی توضیح کر دی جائے۔ قبل اس کے ایک آیت کا ترجمہ غور سے پڑھ لیجیے:۔

حامیم عین سین قاف   یوں سے وحی فرماتا ہے تیری طرف نیز ان کی طرف جو تجھ سے پہلے گزرے وہ اللہ جو قابو رکھنے والا حکیم ہے (شوریٰ ۱:۱-۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مقطعات کے ذریعہ بعض حقائق کا الہام دوسرے پیغمبروں پر بھی ہوا ہے۔ اسی سورت کی آخری آیتوں میں خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"اور کسی بھی انسان کا یہ رتبہ نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے مگر (۱) وحی کے طور پر (۲) یا پس پردہ سے (۳) یا کسی فرستادہ کو بھیجے اور وہ (فرستادہ) اس (خدا) کے حکم سے جو بھی اس (خدا) نے چاہا اس (انسان) کو بتادے۔ بیشک وہ بلند مرتبہ ہے حکیم ہے (شوریٰ ۵:۸)

اس سے وحی کے تین طریقے ظاہر ہوئے: پس پردہ سے کلام کی صورت، حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے متعلق آیتوں سے ظاہر ہے۔ موسیٰ نے خدا کو نہیں دیکھا لیکن کلام سنا اور اس سے باتیں کیں۔ فرستادہ بھیجنے کی صورت سورہ علق کی ابتدائی شان نزول سے واضح ہے۔ ایک فرشتہ سامنے آیا اور اس نے قرآن کی آیتیں سنائیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ وہ تیسرا طریقہ کیا ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ کے متعلق خدا نے فرمایا۔ کتبنالہٗ فی الالواح۔ ہم نے اس کے لیے تختیوں پر لکھ دیا۔ حضرت داؤدؑ کے متعلق فرمایا۔ وآتینا داؤدٗ زبورا۔ ہم نے داؤدؑ کو ایک زبور (نوشتہ) عطا کیا۔ بائبل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض انبیاء کو لاہوتی نوشتے دکھائی دیے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ نے اس طریقہ وحی سے نوازا۔ آپؐ ان دنوں رائج رسم الخط سے واقف نہیں تھے لیکن ان دنوں کو تو آپ نے بھی جرایا تھا۔ عربی سمات اہل سے آپؐ بخوبی واقف تھے۔ اس قدر تمہید کے بعد اب ہم طسم پر غور کریں گے۔

عربی سمات میں سے ایک کا نام تــــواۂ ہے۔ تواہ اللہ کا مطلب ہے خدا اسے ہلاک کرے۔ اس سمت کی صورت ٹکراتی ہوئی لاٹھیوں یا تلواروں جیسی ہوتی تھی X عبرانی نام اس نقش کا تاؤ ہے۔ کئی سامی اسکرپٹوں کی یہ "ت" ہے۔ یہی نقش انگریزی x (ایکس) ہے جو کہ عربی قص (کترنا) کی بدلی صورت ہے۔ براہمی رسم خط میں یہ کاٹ کر حرف اول ہے۔ سماتی مطلب اس نقش کا کاٹنا، قتل کرنا، ہلاک کرنا، اور لڑائی ہے۔ ایک سماتی نقش ◘ ایسا ہے۔ اس کے سماتی ناموں میں سے ایک محجیر ہے جس کے معنی ہیں حجر قرار دینا۔ ھٰذہ انعام وحرث حجر۔ یہ چوپائے اور کھیت حرام ہیں۔ ایک تیسرا سماتی نقش ● ایسا ہے۔ اس کے معنی ہیں "الاتو احجر" یعنی ہلاک کرنا حرام ہے۔ توراۃ میں مذکور ہے کہ قین نے جب اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو خدا نے اسے جلاوطنی کی سزا دی اور اس کے بدن پر ایک آوت (نشان) لگا دیا تاکہ جو کوئی اسے دیکھے ہلاک نہ کردے، (بائبل: تکوین ۴:۱۵) اس نقش کا مطلب جس کا ذکر توراۃ نے کیا ہے عینہ وہ تھا جو ● کا مطلب ہے۔ یہ نقش فعلی یعنی حجری عبرانی رسم الخط میں حطی کا حرف دوئم ہے جس کا عربی نام "طا" ہے۔ سین جنوبی عرب کی عربی میں چاند کو کہتے تھے یہی لفظ سنا بن کر قرآنی عربی میں چمک اور روشنی کے معنی دیتا ہے۔ سین کی

سبائی شکلوں میں سے ایک ہلال (جیسی ہے۔اس نقش کا سبائی مطلب چاند او روشنی ہے میم کی مختلف شکلوں میں سے ایک برستے ہوئے پانی کی دھار جیسی ہے۔اس کے معنی ہیں پانی اور برسنا۔اب اس طاسین میم کے معنی سمجھیے:۔

طا	سین	میم
گلا گھونٹنا حرام ہے	روشنی	برسنے کو ہے

اب اس مطلب کو سمجھنے کے بعد سورہ شعراء کی ابتدائی آیتوں کا ترجمہ پڑھیے:۔

طا۔سین۔میم۔یہ ہیں واضح نوشتے کی آیتیں (مگر) تم تو شاید اپنا گلا گھونٹ لو گے،اس لیے کہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ہم چاہیں گے تو آسمان سے ان پر ایسی آیت اتاریں گے جس کے لیے ان کی گردنیں جھک جائیں گی۔اور یہ تو ہمیشہ ہوا ہے کہ لوگوں کے پاس جب بھی کوئی نئی نصیحت آئی تو لوگ اس سے منہ موڑنے لگے چناں چہ ان لوگوں نے بھی جھٹلایا سو اب ان کے پاس اس کی خبریں آنے ہی کو ہیں جس کا یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔

دیکھیے اس مقطعہ کے سبائی مطلب کو،اس کے بعد کی آیتوں سے کس قدر مناسبت ہے۔اسی طرح اور مقطعات کی بھی تشریح کی جا سکتی ہے لیکن ہمارا مقصود اس وقت تفسیر قرآن نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ عربی اونٹوں پر نشانات لایعنی نہیں۔ابجدی یا غیر ابجدی طرز تحریر میں عہد قدیم کی نصیحتیں ،خبریں اور حکمتیں منقوش ہیں۔یہ نقوش صحرا اب تو شاید عملی طور پر لایعنی بن گئے ہیں لیکن اگر ان کو جمع کیا جائے تو شاید ہم عرب قبل اسلام کی بھولی بسری تاریخ کے بعض اہم حقائق معلوم کر سکیں گے۔عرب کے لوگ ریتوں اونٹوں،مکانوں،پہاڑوں،چمڑوں اور مختلف اشیاء پر طرح طرح کی تحریریں لکھنے کے عادی تھے،یورپین سیاحوں نے ہمارے لیے متعدد عربی نوشتے عہد قدیم کے حاصل کر دیے ہیں۔دیار عرب میں ابھی بہت سے قدیم نوشتے دبے پڑے ہیں جن کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے قدمائیمن۔

> ما دخلوا قریتہ الا و قد کتبوا　　　بھا کتابا فلم یدرس ولم یبد
>
> جس بستی میں بھی داخل ہوئے وہاں انھوں نے ایک نہ ایک نوشتہ لکھا جو مٹ نہیں گیا،نابود نہیں ہو گیا۔

یہ ہے ہارون و مامون کے معاصر شاعر دعبل خزاعی کا اعلان جس کی صداقت کو آزمانا ابھی باقی ہے۔

پیکرانِ بے سخن

مولانا ابو الجلال ندوی

ازہر پا پیکران بے سخن آوردہ اید   پیکران بے سخن را نغمہ زن می آورم
وربتائے قیس امروز ورم آرم لیلائے دی   درحریم عہد نوعہد کہن می آورم

وادیٔ سندھ اور اس کی تہذیب اپنی قدامت کی وجہ سے ہمیشہ دلچسپی کا باعث رہے گی، جو ملک مصر اور سومیریا کے لگ بھگ ماقبل تاریخ کے دھندلکوں سے ابھری، اور پھر ایسی جگہ واقع ہو کر اس کے گرد پیش کے ممالک عرب، ایران، مصر اور روم وغیرہ سے خود بخود تعلق پیدا ہو جائے اس کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ دوسرے موئن جوڈرو اور ہڑپا میں جو ایک پرانی تہذیب کے آثار دستیاب ہوئے انھوں نے اس کی اہمیت اور بھی بڑھا دی۔ یہ تہذیب کیا تھی، کن لوگوں میں پروان چڑھی، اس کی نسل زبان، رسم الخط کیا تھا اور وہ عجیب وغریب مہریں کیسی ہیں جو صرف یہیں نہیں بلکہ آس پاس کے ملکوں میں دستیاب ہوئی ہیں؟ ان سے تاریخ پر کیا روشنی پڑتی ہیں؟ یہ سب ہمارے لیے دلچسپی کا باعث ہے اور پاکستانیوں کو تو مفصل دعوت تحقیق ہے کیوں کہ یہ اُن کی تاریخی میراث کا نہایت بیش و بہا جز ہیں یہاں سے حاصل شدہ سے مہریں جن پر کچھ نقوش اور کچھ عبارتیں مرتسم ہیں ممکن ہے جو سوالات اوپر پیش کیے گئے، انکی کلید ان مہروں میں ہی مضمر ہو بنا بریں ان کے راز و پنہاں کی تحقیق کتنی ہی خشک سہی، پھر بھی کسی نہ کسی طرح ان "پیکران بے سخن" کو نغمہ زن کرنا ہی پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ قدیم سندھی مہروں کی عبارت یا تو آریائی (ویدک سنسکرت) ہو سکتی ہیں یا غیر آریائی (سامی دراوڑی) یا کوئی اور بعض لوگ اس کا راز ویدک، سنسکرت، منڈایا کسی اور آریائی خط میں تلاش کرنا چاہتے ہیں، چناں چہ ماہ نو کے ایک مراسلہ نگار متین الحق صاحب نے دسمبر ۱۹۵۷ء میں اس ہی پر زور دیا ہے۔ ہندو علماء نے اپنے مفید مطلب وجوہ کی بناء پر اس کو سنسکرت یا دراوڑی قرار دیا ہے اس کے خلاف تو سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ موئن جوڈرو کے باشندے بظاہر غیر آریائی ت تھے، دوسرے اگر ابجدی نوشتے اور تحریر کو تصویر سے ہم رشتہ باور کیا جائے تو یہ خط نہ سنسکرت ہے نہ دراوڑی ۔ اس سیدھے سادھے نتیجہ سے گریز کے سبب انھوں نے قطعی یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ (۱) نوشتے قطعی غیر ابجدی ہیں کیوں کہ حروف نقوش کی تعداد ۴۰۰ ہے (۲) ممکن نہیں کہ مہروں پر جن چیزوں کی تصویریں ہوں تحریریں بھی ان ہی کی بابت ہوں۔

یہ فیصلہ ان لوگوں کا جو ایک مہر کو بھی ان زبانوں میں نہیں پڑھ سکے اور وہ پھر کسی اور قرأت پر غور کرنے

کی اجازت بھی نہیں دیتے اس لیے سامی ذرائع سے یہ عقدہ فوراً حل جاتا ہے۔ویدک ایج کے مؤلفوں نے مارشل نمبر ۴۰ کو لیا جس پر [illegible] مکتوب ہے۔

اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان مہروں کو معمہ کیوں بنا دیا گیا ہے۔

(۱) [illegible] اور [illegible] متبادل نقوش ہیں، [illegible] رومن واؤ ہے۔

(۲) [illegible] اور اس کے مماثل نقوش کو سبائی ح بتا کر مارشل نے کھ پڑھنے کی رائے دی ہے۔

(۳) [illegible] کی بابت ہندوستانی کا پہلا خیال یہ ہو سکتا ہے کہ یہ [illegible] کی ایک شکل ہے۔

(۴) [illegible] مچھلی کی شکل ہے۔عربی نام نون ہے، ان کو [illegible] کا نصف ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے

(۵) ۹ اور حرف واؤ کی سینائی شکل ہے جو عربی میں ضمہ کا کام دیتی ہے۔ایک ہندوستانی عالم جو حروف ونقوش اور کسی عربی سے بھی واقف ہو پہلا مفروضہ یہ دے سکتا ہے کہ تصویر پر ظھو بمعنی ناطح (سینگ والا) مکتوب ہیں اس ممکن کا مفروضہ کا گلا گھونٹنے کے لیے یہ نظریہ وضع کیا گیا کہ (۱) نوشتہ ابجدی نہیں ہو سکتا۔(۲) تحریر کا تصویر سے رابطہ نہیں ہو سکتا مارشل نمبر پر ۱۲۸ پر اور [illegible] مکتوب ہیں [illegible] کو ہم [illegible] کی صورت میں جدا جدا کر سکتے ہیں۔

[illegible] کو آپ جانتے ہیں سبائی "ح" ہے۔

[illegible] یہ ہو بہو سبائی "ذ" ہے۔

سندھی مہروں کا یہ حال ہے کہ ایک مہر پر ایک لفظ ملتا ہے، دوسری پر اور، اور تیسری پر ایک اور، بات جا کر تیسری مہر میں پوری ہوتی ہے۔مارشل نمبر ۱۲۸ کو ملا کر پڑھیے: وَحذُ ظھو۔ایک سینگ والا۔یہ میکے نمبر ۲۵۶ پر [illegible] مکتوب ہے

[illegible] اور [illegible] متبادل نقوش ہیں، [illegible] فینقی ھ ہے جس سے رومن E ماخوذ ہے۔عبرانی وغیرہ میں ھائے ھوز انگریزی the اور عربی میں ال کے مترادف ہیں۔

[illegible] اور [illegible] متبادل نقوش ہیں [illegible] سبائی ف ہے۔

میکے ۲۵۶ کو ھفد پڑھا جا سکتا ہے فدا دعربی میں کسان اور ہل جوتنے والے بیلوں کی جوڑی کو کہتے ہیں۔اب میکے ۲۵۶ اور مارشل ۱۲۸ و نمبر ۴۰ کو ملا لیجیے ھفد وحد ظھو کے معنی ہوئے ایک سینگ والا بیل۔

ظاہر جو محقق سندھی مہروں کو اس طرح پڑھنے کی کوشش کرے اسے سنسکرت رسم الخط کو تلاش کرنے کا مشورہ دینا کہاں تک بجا ہے۔بالعموم یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ سنسکرت کا اپنا کوئی خصوصی رسم الخط بھی ہے۔ہندوستان میں کوئی پستک، کوئی نوشتہ کوئی رسم الخط اب تک ایسا نہیں ملا جو اشو کی رسم خط سے زیادہ قدیم ہو، ویدوں کا کوئی ایسا نسخہ معلوم نہیں جس کا زمانہ تحریر اسلام سے آگے کا بتایا گیا ہو۔علماء سنسکرت نے تسلیم کیا ہے کہ وید کسی ایک

رسم الخط میں نہیں ملے ہیں بلکہ مختلف خطوں میں ملے ہیں اور ہر خط براہمی سے ماخوذ ہے اس لیے براہیم کے ہوتے ہوئے اس سے مستخرج نقوش لینے کی مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ اگر ویدیا کسی سنسکرت کا پتک کا سراغ دیا جا سکے جس کا سال ۵۱۳ء سے زیادہ قدیم ہو تو مذکورہ بالا مشورہ کچھ معنی رکھتا ہے ورنہ مناسب یہ ہے کہ ویدک (جو سنسکرت کی قدیم ترین صورت ہے) اور سنسکرت کے بجائے دوسرے خطوط کی طرف رجوع کیا جائے۔

بعض کا خیال ہے کہ براہمی، سندھی سے ماخوذ ہے۔ میں اس کا قائل نہیں لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ محض خیال باز نہیں۔ سندھی مہروں پر براہمی جیسے نقوش ہیں۔ دیکھیے ایک سندھی نوشتہ جس کے سارے نقوش براہمی ہیں: ENK اسے یوں ENX لکھ لیجیے براہمی نوشتہ بن جاتا ہے دائیں سے پڑھیے مدجا بائیں سے پڑھیے جاذم۔ عربی میں پڑھیے لاالہ خیالہ عربی میں لیبہ انسانی خور ہے۔ براہمی خط سندھی مہروں کو حل کرنے میں مدد دے سکتا ہے تو اب تک کتنی مہریں پڑھ لی گئی ہوتیں۔ غرض سندھی اور براہمی کا ناطہ اب مسلمات میں داخل ہے۔ لیکن ان پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے براہمی نوشتے کی قدامت تیسری صدی قبل مسیح تک ثابت ہے۔ براہمی سے قدیم سبائی ہیں اس کے نقوش بھی سندھی مہروں پر ہیں۔ ۳۲۰ ق م تک عربی طائی اور رحمانائی نام کے لوگ جدروشیا (بلوچستان) میں موجود تھے اس کی خبر معاصر یونانیوں نے دی ہے۔ ۲۵ ق م میں یمن پر ایک السیر وس (الشرح) حکومت کرتا تھا اور رحمانائی قبیلہ کا تھا اس کی خبر ایسے رومیوں نے دی ہے جو یمن پر ۲۵ ق م میں حملہ آور ایلس گالوس کی فوج میں شریک تھے اس لیے سندھی مہروں میں براہمی کے بجائے رحمانائی میں کیوں نہ پڑھا جائے؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ (ا) ممکن نہیں کہ نوشتے ابجدی ہوں (ب) ممکن نہیں کہ تحریر کا تعلق تصویر سے ہو۔ نیز سندھی کلچر رگ وید کلچر کا منطقی نتیجہ اور صلبی نسل ہے۔ نہ نہار اس کے نقوش کو عربوں کا نام لے کر زیاں نہ پہنچاؤ پڑھو تو دراوڑی یا سنسکرت میں، ورنہ پڑھو ہی نہیں۔

بعض کی رائے ہے کہ براہمی ایک ویدک خط سے مستخرج ہیں۔ یہ درمیانی خط جب تک مل نہیں جاتا، اس وقت یہ نظریہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

رہا منڈا رسم الخط جس کی بعض نے سفارش کی ہے، تو میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ رسم خط جو بھی ہوں پہلے زبان کا اندازہ لیا جاتا ہے پھر نقوش کی اس زبان کے مطابق آواز تجویز کی جاتی ہے۔ Ƨ اور Z اور ری مشابہ حروف ہیں۔ اس سے S ماخوذ ہیں جو براہمی سین ہے۔ پرنسپ جس نے براہمی کو حل کیا ہے، کا بیان ہے کہ چند سکوں کو دیکھ کر اسے خیال آیا کہ یہ لفظ of کا مرادف ہیں جس کے لیے سنسکرت sya اور پالی ssa ہے پھر چند نوشتوں کو دیکھا کہ ⊥ پر ختم ہوتے ہیں۔ خیال پیدا ہوا کہ یہ لفظ دانم ہے F کو "دا" پڑھنے کی وجہ سے اس کے ماگری حرف بدل سے ظاہر ہیں اور یہ سبائی F کی بدلی صورت ہے۔ حرف ا کو انھوں نے قیاس سے پڑھا

ہے۔دو برس پہلے وہ مغربی ایشیا (فلسطین، شام، مدین، دیار ثمود اور یمن) کی ابجدوں سے واقف ہو چکے تھے جن کی مدد سے پالی زبان کی حرفی ابجد بنائی ۔اسے لے کر دہلی پہنچے اور اشوک کی نوشتوں کی تحریر جو دہلی کے ستون پر ہیں جسے فیروز تغلق نے پڑھوانا چاہا تھا مگر کوئی نہ پڑھ سکا، اس حرفی ابجد سے پڑھ لیا۔اوروں نے ان کی قرأت کو دوسرے نوشتوں پر آزمایا اور مفروضہ واقع ثابت ہوا۔میں بھی مندرجہ خط سے اسی طرح مدد لے سکتا ہوں مگر یہاں پرتو پرنسپ کے طریق کار کو ابتداء ہی سے شرف قبول حاصل نہیں۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ سامی ذرائع سے سندھی مہریں پڑھنے سے کوئی مدد ملتی ہے کہ نہیں اور کس حد تک؟ سندھی مہروں پر حسب ذیل قسم کے نوشتے بھی ملتے جنھیں کو عربی یا عربی جیسی زبان کے علاوہ کسی زبان میں بھی نہیں پڑھا جا سکتا:

یہ متعدد مہروں کے الفاظ ہیں جن کو ہم نے ایک عبارت کی شکل میں ترتیب دے کر لکھا ہے، کیونکہ اگر یہ الفاظ ہم کو جنوبی عرب کی تحریر میں مل سکتے ہیں تو جدا جدا مہروں کے بجائے ایک مربوط عبارت کی شکل میں ملیں گے۔ان میں ہر لفظ ایک بیل کی تصویر پر مکتوب ہے جس کے سامنے ایک ظرف ہے۔عرب میں یہ تحریر ملے گی تو بے تصویر ملے گی پھر بھی عربی اور اس کے قدیم خط کا ماہر جاننے والا اس تحریر کو دیکھتے ہی بے تامل پڑھ کر اس کا ترجمہ کر لے گا: "ایک سینگ والے بیل نے چھانٹ کھائی ناند کے اندر چارہ کا ریزہ تک نہیں ہے" اس نوشتے کو خواہ اس کے الفاظ الگ الگ مہروں پر یا یکجا لکھے ملیں، اسی زبان میں پڑھا لکھا جا سکتا ہے جو مہر نویسوں کی تھی ۔اتفاق سے اس شہادت کا دامن اہل عرب، ان کی تاریخی قدامت، زبان کے تدریجی ارتقاء اور عربی زبان کی مختلف حالتوں سے وابستہ ہے ۔جن کا مجموعی تصوراتی زمانہ بہت ہی محدود ہے، لہٰذا ہمیں اہل عرب ہی نہیں بلکہ عبرانیوں اور فنیقیوں کی تاریخ پر بھی نظر ڈالنی ہوگی جو ان کے آبا و اجداد تھے اسی سے عربی رسم تحریر اور اس کی قدامت پر بھی روشنی پڑے گی۔اگر اسی طرح شہادت بہم پہنچ جائے جو سندھ اور عرب قدیم میں نسلی لسانی اور دیگر روابط پیدا کر دے تو ہمارے لیے سندھی خط اور مہروں کی تشریح بہت آسان ہو جائے گی ۔یہ ایک الگ بحث ہے جس پر میں پھر کبھی اظہار خیال کروں گا۔

تصویری عکس

کچھ وادی سندھ کے نقوش

کچھ نقوش

PUNCH | INDUS VALLEY
288
296
301
(Plate CXIV, 516.)
120
48

PUNCH | INDUS VALLEY
364
355
97
251
183

PUNCH | INDUS VALLEY
331
341
370
369
389
379

کچھ نقوش

Indus script:
(a) Three examples of square stamp seals, each with an Indus text at the top
(b) A small subset of the 400 or so signs in the Indus script

کچھ نقوش

کچھ نقوش

Great Bath, Mohenjodaro

Clay Tablets

جامعہ کراچی دارآلتحقیق برائے علم و دانش